ترکی میں اقبال شناسی

(تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو (ریگولر)

سیشن (۲۰۰۶ء-۲۰۱۳ء)

مقالہ نگار

خالد مبین

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو

اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

نگران

ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر

پروفیسر شعبۂ اردو

اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

ترکی میں اقبال شناسی
(تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)

خلاصہ

یہ تحقیقی مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''اقبال اور ترکیہ'' ہے۔اس عنوان کے تحت ترک کون ہیں اور انہوں نے کون کونسی ریاستیں قائم کیں؟ تاریخ کی روشنی میں ان کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔پھر ترکیہ میں اصلاحات زبان، ترکی زبان میں القاب وآداب بیان کئے گئے ہیں۔ برصغیر کے ساتھ ترکوں کے روابط کا آغاز کیسے اور کس دور میں ہوا؟اس کے بعد پاک ترک روابط پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔اسی باب میں آگے چل کر ترکی ادب کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔جس سے مقصود یہ ہے کہ ترک شاعروں اور ادیبوں سے متعارف ہو کر اُن کے شعری موضوعات کا اندازہ لگایا جاسکے۔پہلی جنگِ عظیم کے بعد ملتِ اسلامیہ کے حالات دگرگوں ہو چکے تھے۔اس موقع پر برصغیر کے مسلمانوں نے ترکیہ کی ''سلطنتِ عثمانیہ'' کی سلامتی کے لیے تحریکِ خلافت کا آغاز کیا۔تحریکِ خلافت کے دوران برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات خصوصاً اقبال کے حوالے سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے،اقبال کی تحریک خلافت کے ساتھ دلچسپی،کلام اقبال کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔اس باب کے اختتام پر کلام اقبال میں جن اہم مشاہیر ترکیہ کا ذکر آیا ہے،اُن میں سے چند اہم مشاہیر کا مختصر احوال بیان کیا گیا ہے۔
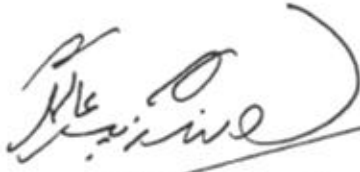
مقالے کے دوسرے باب کا عنوان ''ترکیہ میں اقبال شناسی کی روایت'' ہے۔باب کے آغاز میں ''ترکیہ جمہوریہ'' کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔اس کے بعد ترکیہ میں ترجمے کی اہمیت ور روایت کو بیان کرتے ہوئے ''عثمانی سلطنت'' کے دور سے لے کر ''جمہوریہ ترکیہ'' تک کتابوں کے دیگر زبانوں سے ترکی زبان میں تراجم کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔اس کے بعد ''ترکیہ میں تراجم کلام اقبال کی روایت'' کے تحت مطالعہ اقبال کا آغاز کب ہوا اور پاکستان کی تشکیل کے بعد اس میں کتنا اضافہ ہوا؟اور کس کس نے کلام ونثر اقبال کے تراجم کئے ہیں؟ان سب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ترکیہ میں اقبالیات کا جائزہ لینے کے بعد ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' کا ذکر کیا گیا ہے،جس نے ترکیہ میں تقریباً ہر سال ''یوم اقبال'' منعقد کروانے کے علاوہ اقبال پر کئی اہم کتب شائع کر کے ترک اقبال شناسوں کو ایک ''پلیٹ فارم'' فراہم کیا۔اس کے بعد ترکیہ میں منعقدہ ''یوم اقبال'' کے سیمینارز کی تفصیل دی گئی ہے۔اس باب کے آخر میں ترک اور غیر ترک اقبال شناسوں کے مختصر حالات زندگی مع اقبال پر کئے گئے ان کے تراجم وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب سوم میں ''نظمِ اقبال کے ترکی تراجم کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' لیا گیا ہے۔اس باب کے آغاز میں اقبال کی فارسی شعری کتب کا مختصر تعارف دے کر ترکی زبان میں ہونے والے تراجم کا الگ الگ تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اسی طرح اقبال کی اردو شعری کتب کا مختصر تعارف دے کر ترکی زبان میں کیے گئے کلامِ اقبال کے تراجم کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اِس جائزہ کے مطالعے سے ترکیہ میں کلامِ اقبال کے تراجم کی رفتار اور معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

باب چہارم میں ''نثر اقبال کے ترکی تراجم اور اقبال پر لکھی کتب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' پیش کرتے ہوئے اقبال کی نثری کتب کا تعارف اور ترکی زبان میں ہونے والے تراجم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔باب پنجم میں ترکی زبان میں شائع ہونے والے سوانح اقبال اور اُن کے فکر وفلسفے پر لکھی گئی کتب کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔نیز مقالہ کے آخری باب میں ترکیہ میں اقبال شناسی کے حوالے سے کی گئی کوششوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں ترکیہ میں کلام ونثر اقبال کے حوالے سے کیے گئے تراجم اور اقبال پر لکھی گئی کتب کا تفصیلی محاکمہ بھی پیش کیا گیا ہے۔اِس محاکمے سے ترکیہ میں اقبال شناسی کے حوالے سے بڑے حوصلہ افزا نتائج سامنے آتے ہیں۔

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ **خالد مبین ولد محمد ادریس** نے پی ایچ ڈی (اردو) کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **"ترکی میں اقبال شناسی (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)"** میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ یہ مقالہ اس قابل ہے کہ اسے پنجاب یونیورسٹی میں مروّج طریقِ کار کے مطابق پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حوالے سے جانچنے کے لیے پیش کیا جا سکے۔

19/1/13

ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر

پروفیسر شعبہ اُردو

پنجاب یونیورسٹی لاہور

انتساب!

رب العزت کا انتہائی شکر اور احسان عظیم ہے کہ جس کی توفیقِ خاص سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ میں اپنی اس حقیر کاوش کو اس عظیم ہستی کے نام کرتا ہوں جنھوں نے میری تعلیم و تربیت میں جس طرح اپنی زندگی صرف کی وہ ناقابل بیان ہے۔ والدہ محترمہ ہمیشہ میرے علمی معاملات میں حوصلہ بڑھاتی تھیں مگر زندگی نے ان کو زیادہ مہلت نہ دی اور وہ طویل علالت کے بعد داغِ مفارقت دے گئیں۔ بقولِ اقبالؒ

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

فہرست

انتساب

پیش لفظ 1-3

ترکی رسم الخط کی وضاحت 2-5

مستعملات 6

باب اول: اقبال کے ہاں ترک، ترکیہ اور مشاہیر ترک 7 - 61

(الف) ترک اور ترکیہ

i. ترکی زبان کی مختصر تاریخ 8

ii. ترکیہ میں اصلاحات زبان 9

iii. ترکی زبان کے جدید حروف تہجی 10

iv. ترکی زبان میں خطابیہ اور دعائیہ کلمات 11

v. ہندوستان کے مسلمانوں سے ترکوں کے روابط 11

vi. پاک ترک روابط 12

(ب) ترکی ادب ایک مختصر جائزہ 16

(ج) تحریک خلافت 25

i. تحریک خلافت کے اثرات 26

ii. اقبال اور تحریک خلافت 27

(د) اقبال اور ترکیہ 32

(ر) اقبال اور مشاہیر ترکیہ 39

i. علامہ اقبال اور مولانا روی 39

ii. علامہ اقبال اور محمد عاکف ارصوئی 45

iii. علامہ اقبال اور سعید حلیم پاشا 49

iv. علامہ اقبال اور ضیا گوک آلپ 53

باب دوم: ترکیہ میں اقبال شناسی کی روایت 62 - 111

(الف) ترکیہ جمہوریہ 62

(ب) ترکیہ میں ترجمے کی اہمیت وروایت 65

(ج) ترکیہ میں اقبال شناسی اور تراجم کلام اقبال کی روایت 68

(د) رسائل "اقبال نمبر" 75

i. پاکستان پوستاسی 75

ii. پاکستان پوستاسی۔اقبال نمبر۔نومبر ۱۹۷۷ء 76

iii. ترکیے 1993ء 77

(ر) ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن

i. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔استنبول 81

ii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔انقرہ 82

iii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔قونیہ 82

(س) یوم اقبال / سیمینار 84

(ص) ترک اقبال شناس ______ ایک مختصر تعارف 86

1. احسان علی آچق (ihsan Eliacik)
2. احمد البائراق ڈاکٹر (Dr. Ahmed Al-bayrak)
3. احمد متین شاہین (Ahmet Matin Sahin)
4. اسماعیل حبیب سیووک (ismail Habib Sevuk)
5. ایس۔محمت آئدن (S. Mehmet Aydin)
6. بشیر آئے واز اوغلو (Besir Ayvazoglu)
7. بصری گوجل (Basri Gocul)
8. جلال سوئیدان (Cilal Soydan)
9. جودات قلیچ (Cevdat Kilic)
10. حسین حاتمی (Huseyin Hatemi)
11. خلیل طوق آر (Halil Toker)
12. رمضان تونچ (Ramzan Tunc)
13. سنائل اوزکان (Senail Ozkan)
14. صلاح الدین یاشار (Selahaddin Yasar)
15. صوفی حوری (Sofi Huri)
16. علی علوی قوروجو (Ali Ulvi Kurucu)
17. علی گینجلی (Ali Genceli)
18. عبدالقادر قراۂ خان (Abdul kadar karahan)
19. علی نہاد تارلان (Ali Nihad Tarlan)
20. عیسیٰ جیلق، ڈاکٹر (Dr. isa Calik)
21. قول سعدی یوکسل (Kul Sadi Yuksal)
22. محمت اوندر (Mehmet Onder)
23. محمت علی اوزکان (Mehmet Ali Ozkan)
24. ولی اورخان (Veli Orhan)
25. محمد فتح اللہ گولین (Muhammad Fatehiullah Gullen)
26. یوسف قاپلان (Yusuf Kaplan)
27. یاشار نوری اوزترک (Yasar Nuri Ozturk)

(ط) غیر ترک اقبال شناس ـــــــ ایک مختصر تعارف 101
آنا میری شمل، ڈاکٹر | جاوید اقبال (جسٹس ریٹائرڈ)
محمد خان کیانی | مسعود اختر شیخ، کرنل (ر)
نثار احمد اسرار، ڈاکٹر

باب سوم: نظمِ اقبال کے ترکی تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ 112-189

(الف) فارسی کلامِ اقبال کا مختصر تعارف

i. اسرار خودی (۱۹۱۵ء) 112
ii. رموزِ بیخودی (۱۹۱۸ء) 115
iii. پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء) 116
iv. زبورِ عجم (مع گلشن راز جدید و بندگی نامہ) (۱۹۲۷ء) 119
v. جاوید نامہ (۱۹۲۳ء) 120
vi. پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مثنوی مسافر (۱۹۳۶ء) 124
vii. ارمغان حجاز (۱۹۳۸ء) 127

(ب) فارسی کلامِ اقبال کے ترکی تراجم

اسرار خودی:

i. اسرار و رموز (۱۹۵۸ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان 130
ii. اسلامی بن لیعین اِچ یوزو (۱۹۸۶ء) اَز ڈاکٹر علی یوکسل 135

رموزِ بے خودی:

i. بنلیک دے تُو بلم (۱۹۹۰ء) اَز ڈاکٹر علی یوکسل 138

پیامِ مشرق:

i. شارق تان خبر (۱۹۵۶ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان 139
ii. پاکستان ملی شاعرا قبالن حکمت لی شعرلری (۱۹۷۰ء) اَز بصری گوجل 142
iii. ڈاکٹر محمد اقبال طورلا لے سی (رباعیات) (۱۹۷۰ء) اَز بصری گوجل 143
iv. اقبال دین شعرلر۔ شارق تان خبر دے زبورِ عجم (۱۹۷۱ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان 145

زبورِ عجم:

i. یَنی گلشن راز (۱۹۵۹ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان 147
ii. زبورِ عجم دان سِچمے لری (۱۹۶۴ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان 148

جاوید نامہ:

i. محمد اقبال جاوید نامے (۱۹۵۸ء) از آنا میری شمل 152

ii. محمد اقبال جاوید نامے (۱۹۵۸ء) از خلیل طوق اَر 155

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مثنوی مسافر:

i. یولجولک حاطرہ سی (۱۹۶۹ء) از علی گنجلی 156

ii. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ن اُچ اثرلری: یولجو۔ اے شارق قوم لری۔ کھولے لِک (۱۹۷۶ء) از ڈاکٹر علی نہاد تارلان 158

ارمغان حجاز:

i. حجاز ارمغانی (۱۹۶۸ء) از ڈاکٹر علی نہاد تارلان 161

(ج) اردو کلامِ اقبال کا مختصر تعارف

i. بانگِ درا 164

ii. بالِ جبریل 165

iii. ضربِ کلیم 166

iv. ارمغانِ حجاز 167

(د) اردو کلامِ اقبال کے ترکی تراجم

i. ضربِ کلیم (۱۹۶۸ء) از ڈاکٹر علی نہاد تارلان 168

(ر) اردو کلامِ اقبال کے ترکی انتخاب

i. ڈاکٹر محمد اقبال و ے اثرلر یندین سچے لر (۱۹۷۴ء) از عبدالقادر قرا خان 172

ii. محمد اقبال۔ دوغو دین انتی لر (۱۹۸۸ء) از ڈاکٹر این۔ احمد اسرار 180

iii. محمد اقبال۔ عشق و ے طت کو (۱۹۹۹ء) از جلال سوئیدان 183

باب چہارم: نثر اقبال کے تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ 218-190

(الف) دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس اِن پرشیا 190

i. اسلام فلسفے سینے بر قاتک (۱۹۹۷ء) از جودت تازلی 192

(ب) سٹرے ریفلیکشن 196

i. ینسالر۔ گینجلک نوٹ لر (۲۰۰۱ء) از خلیل طوق اَر 199

(ج) ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اسلام 200

i. اسلام کن روحو (۱۹۶۳ء) از ای۔ اے 201

ii. اسلام دادینی تفکرأن نی دین تشیکولو (۱۹۶۴ء) أز صوفی حوری 206

iii. اسلام دادینی دشنجے نن نی دین دوغوشو (۱۹۸۴ء) أز ڈاکٹر این۔احمد اسرار 209

(د) مکاتیب اقبال

i. مکتوپ لر۔ (۲۰۰۲ء) أز خلیل طوق أر 2113

باب پنجم: ترکی میں اقبال پر کتب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ 219-262

(الف) ترکی میں سوانح کتب اقبال

i. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، حیات و ے فلسفےسی (۱۹۷۷ء) أز نامعلوم 219

ii. محمد اقبال (۱۹۸۴ء) أز صلاح الدین یاشار 221

iii. محمد اقبال۔۔۔حیاتی، صنعت، مجادلےسی (۱۹۸۸ء) أز رمضان توغچ 223

(ب) ترکی میں اقبال پر تشریحی وتوضیحی کتب

i. پاکستانن بیوق ملی شاعری اقبال حقندا کانفرنس لر (۱۹۵۲ء) سفارتِ پاکستان 225

ii. اسلامن شاعر فیلوضوفو محمد اقبال (۱۹۶۸ء) سفارتِ پاکستان 228

iii. محمد اقبال (۱۹۶۹ء) سفارتِ پاکستان 230

iv. دوغوشن اویانش (۱۹۸۵ء) أز قول سعدی 233

v. شعرلری آئینہ سندا اقبال (۱۹۹۵ء) أز محمد خان کیانی 236

(ج) اقبال پر لکھی کتب کے ترکی تراجم

i. بیوق اسلام شاعر محمد اقبال (۱۹۵۷ء) أز علی علوی قوروجو 239

ii. دوغودین بریسس (۱۹۸۱ء) أز ترگت آکمان 241

iii. اقبال و ے قرآنی حکمت (۱۹۸۱ء) أز ایم۔علی اوزکان 244

iv. این۔ندوی اقبالن سہ ساجی (۱۹۹۰ء) أز ڈاکٹر یوسف اشحق 250

v. بزوے اقبال (۱۹۹۱ء) أز ارگن قلیچ توتن 253

باب ششم: محاکمہ 263-276

کتابیات 277-283

ضمیمہ 284-289

پروفیسر علی نہاد تارلان کی شخصیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد صابر کا راقم کے نام خط

پروفیسر علی نہاد تارلان کا علامہ اقبال کو شعری خراج عقیدت ''درآرامگاہِ اقبال''

پیش لفظ

خالقِ کائنات نے انسان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے زبان عطا کی ہے۔ زبان دلی جذبات و احساسات کو الفاظ کا روپ دے کر انسانوں کے مابین رابطہ کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ رابطہ انسانوں میں ہم آہنگی اور یگانگت کا باعث بنتا ہے۔ یہی یگانگت انسانوں کو بلاتفریق رنگ و نسل ایک دوسرے کے قریب آنے' ان کے احساسات و جذبات اور خواہشات کے جاننے اور سمجھنے کا باعث بنتی ہے۔ یوں یہ اشتراک، عملی صورت میں انسانوں کو قریب لا کر ایک ایسی وحدت میں پروتا ہے جو منشائے ربانی ہے۔

زبان انسانی جذبات و احساسات کو تخلیقی ادب میں منتقل کرتی ہے۔ یہ تخلیقی ادب انسان کو بہتر مستقبل اور مثالی دنیا کے خواب دیکھاتا ہے۔ ادب میں انہی خوابوں کو پڑھتے ہیں' دیکھتے ہیں اور ان کی تعبیر کی سمت چل پڑتے ہیں تب یہ کائنات خوبصورتیوں میں ڈھلنے لگتی ہے۔ علامہ اقبال کی تخلیقی شاعری کا جہاں بھی ایسے ہی خوابوں اور ان کی تعبیر کی جستجو سے مزین ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا شمار اُن نابغۂ عصر ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے فکر و فن کے ذریعے دنیا کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اسے امن، آشتی اور محبت سے زندہ رہنے کا راستہ دکھایا۔

علامہ اقبال کے افکارِ عالیہ کی اک دنیا عاشق ہے۔ ان میں سے ایک ترک قوم بھی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام اور نثر میں دیگر اقوام کی بہ نسبت ترکوں کا ذکر زیادہ کیا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک بنیادی وجہ ترکوں کی کئی صدیوں پر محیط اسلامی ملت کے لیے کی جانے والی کوششیں ہیں۔ ماضی قریب میں ترک سلطان ''خادم حرمین شریفین'' کہلاتا تھا۔ دوسرے ہندوستان کے مسلمان ترک سلطان کو ''خلیفۃ المسلمین'' خیال کرتے تھے جبکہ اقبال ترکوں کے ہاں ان کی حریت اور اس قوم کے اعلیٰ انسانی اوصاف سے متاثر تھے جو ترکوں کے علاوہ کسی اور قوم میں انھیں کم ہی نظر آتے تھے۔ یوں اقبال نے اپنی نظم و نثر میں ترکوں کی سیاسی جدوجہد اور ہر محاذِ جنگ پر ساتھ دیتے ہوئے ان کا ذکر توقیر اور تواتر سے کیا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر ترکوں نے اقبال کی محبت کا جواب محبت سے دیتے ہوئے ان کے افکار سے مستفیض اور مستفید ہونے کے لیے ترکی زبان میں کلامِ اقبال کے تراجم کیے۔

اقبال کا ترکیہ میں پہلا حوالہ ترکیہ کے قومی شاعر محمت عاکف ارصوئی کی شعری تخلیق ''صفحات'' میں اقبال کے ایک شعر کے ترجمہ سے ملتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا نام ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ہے جنھوں نے اقبال کے فارسی کلام کے تراجم کیے۔ بعد ازاں ایک پوری نسل نے کلامِ اقبال کو ترکی زبان میں ڈھال کر اقبال سے اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یوں یہ سلسلہ رُکا نہیں بلکہ جاری و ساری ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اب اس میدان میں تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً استنبول یونیورسٹی شعبہ اردو کے ترک استاد پروفیسر خلیل طوق اُر، انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ترک استاد ڈاکٹر جلال سوئیدان و دیگر سکالرز ترکیہ میں کلامِ اقبال اور نثر کے تراجم کے سلسلے میں سنجیدگی سے مصروفِ عمل ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ راقم کو ترکی اور ترکیہ سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی؟ یہ ایک حسین اتفاق ہے کہ اورینٹل کالج کے شعبہ ترکی کے ترک استاد ''جہان اوز دیمیر'' سے ملاقات ہوئی۔ ان سے کچھ عرصہ ترکی زبان سیکھنے کا اتفاق ہوا۔ دورانِ تعلیم ان کی محبت و شفقت سے ترکوں کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ یہ دلچسپی شوق میں بدل گئی اور یہی شوق مجھے دیارِ رومی لے گیا۔ یہاں ۱۹۸۸ء میں ترکیہ اور ترکوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو ترکوں کی جفاکشی اور اعلیٰ تہذیبی اطوار نے متاثر کیا۔ ترک ایک مہمان نواز قوم ہے۔ وہ غیر ملکیوں سے اچھا برتاؤ کرنا اپنا قومی فرض خیال کرتے ہیں۔ خصوصاً ان کا پاکستانیوں سے محبت بھرا سلوک دل میں گھر کر گیا۔

انقرہ میں راقم کی رہائش اس کے استاد کے دوست ''عبداللہ گوکچن'' کے ہاں تھی۔ انقرہ میں رہائش کے دوران راقم نے انقرہ یونیورسٹی کے تحت غیر ملکیوں کو ترکی زبان سکھانے والے ادارے ''تومر'' (Tomer) سے تین ماہ کا سرٹیفکیٹ کورس مکمل کیا۔ اس دوران میں ترکوں سے ترکی بولنے کی مسلسل مشق بھی کرتا رہا۔ ترکیہ سے واپسی پر اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ ترکی میں جانا ہوا تو میرے ترک استاد راقم کی ترکی زبان دانی سے بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے ترکی زبان میں بی۔اے کرنے کا مشورہ دیا۔ اس سے پہلے راقم پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کر چکا تھا۔ میرے استفسار پر یونیورسٹی والوں نے بتایا کہ اب صرف ترکی زبان کے دو پرچوں میں امتحان دے کر مجھے بی۔اے کی اضافی سند مل سکتی ہے۔ سو ترک استاد کے کہنے پر تیاری کی اور امتحان دے کر اس میں سرخرو ہوا۔ اس کے بعد جب بھی کبھی اورینٹل کالج جانا ہوتا تو ''جہان اوز دیمیر'' مجھ سے ترکی زبان میں بات کرتے تو خوشی اور اعتماد کی کیفیت روح کو سرشار کر دیتی۔ لہٰذا راقم نے ترکی زبان میں ایم۔اے کرنے کے لیے ''نمل'' یعنی نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا مگر بوجوہ اسلام آباد نہ جا سکا۔ اسی دوران راقم کا ایم۔اے اردو کا نتیجہ آ گیا۔ اس میں کامیابی نے حوصلہ کو بڑھایا۔ بعد ازاں اردو زبان کی لیکچررشپ کے دوران میں اورینٹل کالج کے شعبہ اردو جانے کا اتفاق ہوا۔ شعبہ کے ہر دل استاد پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی جو خود بھی ترکی زبان سے بخوبی آشنا ہیں، نے راقم کی ترکی زبان سے دلچسپی اور شناسائی کو پیش نظر رکھ کر ایم۔فل اقبالیات میں ترک سکالر اور مترجم اقبال ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی اقبال شناسی کا جائزہ پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے مقالہ کے عنوان کو نہ صرف تجویز کیا بلکہ مقالے کے تمام مراحل میں فکری رہنمائی فرمائی۔ مقالہ کے نگران مشہور ترک زبان دان اور ترکی ادب کے پاکستانی مترجم کرنل (ر) مسعود اختر شیخ ہیں۔ جنھوں نے اپنی رہنمائی سے میری ترکی زبان دانی کی دسترس میں اضافہ کیا۔

انسانی زندگی حادثات و اتفاقات سے بھری ہوئی ہے۔ اسی دوران میری بڑی ہمشیرہ کو کینسر لاحق ہوا۔ اس موذی مرض نے تو دو تین سال میں ہم سب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اس مرض کا سارے خاندان نے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ اس مقابلے میں ہم سب کی ذہنی حالت ناقابل بیان تھی۔ سو آخر کار یہ مرض جیت گیا اور ہم ہار گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمشیرہ کو غریق رحمت فرمائے۔ اس جانکاہ حادثے سے نکلنے کے بعد کافی عرصہ تک غم و اندوہ کی کیفیت طاری رہی۔

بعد ازاں حسن اتفاق سے پنجاب یونیورسٹی شعبہ اردو میں پی۔ایچ ڈی میں داخلے کے تمام امتحانی مراحل اللہ تعالیٰ کے فضل سے طے ہو گئے۔ یوں پنجاب یونیورسٹی کی علمی فضا سے جو دوری تھی وہ ختم ہوئی اور اس علمی ماحول میں واپس آنے کا موقع ملا۔ یوں پی۔ایچ ڈی کی تدریسی کلاسز تن دہی اور لگن سے مکمل کیں۔ شعبہ اردو کا ہر پروفیسر اپنے تبحر علمی میں یکتا اور جوہر کامل ہے۔ ان میں سے خصوصاً پروفیسر اورنگ زیب عالمگیر، پروفیسر فخر الحق نوری، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ناصر عباس نیر، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر بصیرہ عنبرین جیسے صاحبان علم کے زیر سایہ بیٹھنے اور ان کے علم سے مستفید ہونے کا موقع میسر آیا جس پر راقم رب العزت کا شکر گزار ہے۔

جب مقالے کی خاکہ نگاری کا زمانہ قریب آیا تو راقم نے دو تین موضوعات منتخب کیے مگر اساتذہ کرام نے میرے ایم۔فل کے مقالے کے موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ترکی کے حوالے سے خاکہ تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ یوں راقم نے کلام اقبال کے ترکی تراجم اور ترکی میں اقبال شناسی کے موضوع پر تحقیقی و تنقیدی مقالہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ مقالے کے مواد کے لیے راقم کو ترکیہ کا دو بار سفر کرنا پڑا۔ یوں اس موضوع پر کام کرتے ہوئے راقم کو جن مشکل مراحل سے گزرنا پڑا ان سے اس کے کئی اساتذہ خصوصاً پروفیسر ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر ناصر عباس نیر اور ڈاکٹر ضیاء الحسن گواہ ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام اساتذہ کو صحت کاملہ اور عمر دراز عطا فرمائے۔ نیز اورینٹل کالج کے شعبہ اردو کے دفتری امور کے انچارج محمد اظہر کا تعاون بھی تا حیات یاد رہے گا۔

ترکیہ سے اقبال شناسی کے حوالے سے جتنا مواد دستیاب ہو سکا اسی کو بنیاد بناتے ہوئے یہ مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مواد کی دستیابی میں کرنل (ر) مسعود اختر شیخ، ترک اقبال شناس ڈاکٹر احمد البائراق اور اقبال اکادمی کے ڈائریکٹر سہیل عمر کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ترکی کتب کی دستیابی میں مدد فرمائی۔ راقم پر مقالے کے موضوع کی وسعت، مقالہ لکھتے ہوئے واضح ہوئی اور یہ احساس جاگزیں ہوا کہ یہ موضوع پورے ادارے کے ریسرچ ورک کا متحمل تھا مگر یہ بارگراں راقم کے ناتواں کندھوں پر آن پڑا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، دن رات کی ان تھک محنت سے مواد کی دستیابی سے لے کر مقالہ ھذا کے مکمل ہونے تک تمام مراحل بحسن وخوبی مکمل ہوئے۔ اس دوران میں کئی اساتذہ کی محبت اور رہنمائی حاصل رہی بالخصوص راقم کے مشفق و مربّی نگران ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر عملی رہنمائی فرمائی اور جب بھی ان کے پاس گیا انھوں نے اپنی علمی گدڑی سے وہ فکری و علمی لعل و گوہر عطا کیے کہ جن کی روشنی سے ذہن روشن تر ہوتا چلا گیا۔

شریکِ حیات کی محبتوں اور قربانیوں کا صلہ نہیں دے سکتا کہ وہ پی۔ ایچ ڈی کی تعلیمی مصروفیات میں کس طرح اور کیسے کیسے اسے گھر کی پریشانیوں سے بچاتی رہیں، انہیں راقم جانتا ہے ہیں یا راقم کا خدا جانتا ہے۔ آخر میں اسلامیہ کالج لاہور کینٹ کے پرنسپل پروفیسر طاہر عباس کے علاوہ اپنے کالج گورنمنٹ خواجہ رفیق شہید کے پرنسپل رانا جہانگیر اور ساتھی اساتذہ ڈاکٹر رضا احمد، ڈاکٹر عبدالحمید، پروفیسر محبوب احمد کے و دیگر کا احسان مند ہوں جنھوں نے مقالہ لکھنے کے لیے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔ مقالے کے یوں تو کئی کمپوزر تھے جن کے لیے ترکی زبان کے تراجم کو سمجھنا بھی ایک مسئلہ رہا ہے مگر ایک باحوصلہ نوجوان محمد قاسم نے آخر کار اسے مکمل کر کے حق ادا کر دیا۔ زندگی میں اس کی کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

نیاز مند

خالد مبین

ترکی رسم الخط کی وضاحت

ترکی زبان پہلے عربی رسم الخط لکھی جاتی تھی۔ لیکن ۱۹۲۸ء سے اس کا رسم الخط بعض تبدیلیوں کے ساتھ لاطینی کر دیا گیا ہے۔ اس وقت ترکی زبان میں کل ۲۹ حرف تہجی ہیں جو اردو حروف تہجی کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

A	B	C	Ç	D	E
ا۔آ۔ع	ب	ج	چ	د	ا۔اے
F	G	Ğ	H	I	i
ف	گ	غ	ح۔ہ۔ھ	!	ای
J	K	L	M	N	O
ژ	ک۔ق	ل	م	ن	اُ۔او۔ع
Ö	P	R	S	Ş	T
اُ۔او۔ع	پ	ر	ث۔س۔ص	ش	ت۔ط
U	Ü	V	Y	Z	
اُ	اُ	و	ی۔ے	ذ۔ز۔ض۔ظ	

ان حروف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ انگریزی حروف تہجی کے تمام حروف سوائے Q اور X کے موجودہ ترکی رسم الخط میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ دو انگریزی حروف کے تلفظ بدل دیے گئے ہیں یعنی C کا تلفظ ج ہے مثلاً جلال بایار (Celal Bayar) یا جمال گرسل (Cemal Gursel) اور J کا تلفظ 'ژ' ہے جیسے ژالہ (Jale)۔

بعض انگریزی حروف ایسے ہیں جن کی شکلیں بدل دی گئی ہیں جیسے

Ç	Ğ	Ö	Ü	Ş
چ	غ	او۔ع	اُ	ش

اردو حروف تہجی میں ث س ص کے لیے ایک ہی حرف S استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح 'ذ، ز، ض اور ظ' کے لیے حرف Z استعمال کیا جاتا ہے۔ 'ت' اور 'ط' کے لیے T اور 'ک' اور 'ق' کے لیے حرف K۔ ترک 'ق' کا اور 'خ' کا تلفظ نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ الفاظ جو عربی فارسی اور اردو میں 'ق' سے لکھے جاتے ہیں ترکی میں K سے لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح 'خ' کی جگہ ح یعنی H استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے خاص (Has) خالد (Halid) فخری (Fahri)۔

'ٹ، ڈ، اور ڑ' کا تلفظ بھی ترکی میں نہیں ہے۔ ان کی جگہ بالترتیب T، D اور R استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہمارے بعض اخبارات (Suleman Demirel) کو سلیمان ڈیمرل لکھتے ہیں۔ حالانکہ ترکی میں ڈ نہیں ہوتی۔ ترکی میں نقطہ والا i اردو کی ی کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح تلفظ سلیمان دیمیریل (دے۔می۔ریل) ہوگا۔

دو نقطوں والے حروف یعنی Ö اور Ü ترکی سے مخصوص ہیں اور ان کا تلفظ بول کر ہی سیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تلفظ سادہ O اور U سے زیادہ مختلف نہیں۔ مثلاً ترک کو (Türk) لکھا جاتا ہے اور اس کا تلفظ تورک (Toork) کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بغیر نقطہ کے آئی I کا تلفظ بھی ترکی سے مخصوص ہے، لیکن انگریزی آئی i سے زیادہ مختلف نہیں۔

الف اور ع سے شروع ہونے والے الفاظ ترکی میں A U Ü O Ö اور O سے لکھے جاتے ہیں جیسے: عمر(Ömer)، عُرف (Örf)، اوردو(Ordu)، اُفق(Ufuk)، امید(Umid)، آدم(Adam)۔ ترکی میں A کا تلفظ انگریزی A سے کسی قدر مختلف ہے اور اَیا آ کی طرح ہوتا ہے مثلاً انگریزی میں (Adam) کا تلفظ ایڈیم ہوگا لیکن ترکی میں آدم ہوگا۔ بلند اور کم بلند آواز کی پہچان کے لیے A کے اوپر نشان لگا دیا جاتا ہے۔

ترکی تلفظ میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ 'ذ' کو 'ت' سے، 'ت' کو 'ذ' سے اور 'ب' کو 'پ' سے اور 'پ' کو 'ب' سے اکثر بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً (Ahmed) کو (Ahmet) اور (Hamid) کو (Hamit) بھی لکھا جاسکتا ہے۔ محمد کا تلفظ ترکی میں عام طور پر (Mehmet)(محمت) کیا جاتا ہے۔

مقالے میں ترکی زبان کے الفاظ کو اُردو میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس طرح ۱۹۲۸ء سے پہلے ترکی زبان عربی حروف کے ساتھ لکھی جاتی تھی، جسے عثمانی ترکی کہتے تھے۔ ترکی زبان میں آٹھ حروف علت ہیں ان میں سے چار یعنی (E)، (i)، (O) اور (U) خفیف (پتلے) مانے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان کے برخلاف، ترکی زبان میں دو حروف علت ایک جگہ جمع نہیں ہوتے اور نہ ہی (ch-چ)، (sh-ش) اور (gh-غ) کی طرح مرکب حروف صحیح پائے جاتے ہیں، ترکی میں ہر حرف صرف ایک ہی آواز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترکی حرف G (یومیشک گے) ترکی حروف عطف کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ اگر یہ شروع کے حروف کے ساتھ آئے تو ''غ'' کی آواز دیتی ہے۔ اور اگر یہ لفظ کے آخر میں عطف کے ساتھ آئے تو ''ع'' کی آواز دیتی ہے۔ لیکن اناطولیہ کے ترک G کا تلفظ اس قدر ہلکا کرتے ہیں کہ محسوس نہیں ہوتا اور کبھی اس کا تلفظ کرتے ہی نہیں یا 'الف' اور 'ی' سے بدل دیتے ہیں جیسے (AGA) کو آغا، اگر (Eger) کو ایر(Eyer)۔ اس طرح G لفظ کے آخر پر عطف کے ساتھ آئے تو "Benligin" کو ترکی میں ''بن لعین'' پڑھا جائے گا۔ اس کی مثال کرنل مسعود اختر شیخ کے ترکی افسانوں کے ترجموں میں دیکھی جاسکتی ہے

اردو زبان میں ترکی زبان کے کچھ حروف علت کی آوازیں موجود نہیں۔ مثلاً ترکی حرف "ا" اور "i" ان دونوں کی آوازیں مختلف ہیں۔ ''i'' کی آواز ''ی'' جیسی ہے جبکہ ''ا'' حرف کی آواز موجود نہیں لہٰذا یہ دونوں حرف عطف جب لفظ کے آخر پر آئیں تو ان کی ایک ہی آواز بنائی گئی ہے اور وہ ہے ''ی'' مثلاً "sevgili" کو اردو میں ''سیوگلی'' اور "kapisini" کو اردو میں ''کپسینہ'' کی بجائے ''کپسینی'' لکھا گیا ہے۔ لہٰذا مقالے میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ نیز اس مقالے میں ''ترکی'' کا لفظ زبان و ادب کے لئے جبکہ ملک کے لئے لفظ ''ترکیہ'' استعمال کیا گیا ہے۔

مستعملات

ترجمہ	Turkce	ترکی
مطبع خانہ	Basimevi	باسن اوی
باب/حصہ	Bolum	بولوم
مجلّہ	Dargesi	درگسی
مترجم	Ceviren	چیورن
ترجمہ	Ceviri	چیوری
جلد	Cilt	جلت
اخبار	Gazete	گزیتے
صفحہ	Sayfa	صائفہ
شمارہ	Sayi	صائیہ
مطبع	Matbaasi	مطبع سی
اور	ve	وے
مصنف	Yazar	یاذر

﴿باب اول﴾

اقبال کے ہاں ترک، ترکیہ اور مشاہیرِ ترک

(الف) ترک اور ترکیہ

i. ترکی زبان کی مختصر تاریخ
ii. ترکیہ میں اصلاحات زبان
iii. ترکی زبان کے جدید حروفِ تہجی
iv. ترکی زبان میں خطابیہ اور دعائیہ کلمات
v. ہندوستان کے مسلمانوں سے ترکوں کے روابط
vi. پاک ترک روابط

(ب) ترکی ادب ایک مختصر جائزہ

(ج) تحریک خلافت

i. تحریک خلافت کے اثرات
ii. اقبال اور تحریک خلافت

(د) اقبال اور ترکیہ

(ر) اقبال اور مشاہیر ترکیہ

i. علامہ اقبال اور مولانا رومی
ii. علامہ اقبال اور محمد عاکف ارصوئی
iii. علامہ اقبال اور سعید حلیم پاشا
iv. علامہ اقبال اور ضیا گوک آلپ

(الف) ترک اور ترکیہ

تاریخ میں ترکوں کا ذکر ۲۲۰ قبل مسیح میں سامنے آتا ہے۔ یہ لوگ بہت سے قبائل کی شکل میں وسط ایشیا میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان کی زبان ترکی تھی جو کہ یورال التائی زبان کی ایک شاخ ہے(۱)'' تاریخ دولت عثمانیہ'' کے مصنف ولاوڑ کیئر کے مطابق تاتاری، مغل، قرغز اور قلموق قبائل کا مسکن، بحر خزر، بحیرہ کیسپین، جبل اورال، التائی اور ہمالیہ کا وسیع خطہ ہے۔ جس کے ایک حصے کو ترکستان کہا جاتا ہے (۲)۔ وسط ایشیا کے خانہ بدوش قدیم ترکوں کی یاد دلاتے ہیں۔

تاریخ میں ترکوں کو کئی دوسرے ناموں سے بھی پکارا گیا ہے' مثلاً ہن، کشان، یا یوچی۔ چینی تواریخ میں ان کے لیے تو کیو لفظ کا ستعمال کیا گیا ہے۔ (۳) زرتشت کی کتاب میں التائی ترکوں کا تذکرہ ''توران'' کے نام سے آیا ہے جبکہ سنسکرت کی کتب میں انھیں تروشکا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لفظ ترک صریح طور پر آٹھویں صدی عیسوی میں ترکی کتبوں کی وساطت سے سامنے آیا۔ یہ کتبے اور کن تہذیب سے منسوب کیے جاتے ہیں (۴)۔ آج کل لفظ ترک اردو اور فارسی زبانوں میں بہادر، نڈر، سپاہی، معشوق اور مسلمان کے معنوں میں مستعمل ہے۔

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں قتیبہ بن مسلم نے (۸۸ھ تا ۹۳ھ) بخارا، سمرقند، خوارزم، فرغانہ، شاس (تاشقند) اور کاشغر کے ترکی علاقے فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر دی۔ ازاں بعد عمر بن سعدؓ بن عبدالعزیز نے اپنے دور میں من جملہ دیگر ممالک ماوراء النہر (ترک علاقوں) کے بادشاہوں کو بھی دعوت اسلام دی جس سے بعض نے اسلام قبول کر لیا (۵)۔ چوتھی صدی ہجری میں بے شمار ترک اسلام میں داخل ہو گئے۔ ۹۶۰ء میں دو لاکھ گھرانے مسلمان ہوئے۔ ابن کثیر کے مطابق کاشغر کے نواح میں لوٹ مار کرنے والے گھرانے ۱۰۴۳ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے (۶)۔

ترکوں کا شمار دنیا کی ان عظیم اقوام میں ہوتا ہے جنھوں نے تاریخ عالم پر سیاسی، سماجی اور ثقافتی سطح پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ترک ایک بہادر اور جری قوم ہے۔ ان کی کئی سلطنتیں بنیں جن میں سے آخری سلطنت ''سلطنت عثمانیہ'' تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ طویل ترین اقتدار کی یہ ایک نادر مثال ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ترکوں کی بہادری کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ترک جری اور بہادر قوم ہیں۔ ان کی بلند کرداری اور ارادے کی پختگی مثالی ہے۔ اتاترک نے مفتوح یونانی سپہ سالار تیکوپز (Tiko-Piz) کو اپنے ساتھ بٹھا کر اس کے ساتھ کافی پی اور کھانا بھی کھایا (۷)۔ ترکوں کی عادات واطوار کے متعلق ولیم پنزر لکھتے ہیں:

> ''ترک عموماً کم آمیز، کشیدہ قامت اور بھرے ہوئے جسم کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے سے شرافت ٹپکتی ہے۔ سیاہ ابروؤں کے نیچے تیز آنکھیں چمکتی ہیں۔ ترک ضبط واحتیاط سے بات کرتا ہے۔ وہ پہلے سوچے گا، پھر بولے گا۔ ترکوں کو موسیقی، پھولوں، خوشبوؤں، مٹھاس اور قہوے سے بے حد محبت ہے۔ جانور بھی ان کی مہربانی اور فیاضی سے محروم نہیں رہتے۔ جہاں کوئی شخص کسی جانور کو مار رہا ہو تو ترک دیکھتے ہی ٹھہر جائے گا اور غصے میں آکر پوچھے گا'' کیا تم ایک ایسی زندگی کو پیدا کر سکتے ہو؟'' (۸)

ڈاکٹر عبادت بریلوی ترکوں کی وجاہت اور حسن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ترک نہایت وجیہ اور اور خوبصورت قوم ہے۔ مردوں میں وجاہت حسن کے مترادف ہے۔ خواتین کا حسن شرم وحیا سے عبارت ہے۔ ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے۔ میں نے دنیا کے کسی ملک میں اتنی حسین وجمیل عورتیں نہیں دیکھیں۔ ان کو نہ صرف باحیا دیکھا بلکہ اپنے کاموں میں مصروف پایا۔ ترک ایک نفاست پسند قوم ہے۔ ان کے گھر

صاف ستھرے اور نفاست کا مرقع ہیں۔ ترکوں کو خوشبوؤں سے بے حد لگاؤ اور پھولوں سے عشق ہے(۹)۔ ڈیوڈ ہیم ترکوں کے اخلاق اور کردار کے متعلق لکھتے ہیں کہ ترکوں میں بہت سی خوبیاں ہیں مثلاً عظمت، شرافت، دیانت، اخلاص وراستبازی، شفقت ومہربانی، مہمان نوازی اور حد درجہ جرأت وہمت (۱۰)۔

جزیرہ نما اناطولیہ (۱۱) جو کہ آج کے ترکی کا بڑا علاقہ سمجھا جاتا ہے یہ دنیا کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جہاں عرصہ دراز سے لوگ بسے ہوئے ہیں۔ قدیم نیولتھک آبادیاں جن کے آثار یہاں ملے ہیں وہ دنیا کی قدیم ترین آبادیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ٹرائے کی آبادی بسنے کے بعد یہاں لوہے کے زمانے کا آغاز ہوا۔ حتیز (۱۲) ایک قدیم قوم ہے جن کے آثار ترکی میں ۲۳۰۰ء قبل از مسیح کے زمانے کے ملتے ہیں۔ اس علاقے میں پہلی سلطنت بھی حتیز نے اٹھارہویں اور تیرہویں صدی قبل از مسیح کے زمانے میں قائم کی۔ حتیز کی سلطنت کے زوال پذیر ہونے کے بعد پھر فرجیز (۱۳) نے یہاں اپنا تسلط قائم کیا۔ بعد میں یہاں کئی خاندان تخت شاہی پر بیٹھے حتیٰ کہ ۳۲۴ء میں قیصر روم نے بازنطین کو روم کا نیا دارالسلطنت بنا کر اسے نئے روم کا نام دیا۔ یہی شہر بعد میں قسطنطنیہ اور مسلمانوں کے زمانے میں استنبول کہلایا۔

سلجوق ترکوں کا خاندان ترکوں کا ایک قبیلہ تھا جو کیسپئن سمندر کے شمال میں آباد تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ترک ہجرت کر کے اناطولیہ آئے اور جنگ کے بعد یہاں سلجوق ترکوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ۱۲۲۳ء میں منگولوں نے سلجوقیوں کی حکومت کو ختم کر دیا مگر اسی دوران میں عثمانی خاندان نے بازنطینی سلطنت کا خاتمہ کر کے استنبول پر قبضہ کر لیا۔ عثمانی سلطنت کی عظمت سلیمان کے دور میں بام عروج کو چھونے لگی مگر اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یہ زوال پذیر ہو گئی۔ آخرکار جنگ عظیم اول میں جرمنی کا ساتھ دیتے ہوئے ترکی کو شکست ہوئی اور پھر یہاں عثمانی سلطنت کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ جنگ عظیم اول کے بعد استنبول اور ازمیر پر اتحادیوں کے قبضے کے خلاف ترکوں نے آزادی کی تحریک شروع کی۔ جس کے نتیجے میں ترکوں نے یونانیوں اور اتحادیوں کو بزور طاقت اپنے ملک سے باہر نکالا، خلافت کا منصب ختم کیا اور مصطفیٰ اتاترک کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔ اس کے بعد یہ ترکیہ جمہوریہ بنا۔ جہاں پارلیمانی نظام حکومت قائم ہے۔

i. ترکی زبان کی مختصر تاریخ

ترکی ایک بہت قدیم زبان ہے اور یہ زبانوں کے یورال التائی خاندان کی آلتک شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ ترکی دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے جسے یورپ اور ایشیا کے وسیع علاقے میں بسنے والے آٹھ کروڑ لوگ استعمال کرتے ہیں۔

یہ آذربائیجان، ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان، قازقستان، کرغیزستان، یوگر اور سائپرس (۶.۱۱فیصد)، منگولیا (۱فیصد)، عراق (۱۰فیصد)، جنوبی ایران اور شرقی افغانستان (۲۶فیصد) اور ترکی (۱فیصد) میں بولی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دس لاکھ سے زائد لوگ بلغاریہ، میسڑ ونیا اور یونان میں، پندرہ لاکھ سے زائد لوگ جرمنی میں اور قریباً پانچ لاکھ لوگ دوسرے یورپی ممالک میں رہتے ہیں۔

ترکی زبان عربی حروف میں لکھی جاتی تھی۔ ترکوں نے ان حروف کو خوش خط لکھنے میں بہت ترقی کی تھی۔ ترکوں کی خوشخطی عرب وعجم میں تحسین کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ ترکوں نے نستعلیق، نسخ اور ثلث جیسے خطاطی کے مختلف انداز میں یدطولیٰ حاصل کیا۔ ان کے خطاطی کے نمونے آج بھی پرانی عمارتوں اور مسجدوں موجود ہیں۔

ابتدائی ازمنۂ وسطیٰ میں ترکوں کے عروج کے باعث، ترکی زبان بولنے والے لوگ وسطی ایشیا میں اور سائبیریا سے یورپ اور بحیرہ روم تک بہت وسیع علاقے میں پھیل گئے۔ اوغز ترکوں میں سے سلجوق ترک خصوصاً اپنی زبان لے کر بڑھے جو آج کی ترکی زبان کی حد میں شامل ہے، وہ اسے اناطولیہ میں گیارہویں صدی میں لے کر آئے۔ گیارہویں صدی ہی میں ایک ابتدائی ترکی زبان دان کاشغری محمود نے ترکی زبان کی پہلی لغت ''دیوانِ لغاتِ ترک'' شائع کی۔ جس میں ترکی زبان بولنے والوں کی جغرافیائی تقسیم کا پہلا نقشہ بھی شامل تھا۔

چند باتوں کے علاوہ، وہ بنیادی خصوصیات جو آلٹک زبانوں اور ہند۔یورپی زبانوں میں فرق کا باعث ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں
، تاہم حرف عطف کا یکساں ہونا سب یورال آلٹک زبانوں کی خصوصیت ہے۔

تذکیر و تانیث کی کوئی تمیز نہیں۔

الفاظ ملا کر نئے الفاظ بنانا۔

اسم صفت اسماء سے پہلے آتے ہیں۔

فعل جملے کے آخر میں آتے ہیں۔

ii. ترکیہ میں اصلاحاتِ زبان

ترکی کی جمہوری ریاست کے قیام کے بعد ۱۹۳۲ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی سرپرستی میں ترکی زبان پر تحقیق کے لیے ترکی زبان کی تنظیم ''ترک دل کھرومو'' (TDK) (۱۴) قائم ہوئی۔ اس تنظیم کا ایک اہم کام عربی اور فارسی الفاظ کی جگہ نئے ترکی کے الفاظ بنا کر رائج کرنا اور قواعد کی اصلاح کا کام کرنا تھا۔ ترکی زبان کی اصلاح اس دور کی ثقافتی اصلاحات کا حصہ تھی جو کہ اتاترک کی اصلاحات کے وسیع تر منصوبے میں شامل تھیں۔ ۱۹۲۸ء میں عثمانی ترکی حروف جو عربی حروف سے لیے گئے تھے انھیں نکال کے لاطینی زبان سے ملتے جلتے حروف رائج کیے گئے جس سے شرح خواندگی بڑھانے میں بہت مدد ملی۔

اخبارات میں فارسی اور عربی الفاظ کو ممنوع قرار دے کر یہ تنظیم ترکی زبان سے سیکڑوں غیر زبانوں کے الفاظ نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔ اگرچہ زیادہ تر الفاظ جو ''ترک دل کھرومو'' نے متعارف کرائے وہ ترکی زبان میں نئے بنائے گئے تھے مگر ''ترک دل کھرومو'' نے اس بات کو ترجیح دی کہ پرانے ترکی الفاظ کو بھی دوبارہ زندہ کیا جائے جو صدیوں سے استعمال نہیں کیے گئے۔

ہندوستان سے مہاجرین کے ساتھ ترکیہ ہجرت کرنے والے ظفر حسین ایبک اپنی کتاب ''خاطرات'' میں ترکی رسم الخط بدلنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ترکی زبان میں لفظوں کے ساتھ زیر زبر اور پیش نہ لکھے جانے کی وجہ سے بچوں اور نو آموز بالغوں کے لیے ان کا تلفظ سیکھنا محال ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر 'کشتی'، اس کو 'گشتی' اور 'کُشتی' دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا تھا۔ ان الفاظ کو مختلف طور پر پڑھنے سے ان کے معانی بدل جاتے ہیں۔ (۱۵) دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ترکی حروف میں مشکل یہ ہے کہ ٹائپوگرافی میں ہر حرف کی، لفظ کے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں آنے کے مطابق، علیحدہ علیحدہ شکلیں بن جاتی ہیں جس سے بچوں کو ہر حرف کی تین تین شکلیں جدا جدا یاد کرنی پڑتی ہیں اور چھاپے خانے میں حروف کو ترتیب دینا یعنی کمپوز کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ عربی اور فارسی کی بوجھل تراکیب (مرکب اضافی یا مرکب عطفی) لکھنا بھی مشکل کام تھا۔ ان مشکلات کی بنا پر ترکوں کے لیے تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ زبان کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے رسم الخط میں اصلاح کریں۔

زبان میں یہ اچانک تبدیلی ہو جانے کے باعث ترکی کے عمر رسیدہ اور نوجوان بولتے ہوئے مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ۱۹۴۰ء کی دہائی سے پہلے پیدا ہوئے وہ پرانے عربی الفاظ استعمال کرتے ہیں، نئی نسل نئے الفاظ کو ترجیح دیتی ہے۔ ترکی زبان کے پرانے اور نئے الفاظ کی کشمکش کو ایک سیاسی اہمیت بھی حاصل ہے اور معاشرے کے قدامت پسند طبقات روزمرہ زبان میں پرانے الفاظ کو استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ پچھلی چند دہائیوں میں ''ترک دل کھرومو'' نے ٹیکنالوجی کے نئے خیالات کی وضاحت کے لیے نئے ترکی الفاظ بنائے کیونکہ یہ ترکی میں دوسری زبانوں (زیادہ تر انگریزی) سے مستعار لیے ہوئے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ میں سے کئی کو خصوصاً کمپیوٹر کی اصطلاحات کو وسیع پیمانے پر قبول کر لیا گیا ہے مگر اس تنظیم پر اکثر یہ الزامات لگتے ہیں کہ یہ اکثر ایسے الفاظ رائج کرتی ہے جو بے ساختہ نہیں بلکہ خود ساختہ لگتے ہیں۔

یہ بھی یادر ہے کہ ''ترک دل کھر ومو'' کے رائج شدہ الفاظ جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' وہ اپنے پرانے ہم معنی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ نئے الفاظ، جن میں سے کچھ قدیم ترکی زبان سے لے گئے ہیں یا ''ترک دل کھر ومو'' نے خود بنائے ہیں، اور کچھ ایسے الفاظ جو عربی، فارسی یا کسی یورپی زبان خصوصاً فرانسیسی سے لیے گئے ہیں وہ تھوڑے سے مختلف مفاہیم سمجھانے کے لیے استعمال ہو تے ہیں خصوصاً غیر مادی چیزوں کے متعلق بات کرتے ہوئے جس سے تقریباً ایسی صورتحال پیدا ہوئی ہے جو انگریزی زبان میں جرمن زبان سے لیے گئے الفاظ اور لاطینی زبان کے الفاظ کی ایک ساتھ موجودگی کے باعث پیدا ہوئی تھی۔ وہ پرانے الفاظ جن کی جگہ نئے الفاظ رائج کیے گئے ہیں ان میں اقلیدس کی اصطلاحات، چند مہینوں کے نام اور بہت سے اسما اور صفات شامل ہیں۔

مذکورہ بالا اصلاحات سے ترکی زبان میں جو ترقی ہوئی اس سے ترکوں کی انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور سماجی سطح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ترکی رسم الخط کی تبدیلی سے ترکوں کو جو فائدہ ہوا اس حوالے سے ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں کہ اتاترک کی تعلیمی تحریک اور رسم الخط کی تبدیلی کی بناء پر ان پڑھ بالغوں نے جلد لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ دوسری یہ آسانی ہوئی کہ طالب علم الجبرا، فزکس اور کیمیا کے فارمولوں کے علاوہ یورپی زبانوں میں لکھی سائنس کی کتابوں سے بآسانی مستفید ہونے لگے۔ اخبارات میں ٹیلی پرنٹر مشینیں لگ گئیں۔

iii. ترکی زبان کے جدید حروف تہجی

موجودہ انتیس لاطینی حروف تہجی جو ترکی زبان کے لیے استعمال ہوتے ہیں، وہ عربی اور فارسی حروف کی جگہ قانون کے مطابق رائج ہوئے ہیں، قانونی مسودے میں اس کا نمبر ۱۳۵۳ تھا جو یکم نومبر ۱۹۲۸ کو رائج ہوا۔ یہ اتاترک کی ثقافتی اصلاحات میں سے ایک اہم قدم تھا۔ جس سے قدیم عثمانی ترکی رسم الخط یکسر بدل گیا۔ حروف تہجی کی یہ اصلاح جو بعد میں ترکی زبان کی تنظیم میں ضم کردی گئی، اور وزارت تعلیم کے اقدامات جس میں عوامی تعلیم کے اداروں کا کھولنا اور اتاترک کی طرف سے لوگوں کی حوصلہ افزائی جس میں اس نے دیہات کے کئی دورے کیے اور لوگوں کو حروف تہجی کا استعمال سکھایا اس سے شرح خواندگی بیس فیصد سے بڑھ گئی۔ ان اصلاحات کی حوصلہ افزائی ''کاپی رائٹ'' کے قانون کی وجہ سے بھی ہوئی جس نے نجی سیکٹر کو تقویت دی اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ۱۹۳۹ء میں پہلی ترکی اشاعت کی کانگریس قائم ہوئی جس میں کتابیں چھاپنے، شرح خواندگی بڑھانے اور سائنسی اشاعتوں پر بحث ہوئی تھی یہ انقرہ میں قائم ہوئی اور اس میں ۱۸۶ اراکین شامل تھے۔

لاطینی حروف تہجی پر مبنی نئے حروف تہجی کو تیار کرنے اور ترکی زبان کی آوازیں جو اس میں خاص ہیں ان کو اس میں شامل کرنے کے لیے ضروری تبدیلیوں کا کام ایک لسانی کمیٹی ''ترک دل کھر ومو'' نے انجام دیا۔ اس کمیٹی نے نئے حروف تہجی پر اپنا کام ۲۶ جون ۱۹۲۸ء سے شروع کیا حرف تہجی او۔ رع (Ö) سویڈن کے ابنٹر پریٹر کے مشورے سے لیا گیا جو نئے حروف تہجی پر بحث کے لیے کمیٹی میں شامل تھا۔ چ (Ç) کو البانین حروف تہجی سے لیا گیا ش (Ş) رومانیہ حروف تہجی کے (S-comma) سے لیا گیا اور اُ (Ü) جرمن حروف تہجی سے لیا گیا۔

iv. ترکی زبان میں خطابیہ ودعائیہ کلمات

تمام زبانوں میں القاب وآداب کے لیے مخصوص الفاظ ہوتے ہیں جو اس کی تہذیب وثقافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ترکی زبان میں یہ القاب وآداب دیگر زبانوں سے منفرد اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں جن سے ترکی ثقافت کی روح کو سمجھنا قدرے آسان ہو جائے گا۔ ان میں سے چند ایک یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ترکی	ترکی تلفظ	اردو
Günaydin	گنائے دن	صبح کا سلام
iyi geceler	ایی گیجلر	شام کا سلام
Nasilsiniz?	نسل سنز	آپ کیسے ہیں؟
iyi misin?	ایی می سن	آپ ٹھیک تو ہیں؟
Hoşgldiniz	ہوش گیلدینز	خوش آمدید
Hoşbulduk	ہوش بلدوق	جوابی خوش آمدید
Allahasmarladlk	اللہ سمارلادیک	خدا حافظ
Güle güle	گلے گلے	جوابی خدا حافظ

دعائیہ کلمات

Geçmişolsun	گیچ مش اولسن	اللہ آرام دے (مریض/بیمار کے لیے)
Kolay gelsin	قولائے گیل سن	آسانی پیدا ہو (مصیبت میں دوست احباب کے لیے بولتے ہیں)
Afiyet olsun	عافیت اولسن	خیریت ہو (یہ فرانسیسیوں کی طرح "bon eppetitis" ہے عموماً کھانا کھاتے ہوئے بولتے ہیں۔)
Elini sagilk olsun	الینی سالک اولسن	ہاتھ سلامت رہیں۔ (مہمان میزبان کے لیے بولتے ہیں۔)

۷۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے ترکوں کے روابط

برِعظیم کے مسلمانوں کی تاریخ وسط ایشیا سے آنے والے ترکوں کی آئینہ دار ہے، گو کہ مسلم اثرات ترکوں سے ماقبل مرتب ہو چکے تھے۔ وسط ایشیا میں غزنوی سلطنت کے قیام کے بعد مسلم تہذیبی عناصر کو قابل قدر فروغ حاصل ہوا۔ البیرونی نے کتاب الہند میں مقامی تہذیب کو سمجھنے کی جو کوشش کی ہے اس سے اس تہذیب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ غوری دور میں البتہ مسلم تہذیب کو زیادہ وسعت ملی۔ موجودہ پاکستانی تہذیب وسط ایشیا کی اس تہذیب کی عکاس ہے۔

اسلام کی آمد سے قبل برصغیر میں ایرانی، یونانی، ترکی النسل ساکا، کشان اور ہن قبائل کی تہذیب کا دور دورہ تھا۔ لیکن مسلمانوں کی آمد اور ترک حکومتوں کے قیام کے بعد یہاں بیرونی مسلم دنیا کے اثرات دور تک ظاہر ہونے لگے۔ غزنوی، غوری، ایبک، التتمش، تغلق اور بابر کی حکومتوں نے ترکی تہذیب کے گہرے نقوش مرتب کیے لہٰذا جو یہاں کے لباس، زبان، خوراک، رہن سہن اور آداب معاشرت میں اب

تک موجود ہیں۔ یہاں کے مسلمان نسلی امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ترک کہلاتے تھے اور کسی کے مسلمان ہو جانے کو ترک ہو جانے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ بقول بابا بلھے شاہ:

نہ ہم ہندو نہ ترک ضروری نام عشق کی ہے منظوری

عاشق نے ہر جیتا(۱۶)

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی لکھتے ہیں کہ کسی ترک سے ملاقات ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مسلمان ہے، سُنی ہے اور حنفی المسلک ہے(۱۷)۔ شاہجہان نے سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ مستقل سفارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں اور ترکیہ کے تعلقات کا آغاز سلیم اول ۱۵۱۷ء کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ سلطان سلیم سوم (۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۹ء) نے والیِ میسور اور انگریزوں کے درمیان تنازعات حل کرانے کے لیے ثالثی کی پیشکش کی تھی۔ اسی طرح مغلوں کے ساتھ عثمانی سلطنت کے تعلقات کئی صدیوں پر محیط ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان میں مزید وسعت آئی۔ ترکیہ اور پاکستان کے درمیان جو سیاسی قرب، ذہنی یگانگت اور تہذیبی مناسبت پائی جاتی ہے اس کا پس منظر قدیم تاریخی روابط ہیں۔

vi. پاک ترک روابط

برصغیر کے مسلمانوں کے دل ہمیشہ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا اور سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے وہ پستی کی طرف دھکیل دیے گئے تو اس وقت بھی ہندوستان کے مسلمانوں کی نظریں سلطنت عثمانیہ کی طرف ہی اٹھتی تھیں۔ ۱۹۱۲ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا اور پھر بلقان میں ترکوں کے خلاف بغاوت ہو گئی تو اس وقت برصغیر کے مسلمانوں نے بے شمار جلسے کیے جن میں یورپ اور انگریزوں کے کردار پر سخت تنقید کی اور انھوں نے ثابت کر دیا کہ تمام مسلمان ملت واحد ہیں اور اگر جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو پورا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔ بقول امیر مینائی:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ جنگ سے متاثرہ لوگوں کی امداد کے لیے چندے اکٹھے کریں نیز ہر قسم کے برطانوی سامان تجارت کا بائیکاٹ کر دیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے خود زمیندار فنڈ کے نام سے ۶ لاکھ روپیہ چندہ جمع کرا کے خلیفہ ترکی کو پیش کیا۔(۱۸) ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوششوں سے قائم ہونے والا وفد جب انہی کی قیادت میں ترکی روانہ ہونے لگا تو مولانا محمد علی جوہر نے فرطِ محبت سے ان کے قدم چومے۔(۱۹)

۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو ترکی نے جرمنی کی حمایت کی اور جنگ کی آگ میں کود پڑا۔ اُدھر برطانیہ نے شریف مکہ حسین کو خلافت کا لالچ دے کر ترکوں کے خلاف بغاوت کروائی تو مسلمانوں کو یہ فکر ہوئی کہ برطانیہ ترکوں کی دشمنی میں حجاز مقدس پر حرمین شریفین کی بے حرمتی نہ کرے۔ اس کے لیے انھوں نے ''انجمن خدام کعبہ'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔(۲۰) جب جنگ عظیم اول ختم ہوئی اور ترکوں کو ترک آبادی والے علاقے سمرنا، تھریس اور اناطولیہ وغیرہ دشمنوں کے حوالے کرنا پڑے۔ اس پر برصغیر کے مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا اور انھوں نے خلافت عثمانیہ بچانے کے لیے ایک تحریک ''تحریک خلافت'' کے نام سے شروع کی جس کا مقصد ترکی خلافت کو برقرار رکھنا، مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت اور ترکیہ کی حدود کی سلامتی تھا۔

ایک وفد مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں انگلستان گیا اور اپنا نقطہ نظر جب لائیڈ جارج کے سامنے پیش کیا تو اس نے کہا کہ آسٹریا سے انصاف ہو چکا، جرمنی سے بھی انصاف ہو چکا۔ کیا خوب اور خوف ناک انصاف۔ اب ترکی اس سے کیوں بچے۔(۲۱) اس پر وفد مایوس واپس لوٹا اور واپس آ کر انھوں نے جو زبردست کوششیں کی ان کے نتیجے میں ملک گیر ہڑتالیں ہوئیں، خطابات اور تمغے انگریزوں کو واپس کیے گئے۔ سرکاری تقریبات کا بھی بائیکاٹ کیا گیا۔(۲۲) کئی رضا کاروں نے گرفتاریاں دیں، علی برادران کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن جب ترکوں نے غیرت میں آ کر معاہدۂ سیورے ماننے سے انکار کر دیا اور مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور یونانیوں کو مار بھگایا تو برصغیر کے لوگوں نے بھی خوشیاں منائیں۔(۲۳)

سیاسی سطح پر قائداعظم اور دیگر سیاسی زعماء نے انگریز کو ترکی کے بارے میں اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کیا۔ مسلمانوں کا یہ احتجاج سلطنت عثمانیہ کو نہ بچا سکا البتہ اس تحریک کے جوش و جذبے سے مغلوب ہو کر برطانیہ یونان کی فوجی امداد نہ کر سکا اس طرح مصطفیٰ کمال پاشا کے لیے یونان کو شکست دے کر ترکی کو آزاد کرانا ممکن ہو گیا۔ ۱۹۳۸ء میں مصطفیٰ کمال پاشا کی وفات ہوئی تو برصغیر کے لوگوں نے بھی اسی طرح سوگ منایا جس طرح خود ترکی میں منایا گیا(۲۴)۔

ترکی اور برصغیر کے مسلمانوں میں تہذیبی، ثقافتی اور قومی ورثے کی لازوال روایات اور اقدار قدرے مشترک ہیں۔ ترکیہ کے مسلمانوں نے برصغیر کی تحریک آزادی کو تحسین کی نظروں سے دیکھا اور جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو فوراً ترکیہ نے پاکستان کو تسلیم کر لیا اور اپنا سفارت خانہ کراچی میں قائم کیا۔ ترکیہ نے مشہور شاعر یحییٰ کمال کو پاکستان میں پہلا سفیر مقرر کیا۔ اسی طرح پاکستان نے محبت کا جواب محبت سے دیتے ہوئے میاں بشیر احمد کو پہلا سفیر مقرر کرتے ہوئے استنبول میں اپنا پہلا سفارت خانہ کھولا۔(۲۵) ترکی اور پاکستان اسلام کے مضبوط رشتے میں منسلک ہیں دونوں ہر آڑے وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جب لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تو ترکی نے دل کھول کر مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی۔(۲۶)

۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان میں ترکی کے نامزد سفیر سے اسناد سفارت وصول کرتے ہوئے فرمایا:

> ''پاکستان اور ترکیہ کے عوام کے درمیان پائے جانے والے روحانی اور جذباتی رشتوں نے کئی سال کے روابط سے جنم لیا ہے اور پروان چڑھے ہیں۔ ترکیہ کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی گزشتہ پچاس سالوں سے روحانی وابستگی ہے۔(۲۷)

۱۹۴۸ء میں ترکیہ نے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کے موقف کی کھل کر حمایت کی۔ اقوام متحدہ کے اندر اور باہر ترکی نے پاکستان کے حق میں آواز بلند کی۔(۲۸) پاکستان کے تمام لیڈروں نے مسلم اتحاد کو اولیت دی قائداعظم کی طرح پاکستان کے پہلے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے موتمر اسلامی کانفرنس کے سالانہ اجلاس ۱۹۵۱ء منعقدہ کراچی کے موقع پر مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے کہا:

> ''اگر مغربی جمہوریتیں اپنی حفاظت کے لیے معاہدہ کر سکتی ہیں۔ اگر کیمونسٹ ممالک ایک نظریے کی بنیاد پر بلاک بنا سکتے ہیں تو مسلم ممالک اپنی حفاظت کے لیے اور دنیا کو دکھانے کے لیے کہ وہ بھی ایک نظریہ اور ایک مقصد رکھتے ہیں کیوں اکٹھے نہیں ہو سکتے؟ حالانکہ ان کا نظریہ دنیا کی خوشحالی اور امن کا ضامن ہے''(۲۹)

قائدملت لیاقت علی خان کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں جبکہ خواجہ ناظم الدین پاکستان کے گورنر جنرل تھے ترکیہ اور پاکستان میں پہلا دوستی کا معاہدہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۱ء کو ہوا جس پر پاکستان کی طرف سے میاں بشیر احمد سفیر پاکستان اور ترکیہ کے وزیر خارجہ فواد کوپرلو نے دستخط کیے ۔معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے میاں بشیر احمد نے کہا:

''آج کا دن ترکیہ اور پاکستان کی تاریخ میں بہت اہم دن ہے ۔ ہمارے ان تعلقات کی جڑیں صدیوں پرانی ہیں ،معاشرتی اور ثقافتی روایات سے ملی ہوئی ہیں ۔ جنھیں دونوں ممالک از سرنو دریافت کررہے ہیں ۔ یہ روایات حرکت پذیر ہونے کے طور پر پھر سے مضبوط کی جاسکتی ہیں ۔''(۳۰)

اسی طرح پاکستان اور ترکیہ کے درمیان دوستی کے معاہدے ۱۷ جون ۱۹۵۳ء، ۱۹ فروری ۱۹۵۴ء میں ہوئے ،ان تمام معاہدوں کا مقصد پاکستان ترکیہ تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔ ۱۹۵۴ء کے معاہدہ پر وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے عالم اسلام کے استحکام کے لیے پہلا ٹھوس قدم قرار دیا اور اس معاہدہ کو علاقے کے تمام ممالک کی بہبود کے لیے بہترین اقدام قرار دیا ۔اس کے جواب میں ترکیہ کے صدر جلال بایار نے ترکیہ اور پاکستان کے سیاسی اور معاشی تعاون کو دوستانہ قرار دیتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا ۔(۳۱)

۱۹۵۴ء میں جب مسئلہ قبرص اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش ہوا تو اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب ترکی کی تاریخی اور قانونی حق کی حمایت کی اس طرح ۱۹۵۷ء میں اقوام متحدہ میں پاکستانی مندوب نے اقوام متحدہ پر زور دیا کہ قبرصی ترکوں کو ان کے جائز حقوق دلوائے (۳۲)

قبرص ایک جزیرہ ہے جس کی آبادی ایک تہائی ترکوں اور بقیہ یونانیوں پر مشتمل ہے ۔ جب برطانوی حکومت نے ۱۹۵۲ء میں قبرص کو آزاد کیا تو ایک دستور مرتب کیا گیا جس میں قبرصی ترکوں کے سیاسی ،سماجی اور اقتصادی حقوق و مفادات کا تحفظ کیا گیا لیکن یونانیوں نے ان حقوق کو پامال کیا یہاں تک کہ قبرص کے یونانیوں نے حکومت کے ساتھ مل کر ترکوں کو کچلنا شروع کر دیا دوسری طرف ترکیہ نے مظلوم ترکوں کے موقف کی حمایت کی اور ترک باشندوں کے لیے اپنی افواج روانہ کیں ۔(۳۳)

پاکستان اور ترکیہ دنیا میں جغرافیائی طور پر بہت اہم جگہ پر واقع ہیں ۔ ترکیہ براعظم ایشیا اور یورپ کو آپس میں ملاتا ہے جبکہ پاکستان جنوب ایشیا اور خلیج فارس کے تیل پیدا کرنے والے علاقے کے قریب واقع ہے ۔ دونوں ممالک اس جغرافیائی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہیں ۔ اسی صورتحال نے ان کی قومی سلامتی اور خود مختاری کے لیے کئی دفعہ مشکلات پیدا کی ہیں ترکیہ نے تیرہ مرتبہ روسی جارحیت کا سامنا کیا ہے ۔ پاکستان کو تین مرتبہ بھارتی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا ۔ جبکہ بھارت ہر وقت پاکستان کے لیے مشکلات پیدا کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتا ہے ۔ جب کوئی قوم بیرونی جارحیت کے خطرے سے دوچار ہو تو پھر اس کے پالیسی سازوں کے نزدیک دفاع اہم ہوتا ہے ۔ اسی صورت میں قومی مفادات کا اصول عملی طور پر دفاعی مفادات کی صورت اختیار کرتا ہے ۔ اسی اصول کے تحت پاکستان اور ترکیہ کو مغربی بلاک کی طرف دفاعی ضروریات کے تحت رجوع کرنا پڑا اور دونوں ممالک ۱۹۵۵ء میں معاہدہ سینٹو میں شریک ہوئے ۔ یہ ایک دفاعی نوعیت کا معاہدہ تھا اور پاکستان نے اس میں محض ترکیہ کی وجہ سے شرکت کی تھی ۔ اس معاہدہ میں اس کے ساتھ عراق ،برطانیہ اور ایران بھی شامل تھے ۔ امریکہ نے بطور مبصر اس میں شرکت کی تھی ۔

لیکن سینٹو سے ترکیہ کو خاطر خواہ نتائج نہ ملے تو ترکیہ کے وزیراعظم احسان صابری نے ایک انٹرویو میں کہا کہ پاکستان کو ۱۹۶۵ء میں اور اب حال ہی میں ترکیہ کو امریکہ کی طرف سے اسلحہ کی فراہمی پر پابندی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ملکی دفاع کو غیر ملکی ٹھیکے داروں کے حوالے نہیں کیا جا سکتا ہمیں ہر صورت میں خود کفالت حاصل کرنا ہوگی۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں پاکستان اور ترکیہ کی خارجہ پالیسی میں تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ یہ تبدیلی اس امر کی عکاس تھی کہ دونوں ممالک نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ دفاعی معاہدوں سے وہ کچھ حاصل نہیں ہوتا جس کی پاکستان اور ترکیہ کو توقع تھی۔ لہٰذا ایوب خان کی تجویز سے قائم ہونے والی تنظیم آر۔سی۔ڈی قائم ہوئی تو اس کے نتیجے میں دوستی کے یہ لازوال رشتے اور مضبوط ہونا شروع ہو گئے۔

فیلڈ مارشل ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں ترکیہ کا خیر سگالی دورہ کیا۔ ازاں بعد ۱۹۶۴ء میں وہ دوبارہ ترکیہ گئے جس سے روابط میں پختگی آئی۔ جولائی ۱۹۶۵ء میں ترکیہ، ایران اور پاکستان کے درمیان علاقائی تعاون برائے ترقی آر۔سی۔ڈی کا ایک اہم ادارہ قائم ہوا۔ جس کے اغراض و مقاصد میں آزادانہ تجارت، ویزے کی پابندی کا خاتمہ، فنی امداد، دانشوروں کا تبادلہ اور سائنسی تحقیقی اداروں کا قیام تھا۔ اس معاہدے کی بناء پر تینوں ملکوں میں قربت کا احساس اور بھی بڑھ گیا۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں ترکیہ نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ملک کا بنا ہوا اسلحہ پاکستان کو مہیا کرے گا۔ اس دوران ترک وزیرِ خارجہ نے پاکستان کا دورہ کیا۔ ہلالِ احمر نے ترک ڈاکٹروں اور نرسوں کا ایک وفد زخمیوں کے علاج معالجے کے لیے پاکستان روانہ کیا۔ اس جنگ میں ترکیہ کی طرف سے مالی، عسکری اور سیاسی امداد نے پاکستانیوں کے دل موہ لئے۔ پاکستان نے بھی ہمیشہ ترکیہ کے ساتھ اپنی روایتی دوستی نبھائی ہے۔

ترکیہ پاکستان کے ساتھ دوطرفہ تجارت کا ہدف پانچ ارب ڈالر سالانہ تک لے جانا چاہتا ہے۔ جبکہ دونوں ممالک کے درمیان ۲۰۰۹ میں صرف ۷۸۲ ملین ڈالر کی دوطرفہ تجارت ہوئی جو دونوں کی صلاحیت سے بہت کم ہے۔ پاک ترکیہ بزنس کونسل نے پاکستان اور ترکیہ کے درمیان باہمی تجارت کو ۲۰۱۲ء تک ۲ ارب ڈالر تک لے جانے کا ہدف مقرر کیا ہوا ہے لیکن ترکیہ کی خواہش ہے کہ دونوں کے درمیان تجارتی ہدف کو بڑھا کر چار یا پانچ ارب ڈالر سالانہ تک لے جایا جائے جس کے لیے دونوں ممالک کو کوششیں تیز کرنا ہوں گی۔ (۳۴) ترکیہ میں پاکستان کے توانائی کے شعبہ میں سرمایہ کاری کرنے کے بارے میں گہری دلچسپی پائی جاتی ہے۔ ترکیہ کی ایک کمپنی نے پہلے ہی سندھ میں ہوا کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کے لیے ایک ونڈمل یونٹ لگا رکھا ہے جبکہ ایک اور کمپنی ایک پاور پلانٹ کے ساتھ اگلے ماہ پاکستان آرہی ہے جو کراچی کو ۲۰۰ میگا واٹ سے زیادہ بجلی فراہم کرے گی۔ ایک ترک کمپنی ''پاک اوز'' نے پاکستان کے کئی شہروں کی جدید مشینوں سے صفائی کرنے کا ٹھیکہ حاصل کر رکھا ہے۔ ایک ترک نجی کمپنی نے لاہور میں چلنے والی میٹرو بس سروس میں بھی سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ ترکیہ کی کچھ کمپنیاں پاکستان میں ہائیڈرو پاور کی صلاحیت کا بھی جائزہ لے رہی ہیں تاکہ وہ پاکستان میں پانی سے بجلی پیدا کرنے کے لیے سرمایہ کاری کر سکیں۔ ترکیہ نے اسلام آباد چیمبر کے ایگزیکٹو ممبران کو پانچ سال تک کا ملٹیپل ویزا دینے کا بھی اعلان کیا تاکہ پاکستانی بزنس مین ترکیہ میں جب چاہیں آسانی کے ساتھ جا کر وہاں کاروبار کے مزید مواقع تلاش کر سکیں۔

(ب) ترکی ادب ایک مختصر جائزہ

منگولیا' سائبیریا اور مغربی ترکستان میں دریافت ہونے والے قدیم کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ترکی زبان ساتویں صدی عیسوی سے کئی سو سال قبل ایک مکمل شکل اختیار کر چکی تھی۔(۳۵) ترکی کا ابتدائی ادب مذہبی تہواروں پر پڑھے جانے والے گیتوں اور نظموں پر مشتمل تھا جن کو مذہبی رہبر ''کوپز'' (ایک قدیم ساز) کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دوسری قوموں کی طرح ترکوں کے ہاں بھی ابتدائی ادبی سرمایہ رزمیہ داستانوں پر مشتمل ہے۔ یہ رزمیہ داستانیں سماجی واقعات دلیری اور پرشکوہ بہادری کے بیان پر مشتمل ہوتی تھیں۔ ترکی ادب دراصل تازی ادب کی طرح اسلامی عہد کی پیداوار ہے یعنی ترکی زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز اس وقت ہوا جب ترک بحیثیت قوم اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور ترکی زبان کے لیے عربی رسم الخط اختیار کر لیا گیا تھا۔ ترکی زبان کی ادبی تاریخ کا حقیقی آغاز تیرھویں صدی سے ہوتا ہے جب ایشیائے کوچک کے شمال مغربی حصہ میں عثمانی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ عثمانی سلاطین علم و ادب کی سرپرستی کے معاملے میں کسی طرح بھی دہلی کے سلاطین سے کم نہیں تھے۔ مراد دوم سے لے کر سلیمان اعظم تک کا شاہی دربار دل کھول کر علماء' ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔(۳۶) اس وجہ سے ترکی زبان' عربی اور فارسی کے بعد اسلامی دنیا کی تیسری بڑی زبان بن گئی۔

ترکی زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز قصے' کہانیوں' داستانوں اور جنگ ناموں سے ہوا جو نظم و نثر دونوں میں لکھے گئے ہیں۔ پندرھویں صدی سے سترھویں صدی تک عربی اور فارسی سے اچھی خاصی کتب ترکی زبان میں ترجمہ کی گئیں مثلاً کلیلہ و دمنہ' تذکرۃ الاولیاء' کیمیائے سعادت' مثنوی مولانا روم وغیرہ۔ علاوہ ازیں تفسیر' فقہ' سوانح' جغرافیہ اور ادب پر لکھی گئی بے شمار کتب عربی اور فارسی سے ترکی میں منتقل کی گئیں۔ اسی عرصہ میں تراجم کے علاوہ ترکی نظم و نثر کی لاتعداد دوسری کتب بھی لکھی گئیں' لیکن ان کا اسلوب نگارش ایرانی طرز کا تھا اور ایرانی ادب ہی ابتدائی ترکی مصنفوں اور شاعروں کے لیے نمونہ تھا۔(۳۷)

گیارہویں صدی میں کاشغری محمود نے ترکی ڈکشنری ''دیوان لغات ترک'' لکھی جس میں ترکی شاعری سے منتخبہ کئی مثالیں شامل کی گئی ہیں۔ پھر بارہویں صدی میں اوغر رزمیہ جو اسلامی دور سے پہلے کے ترکوں کے طرز زندگی اور احساسات کی عکاسی کرتی تھی تحریر کی گئی اور اسے جدید رنگ دیا گیا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد ترک عربوں اور ایرانیوں کے زیر اثر آ گئے اور جب وہ مغرب میں اناطولیہ میں مقیم ہوئے تو انھوں نے ان کے ساتھ قریبی رابطہ استوار کر لیا۔ گیارہویں صدی میں جب ترکوں کی نقل مکانی شروع ہوئی تو دیوان ادبیات یا درباری ادب کا آغاز ہوا تاہم غیر ملکی اثر عوام کی اکثریت میں ضم نہ ہوا اور ان کی ادبی روایت عمومی اسلامی ڈھانچا میں ہی قائم رہی۔ مذہبی ادب کو بھی لوگوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا جو درویشوں کی خانقاہوں میں ہی ترقی کرتا رہا۔

یوسف حسن حاجب کی مقداری بحر میں (عرب اور ایرانی شعراء کی طرز پر) لکھی ہوئی نظم جو ''کتادوغوبلگی'' مشہور ہے اسے مسلم ترکی ادب کا اولین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ تیرہویں صدی تک دیوان شاعری کے ابتدائی کلام لکھے جا چکے تھے۔ جبکہ سادہ زبان میں موسیقی کے ہمراہ (ساز) گائے جانے والی نظموں کا لوگوں میں رواج تھا۔ اگلی صدی میں مزید ترقیات ہوئیں۔ صوفی شاعر یونس امری نے تیکیے ادب کا بہترین کارنامہ پیش کیا۔ ''دیدے کورکت'' کی رزمیہ داستان میں قدیم ترکی روایات کو اسلامی روپ دیا گیا۔ نیز عثمانیہ سلطنت کے قدیم کی رجزیہ شاعری میں تعریف و توصیف کی گئی۔

پندرھویں صدی میں فارسی شاعری کا اثر بڑھ گیا۔ کئی شاعروں نے کلاسیکی اسلامی طرز پر اپنا کلام لکھا مثلاً مثنوی (طویل رزمیہ نظم یا صوفیانہ نظمیں جو مقفٰی یعنی بندوں میں) قصیدہ اور غزل وغیرہ مذہبی ادب کا اعلیٰ ترین کام سلیمان چلیبی کی میلاد شریف (حضور ﷺ کی پیدائش سے متعلق) کی صورت میں ظاہر ہوا۔

موخرالذکر نے عوامی ہئیتوں کو اپنالیا۔ اہم عوامی شعراء میں عاشق چلیبی اور قارا جا اوغلان شامل تھے۔ درباری ادب کو مزید ترقی نفعیؔ (جو اپنی ہجویہ نظموں اور قصیدوں کے لیے مشہور ہے) نائلی اور نیشاطی نے دی۔ نثر نگاروں میں سے اولیا چلیبی نے اپنے اسفار کی مشہور کتاب ''سیاحت نامہ اور کاتب'' کے علاوہ اپنی سوانح عمریاں اور تاریخ اور جغرافیہ پر کئی کتابیں لکھیں۔

ترکی ادب بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کے شعراء ہر دور میں کثیر التعداد اور پُر گو دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں قدیم عثمانی شعراء میں ترکی امیر غازی فاضل نمایاں ہے جس نے خارجی اثرات قبول کیے بغیر اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اشعار جو یقیناً بزنطینیوں سے کسی کامیاب جنگ کے بعد لکھے گئے ہیں اعلیٰ شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں:

خدا نے اپنی رحمتیں ہم پر نازل کیں اور ہم نے دشمن کو پھر ایک بار ضرب شدید پہنچائی۔
ہماری مقدس جنگ کے تیر دشمنوں کے لیے خار بن گئے تھے۔
تمام آسمانی روحیں ہماری حوصلہ افزائی کے لیے زمین پر اتر آئی تھیں
اور حق کے جان نثاروں کی اعانت کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
راہ حق میں ہمارے جسم و جان قربان ہیں۔
حق کے لیے جنگ کرنے والے صرف خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۳۸)

اپنی طویل تاریخ میں ترکی ادب کے تین ادوار اہم اور نمایاں رہے ہیں۔ چودہویں صدی سے انیسویں صدی کے آغاز کا دور فارسی اور ایرانی اثرات سے نمو پاتا رہا۔ اسے ترکی کا کلاسیکی ادب کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ادب سلطنت عثمانیہ میں پروان چڑھا جسے دور تنظیمات کہتے ہیں۔(۳۹) تیسرے دور کا آغاز بیسویں صدی کے شروع میں سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں ہوا۔ اسے ترکی ادب کا دور جدید کہا جاتا ہے۔

پہلا دور۔۔۔دیوان ادب:

ترکی ادب کے کلاسیکی نقوش اسی دور میں واضح ہوئے۔ یہ ترکی ادب کا طویل ترین دور ہے۔ چودھویں صدی میں ترکی کے تین عظیم شاعر یونس امرہ (متوفی ۱۳۲۰ء) نسیمیؔ (متوفی ۱۴۱۸ء) اور احمدیؔ (متوفی ۱۴۱۳ء) ہیں جنہوں نے اپنے بعد آنے والے شاعروں کو متاثر کیا۔ یونس امرہ اور نسیمی عوامی صوفی شاعر تھے لیکن احمدیؔ ان میں سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ''اسکندر نامہ'' جو فارسی مثنویوں کی طرز پر لکھا گیا ہے ترکی شاعری کا شاہکار ہے۔(۴۰) اسی زمانے میں شیخ کرمیان نے ایک طویل بیانیہ نظم میں شیریں کے قصے کو منظوم کیا' پھر یازیؔ جی اوغلو نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کی منظوم تاریخ لکھی جس کا عنوان ''محمدیہ'' تھا۔ اسی عرصے میں نثر کی ایک دلچسپ تصنیف جو کہانیوں کا مجموعہ ہے سامنے آئی۔ یہ ''داستان چہل وزیر'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مصنف شیخ زادہ ہے جس کا اصل نام شاہد احمد تھا۔ نسیمیؔ، احمدیؔ اور یونس امرہ سے ترکی کے کلاسیکی ادب کا آغاز ہوتا ہے۔

پندرہویں صدی کے وسط تک ترکی شاعری میں انفرادیت پیدا ہو چکی تھی۔ اب فارسی شاعری کی ہو بہو نقل کی بجائے ترک شاعر صاحب طرز بن چکے تھے۔ اسی زمانے میں ترکی میں فارسی کے ساتھ ساتھ عربی الفاظ کے داخل ہونے سے ترکی زبان کے حُسن میں اضافہ ہوا۔ اس دور کے قابل ذکر شعراء میں شیخیؔ (متوفی ۱۴۲۸ء) احمد پاشا برصالی (متوفی ۱۴۹۷ء) اور نجاتیؔ (متوفی ۱۵۰۹ء) ہیں۔ شیخی نے نظامی کی فارسی مثنوی ''خسرو شیریں'' کا منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ''خر نامہ'' کے نام سے ایک شاہکار نظم تخلیق کی۔ احمد پاشا برصالی نے کلاسیکی ترکی عروض کو بہتر بنایا۔ نجاتیؔ کلاسیکی عثمانی شاعری کے بانیوں میں سے ہے اور ترکی زبان کا پہلا غزل گو شاعر ہے۔ اس نے نئے انداز میں

غزل اور مرثیے لکھے اور آنے والے شعراء کو متاثر کیا۔ (۴۱)

اسی زمانے میں ایشائے کوچک سے دور وسط ایشیاء میں بھی دو عظیم ادیب و شاعر میر علی نوشیر نوائی (۱۴۴۱ء تا ۱۵۰۱ء) اور بابر (۱۴۸۳ء تا ۱۵۳۰ء) پیدا ہوئے جنہوں نے عثمانی ترکی کی بجائے چغتائی ترکی میں ادب تخلیق کیا۔ (۴۲) نوائی نے نظامی کی طرز میں ترکی زبان میں پانچ مثنویاں لکھیں۔ نوائی جتنا بڑا شاعر تھا اتنا ہی بڑا نثر نگار بھی تھا۔ بابر بحیثیت شاعر نوائی کے مرتبہ کا نہیں لیکن ایک نثر نویس کی حیثیت سے اس کی ''تزک'' ترکی سوانح نگاری کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

سولہویں صدی کے شاعروں میں ذاتی (متوفی ۱۵۴۶ء) خیالی (متوفی ۱۵۵۷ء) باقی (۱۵۲۶ء تا ۱۶۰۰ء) اور فضولی (متوفی ۱۵۵۶ء) سب سے نمایاں ہیں۔ ذاتی 'مثنوی' ''شمع و پروانہ'' کا خالق ہے۔ اس نے شاعری میں نئے تصورات داخل کئے جو اس کی مقبولیت کا باعث بنے۔ خیالی فنی لحاظ سے ذاتی سے بلند تھا۔ اُسے روم کا حافظ کہا جاتا ہے۔ فضولی کو کلاسیکی ترکی کا سب بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ اس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ فضولی کے ''دیوان'' اور مثنوی ''لیلیٰ مجنون'' کی بدولت ترکی ادب میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اس مقام تک نسیمی اور نوائی کے علاوہ کسی ترکی شاعر کی رسائی نہ ہو پائی۔ ذیل کے اشعار فضولی کے مخصوص انداز کے نمائندہ ہیں:

اے میرے محبوب! اگر چہ تمام دنیا تیری وجہ سے میری دشمن بن گئی ہے لیکن مجھے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ تو میرا ہے۔
ناصح کی ہر نصیحت کو حقارت سے دیکھتے ہوئے میں محبت کی مجنونانہ گمنامیوں میں گم ہو جاتا ہوں۔
چونکہ غم کھانے کا عادی ہو گیا ہوں اس لئے میرے دشمن مجھے کوئی رنج نہیں پہنچا سکتے۔
اے فضولی، یہ زندگی یونہی گذر جائے گی۔ مگر میں اس راہ محبت کو طے نہ کر سکوں گا جہاں محبت کرنے والے محوخرام ہوتے ہیں۔
بس میں یہ التجا کرتا ہوں تم میری قبر سر راہگزر بنا دینا۔ (۴۳)

اسی دور میں ترکوں نے نثر نگاری میں سب سے اچھے نمونے تاریخ نویسی کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ اس صدی کی نثر میں سب سے نمایاں نام کمال پاشازادہ (۱۴۶۸ء تا ۱۵۳۴ء) خواجہ سعد الدین (۱۵۳۶ء تا ۱۵۹۹ء) اور مصطفیٰ علی چلپی (۱۵۴۱ء تا ۱۶۰۰ء) کے ہیں۔ کمال پاشازادہ تقریباً ۲۰۰ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کو شہرت دوام دولت عثمانیہ کی تفصیلی تاریخ ''تواریخ آل عثمان'' کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ ان کی یہ کتاب انشاء پردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کی نثر مسجع و مرقع ہے۔ اس زمانے میں ایسی ہی نثر پسند کی جاتی تھی۔ ہمارے ہاں اس کا نمونہ ابوالفضل کی نثر ہے۔ مصطفیٰ چلپی کو سولہویں صدی کا سب سے بڑا مورخ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی زبان آسان اور تجزیانہ ہے۔ ''کہنہ الاخبار''، ''نصیحۃ السلاطین''، ''مناقب ہنرواں'' اور ''قواعد المجالس'' اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ اس دور کے ایک مصنف امیر البحر سعدی علی کے سفر نامہ ''مراۃ الممالک'' کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ (۴۴)

سترہویں صدی کے شاعروں میں سب سے نمایاں شاعر نفعی (متوفی ۱۶۳۵ء) ناجی (متوفی ۱۶۶۸ء) اور نبی (متوفی ۱۷۱۲ء) ہیں۔ یہ تمام شاعر اپنی انفرادی خصوصیات کے باوجود ہند اور ایران کے فارسی شعراء سے متاثر تھے۔ چنانچہ نفعی پر عرفی شیرازی کا اور نبی پر صائب کا اثر نمایاں ہے۔ نفعی ایک ماہر ہجو گو بھی تھا۔ وہ اپنی قوت تخیل اور زبان پر عبور کی بناء پر ترکی کے بہترین قصیدہ گو شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سلطان مراد چہارم کی شان میں کہے گئے اس قصدے کی تشبیب کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

علی الصبح گلاب کھل رہے ہیں۔ آغاز بہار کی خوشگوار ہوائیں چلنے لگی ہیں۔
اے دل سرور ہو! اے ساقی جام بھر۔ بہار کے پر سرور دن آگئے ہیں۔ ہوائیں معطر ہیں۔
زمین جنت ارضی معلوم ہوتی ہے۔ ہر گوشہ باغ ارم نظر آرہا ہے۔

جام کو اتنی گردش دے کہ تمام میخانہ خالی ہو جائے اور جب مطرب کوئی راگ چھیڑ دے تو اتنا رقص کر کہ رقص کی سکت باقی نہ رہے۔

اگر چہ وہ مدہوش ہے مگر پھر بھی شیخ حرم سے متنفر اور جرات مند گناہگاروں سے خوش ہے۔

آہ! اب دیکھیئے جنون محبت کے دیوانے کیا کریں گے۔ پیکر حسن وہ جام بھر رہے ہیں جن کو خالی رکھنا آج کے دن حرام ہے۔

ہم ہجراں نصیب، بڑے زخم خوردہ ہیں۔ ہم پر نظر کرم کر اور انگار کو رہنے دے۔

خاندان عثمانیہ کے بادشاہوں کے قلوب نیکیوں کی آماجگاہ ہیں۔

عمرؓ جیسی درویشانہ شان اور شاہ فارس پرویز جیسے جلالت مآب فرمانروائی کے حامل ہیں۔(۴۵)

نائلی شوکت الفاظ کا دلدادہ ہے اور نابی کی شاعری جذبات اور زیادہ ذہن کو اپیل کرتی ہے۔ نابی نے غزل میں فلسفیانہ انداز اختیار کیا۔

اس کے اشعار کا زیادہ تر حصہ اخلاقیات کا حامل ہے۔ اس صدی کی ترکی شاعری معیار کے لحاظ سے فارسی شاعری سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

سترھویں صدی کے اہم نثر نگار حاجی خلیفہ (۱۶۰۸ء تا ۱۶۵۷ء) اور اولیاء چلیبی (۱۶۱۱ء تا ۱۶۸۳ء) ہیں، حاجی خلیفہ نے اپنی تصانیف ''میزان الحق'' اور ''دستور العمل'' میں خود کو ایک صاحب بصیرت مورخ ثابت کیا ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف 'تھلکہ'' عثمانیوں کی قابل اعتماد تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ اولیاء چلیبی کا چھ ہزار صفحات پر مشتمل ''سیاست نامہ'' ترکی ادب کا شاہکار ہے۔ اس کی زبان سادہ، بے ساختہ اور پر تخیل ہے۔

اٹھارہویں صدی کے دو بڑے شاعر ندیم اور شیخ غالب ہیں۔ ندیم (متوفی ۱۷۳۰ء) دیوان کلاسیکی شاعروں میں تمام شعراء میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ اپنی خالص، خوبصورت اور سادہ زبان کی وجہ سے ان کو اب بھی پسند کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اچھوتے مضامین اور ہم آہنگی الفاظ کی بدولت اپنے پیش روؤں اور معاصرین سے سبق لے گئے۔(۴۶) ندیم کی غزلوں سے منتخب چند اشعار درج ہیں:

میرے قلب و روح اس حسین محبوب کی محبت میں وارفتہ ہو کر
مجھ سے جدا ہو چکے ہیں اور میرا تمام صبر شکیب گریباں کو تار تار کرنے میں صرف ہو چکا ہے۔
جب کبھی اس کی زلفیں فیض سے باہر نکل آتی ہیں تو اس کا حسن اتنا مسحور کن ہو جاتا ہے کہ جو بے باک نظر اسے دیکھتی ہے
محو حیرت ہو جاتی ہے۔
تیرا یہ پوچھنا کہ اے ندیم تو کیوں غم زدہ ہے اور اس طرح کیوں آہ و زاری کر رہا ہے؟
اے سنگدل تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ سب عاشق اسی طرح اپنی بربادی پر آنسو بہاتے ہیں۔
اے محبوب! تو جو ایک ہاتھ میں گلاب کا پھول اور دوسرے میں جام لئے ہوئے آرہا ہے تو میری عقل حیراں کہ میں
اس جام کو یا اس پھول کو یا خود تجھے، کس کو خوش آمدید کہوں۔
جب میں تیرے سیماب صفت جسم کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ حیات سے کوئی فوارہ نکل رہا ہے۔(۴۷)

شیخ غالب (۱۷۵۷ء تا ۱۷۹۹ء) دیوان ادب کے آخری بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ باقی، فضولی، نفعی، ندیم اور غالب کا شمار پانچ بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ اس صدی میں مثنوی رو بہ زوال تھی۔ لیکن شیخ غالب کی عظمت کی بنیاد ان کی مثنوی ''حسن و عشق'' ہی ہے۔ ان کی تخلیقی صلاحیت، رنگین تشبیہوں، اچھوتے استعاروں کے استعمال اور طرز ادا نے ترکی شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔

سلطنت عثمانیہ کے دور میں تعلیم محدود تھی اور عثمانی ادب میں پر پیچ اور دقیق زبان کے استعمال کا رواج تھا۔ دوسرے اس میں عوامی

عنصر کا مکمل فقدان تھا۔ اس زمانے کی تخلیقات کے کردار امراء اور اعلیٰ طبقے کے لوگ ہوتے تھے اور کوئی اہل قلم استنبول شہر کے علاوہ ملک کے کسی دوسرے شہر، قصبے یا گاؤں کے پس منظر میں نہ لکھتا۔ عثمانی ادب سے عوام کی دوری کی وجوہ بیان کرتے ہوئے کرنل (ر) مسعود اختر شیخ لکھتے ہیں:

''عثمانی دور میں قاری زیادہ تر اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اونچے طبقے کے لوگ نہایت پر پیچ اور دقیق زبان کے استعمال کو اپنے لئے طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ کہ عام قاری کے لیے اسے سمجھنا نہایت دشوار تھا۔ ابوالفضل قسم کی ادبی زبان کے استعمال نے عوام اور ادیبوں کے درمیان گہری خلیج پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ عوام کے لیے کسی اہل قلم کی بہترین تخلیقات سے استفادہ کرنا تقریباً ناممکن ہو چکا تھا۔'' (۴۸)

عثمانی ادب کا آخری دور دراصل عثمانی سلطنت کے زوال کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس دور کا ادب آمریت کی بناء پر صحیح سمت پر پروان نہ چڑھ سکا۔ موضوع کے اعتبار سے یہ رومانی ادب کا دور کہلاتا ہے۔ (۴۹) اس دور میں کسی ایسے موضوع پر قلم اٹھانے سے گریز کیا جاتا، جس سے حاکم وقت کی دلآزاری کا شبہ پڑ سکتا تھا۔ قومی مسائل کے نزدیک پھٹکنا اہل قلم کے لیے جان جوکھوں کا کام سمجھا جاتا، لہٰذا وہ یہی لکھتے رہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں تصنع، مرقع و مسجع اور پرتخیل دیوان شاعری سے لوگوں کی طبیعت بیزار ہو گئی۔ ان کے دلوں میں زندگی کی حقیقی اور اصلی تصویر دیکھنے کا شوق پیدا ہوا جس سے انیسویں صدی کی ابتداء میں فطرت پسند شاعری کی بنیاد رکھی گئی۔ اس حلقہ کے شعراء نے اپنے کلام میں ترکی معاشرے کا صحیح نقشہ پیش کیا لیکن یہ دور بہت جلد ختم ہو گیا۔ (۵۰)

دوسرا دور۔۔۔عہد تنظیمات کا ادب

۱۸۳۹ء میں سلطان محمود ثانی نے ''گل خانہ احکام شاہی'' کے ذریعے اصلاحات کی پہلی قسط کا اعلان کیا۔ ان اصلاحات کا اثر چند داخلی تبدیلیوں تک محدود رہا۔ اصلاحات کا دوسرا دور ۱۸۵۲ء کے شاہی اعلان سے شروع ہوا۔ اس کی رو سے نہ صرف ۱۸۳۹ء کی اصلاحات کی توثیق کی گئی بلکہ مزید تنظیمی اصلاحات بھی کی گئیں۔ چنانچہ ترکی ادب کا یہ دور بھی عہد تنظیمات یا اصلاح کا دور کہلاتا ہے۔ (۵۱) اس دور میں کم و بیش ہر چیز تغیر پذیر تھی اور ترکوں میں ایک ذہنی انقلاب رونما ہو رہا تھا جو فرانسیسی افکار اور فرانسیسی ادبی مزاج کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ترکی ادب خصوصاً شاعری اپنے خیالات اور طرز ادا کے لحاظ سے فرانسیسی رنگ میں ڈوب گئی۔ ادب کے ذریعے فرانس کے سیاسی خیالات پھیلنے لگے۔ ترک ادیبوں اور شاعروں نے پرانی روش سے ہٹ کر نئے نئے تجربات کیے جن کے نتیجے میں جدید ترکی ادب کی بنیاد پڑی۔ اس دور کے ادیبوں میں ابراہیم شناسی (۱۸۲۱ء تا ۱۸۷۱ء) نامق کمال (۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۸ء) عبدالحق حامد (۱۸۵۲ء تا ۱۹۳۷ء) اور توفیق فکرت (۱۸۶۷ء تا ۱۹۱۵ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔

جدید ترکی ادب میں ان ادیبوں کی حیثیت اردو ادب کے عناصر خمسہ (سرسید، حالی، آزاد وغیرہ) جیسی ہے۔ ابراہیم شناسی نئے ادب دبستان کے بانی ہیں اور نامق کمال اس کے گل سر سبد۔ شناسی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے ۱۸۶۰ء میں ''ترجمانِ احوال'' جاری کر کے ترکی میں جدید طرز کے اخبار کی بنیاد ڈالی۔ یہ پہلا غیر سرکاری اخبار تھا بلکہ اسے ادب کے جدید سکول کی پہلی آواز کہیں تو بہتر ہو گا۔ اس کی اشاعت سے ترکی زبان و ادب کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ نامق کمال کے ڈرامے ''جلال الدین خوارزم شاہ'' کا سجاد حیدر یلدرم نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

عبدالحق حامد ایک ممتاز وطن پرست شاعر اور ڈرامہ نویس تھا۔ حامد نے نامق کمال کی طرح ظلم و ناانصافی کے خلاف شدت سے

احتجاج کیا باوجود اس کے کہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ سرکاری ملازمت میں گزرا' وہ 'بمبئی' میڈرڈ اور لندن میں مدت تک ترکی سفیر کی حیثیت سے تعینات رہے۔تاہم اپنی کتابوں میں انھوں نے سلطان عبدالحمید خاں کے استبداد پر خوب چوٹیں کی ہیں۔خالدہ ادیب آدی وار فرماتی ہیں کہ اگر حامد کی تصانیف کا ترجمہ دیگر زبانوں میں ہو جائے تو وہ بین الاقوامی شہرت حاصل کر لیں گے۔(۵۲) توفیق فکرت ہفتہ وار اخبار ''ثروتِ فنون'' کے مدیر تھے۔ان کا شعری اسلوبِ بیان تمثیلی ہے۔جس میں ظلم واستبداد پر در پردہ چوٹیں ہوتی تھیں۔اس دور کے ادیبوں اور شاعروں کی کوششوں سے ترکی شاعری میں عروضی اوزان میں کئی تبدیلیاں آئیں اور شاعری نئے اصناف سے متعارف ہوئی جبکہ نثر میں افسانہ' ڈرامہ اور ناول نویسی کا آغاز ہوا۔

تیسرا دور۔۔۔۔۔۔۔جدید ادب

سلطان عبدالحمید کے عہد (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء) سے ترکی ادب کے دورِ جدید کا آغاز ہوا۔سلطان نے تنظیمات کے ادب کو مٹا دینے کی بھرپور کوشش کی جس میں بظاہر اسے کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔شناسی اور نامق کمال وغیرہ کی کتابوں کی اشاعت بند ہو گئی اور جن الفاظ سے جذبہ وطن پرستی کا اظہار ہوتا تھا' وہ لغت سے خارج کر دیئے گئے۔ممنوع الاشاعت کتابوں کا چوری چوری ایک صفحہ پڑھنا بھی بغاوت میں داخل تھا جس کی پاداش میں لوگ اکثر تمام عمر کے لیے جلاوطن کر دیئے جاتے تھے۔

لیکن ان سختیوں کے باوجود اس عہد میں ایک جدید ادبی حلقہ پیدا ہوا جس نے ''فجر آتی'' (ثروت فنون) اور ''الوس ادبیات'' جیسے ادبی مجلوں کے ذریعے ادب میں نئی تحریکوں کی بنیاد رکھی۔ان تحریکوں نے لامحدود جوش اور سرگرمی پیدا کر دی۔(۵۳) جس نے حمیدی استبداد کی بنیادیں ہلا دیں۔بلکہ مذہب اور ماضی کی روایات کو بھی استبداد کی حامی قرار دے کر شدید حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔اس ادبی حلقہ کی نمایاں خصوصیت اس کی مغرب پسندی تھی۔یہ لوگ سائنس' عقلیت اور مغربی مادیت کے دلدادہ تھے۔۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد ترکی میں دستوری حکومت قائم ہوئی۔اس تبدیلی نے ترکی ادب وصحافت میں ایک نئی جان ڈال دی۔پریس کو آزادی مل جانے کی وجہ سے سینکڑوں کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔(۵۴) ادھر دولت عثمانیہ کے آخری دور سے لے کر جمہوریہ ترکیہ کے قیام کے اوائل تک ترکی میں جو مختلف سیاسی تحریکیں چلیں' ان میں عثمانیت' اسلامیت' مغربیت سے کہیں زیادہ لوگ قومیت یا ترکیت کی طرف راغب ہوتے چلے گئے۔ان سب تحریکوں نے ترکی ادب پر گہرا اثر ڈالا۔اس دور کے شاعروں میں اورحان ولی کانک (۱۹۱۴ء تا ۱۹۵۰ء) کا نام نمایاں ہے۔وہ نئی شاعری کے پیش رو ہیں انھوں نے آزاد شاعری کا از سرِ نو تعارف کرایا اور موضوع کو وسعت دی۔ان کے ہم عصروں نے ان کی زبان اور تکنیک استعمال کی۔اسی دور میں آزاد نظم کو رواج دینے میں ناظم حکمت راں (۱۹۰۱ء تا ۱۹۶۳ء) کا بھی بڑا حصہ ہے۔ان کی نظمیں بحر اور قافیہ سے آزاد ہیں۔وہ اشتراکی نظریات کے حامی تھے۔انھوں نے سائنسی عظمت کی ثناء کے ساتھ ساتھ محنت کشوں' مزدوروں اور فاقہ کشوں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ان کی ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اپنی آنکھوں سے چمک آس کی بجھا ڈالو
اپنے ہاتھوں کی محنت کی جھجکاہٹ بھی!
بس ان گنت روٹیوں کے لیے آٹا گوندھتے رہو
جس کے کھانے کی تمہیں نہ ہو گی اجازت بھی!
یہ آزادی سب تمہاری ہی تو ہے۔دوسری کی غلامی کی آزادی
اپنا خون چوسنے والوں کے لیے جینے کی آزادی

تم آزاد ہو!
پیدا ہوتے ہی وہ تمہیں گھیر لیتے ہیں
جھوٹ کی چکی کے دو پاٹوں کے بیچ تمہیں ڈال دیتے ہیں
یہ آزادی سب تمہاری ہی تو ہے۔ کہ سر اپنا دونوں ہاتھوں میں تھامے رہو
اور ضمیر کی آزادی کے قضیے پر ذہن اپنا الجھائے رکھو۔ (۵۵)

ان کے علاوہ احمد حمدی تان پنار (۱۹۰۱ء تا ۱۹۶۲ء)' جاہد صدقی تارانجہ (۱۹۰۱ء تا ۱۹۵۲ء) اور فاضل حسنو داغ لرجہ (ولادت ۱۹۱۴ء) نے عثمانی ادب کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے شاعری میں نئے نئے تجربات کئے اور کئی نئے شعری اسلوب متعارف کروائے۔ احمد حمدی تان پنار نے الفاظ کے انتخاب' تشبیہ اور استعارات کے ذریعے عروضی اوزان میں موسیقی کا جادو جگایا۔ جاہد صدقی تارانجہ نے انسانی رنج وغم کے موضوع کو پرزور انداز میں پیش کیا۔ فاضل حسنو داغ لرجہ بڑے ہمہ گیر اور باکمال شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں اور رزمیہ نظموں میں جدت اور انوکھا پن پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں روحانی کرب اور بے چینی کا عنصر غالب ہے۔

بیسویں صدی کے نصف اول کے سب سے بڑے شاعروں میں احمد ہاشم (۱۸۸۸ء تا ۱۹۳۲ء)' محمد عاکف ارصوئی (۱۸۷۳ء تا ۱۹۳۶ء) اور یحییٰ کمال بیاتلی (۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۸ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ احمد ہاشم فن کے حامی تھے اور علامات اور استعاروں کے ذریعے اپنا مفہوم واضح کرتے تھے۔ محمد عاکف ارصوئی اور اقبال کے ہاں بہت مماثلت پائی جاتی ہے جس کی بناء پر انھیں ترکی کا اقبال تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ترک قوم پرستی کے برخلاف اتحاد اسلامی کے حامی تھے اور ترکی کے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو اسلامی اقدار کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔ ان کا دل اسلام کی محبت اور دنیائے اسلام کی زبوں حالی کے درد سے لبریز تھا۔ وہ اپنی طویل نظم ''مشرق'' میں لکھتے ہیں:

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے مشرق کی اتنے عرصے تک سیاست
کی' آخر تم نے کیا دیکھا؟ میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا دیکھا۔ میں نے اس سرے
سے اس سرے تک ویران بستیاں' بے سری قومیں' جھکی ہوئی کمریں' خالی دماغ' بے حس دل' الٹی کھوپڑیاں دیکھیں۔۔۔
میں نے بے جماعت کے امام دیکھے۔ بھائی کا بھائی دشمن دیکھا' دن
دیکھے جن کا کوئی مقصد نہیں' راتیں دیکھیں جن کی کوئی صبح نہیں۔ (۵۶)

ترکی کا قومی ترانہ محمد عاکف کا ہی لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے عاکف کی شخصیت اور شاعری پر ایک کتاب ''محمت عاکف وے صنعات'' لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد صابر نے بعنوان ''محمد عاکف'' کیا تھا۔ یحییٰ کمال بیاتلی کے کلام میں قدیم اور جدید کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ وہ فن برائے فن کے نظریہ کے حامی تھے۔ بعض نقاد تو ان کو فضولی کے بعد ترکی زبان کا بہت بڑا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ یحییٰ کمال بیاتلی پاکستان میں ترکی کے پہلے سفیر تھے۔

عہد تنظیمات اور اس کے بعد کے زمانہ میں قدیم یونان سے لے کر بیسویں صدی کے اوائل تک یورپ کی تمام زبانوں کے ادبی شاہکار ترکی میں منتقل ہوتے رہے۔ ان ترجموں نے ترکی ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ ترکی میں جدید افسانہ نگاری' ناول نویسی' ڈرامے اور فن تنقید کے ادبی شہ پارے منظر عام پر آنے لگے۔ گو جدید ترکی نثر میں ہر موضوع پر لکھا گیا ہے لیکن ترک ادیبوں نے سب سے زیادہ ترقی افسانہ نگاری اور ناول نویسی کے فن میں کی ہے۔ (۵۷) اس دور کے مصنفوں میں احمد مدحت (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۲ء) نے سو سے زائد ناول لکھے۔ اُس نے ترکی میں ذہنی جمود توڑا اور ناول کے دور زریں کو پروان چڑھایا۔ اس کے علاوہ رجائی زادہ اکرم (۱۸۴۷ء تا ۱۹۱۴ء) نے سادہ

زبان میں افسانے لکھے۔احمد حکمت کے افسانوں کے مجموعے ''گلستان'' ۱۹۰۰ء اور ''خارستان'' کے نام سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئے جن کے چند افسانے سجاد احمد یلدرم نے اپنے اردو افسانوی مجموعہ ''خارستان وگلستان'' میں ترجمہ کر کے شامل کیے۔اسی طرح انھوں نے احمد حکمت کے ناول ''لاان منکسیر'' کا اردو میں ترجمہ بھی ''ثالث بالخیر'' کے عنوان سے کیا تھا۔(۵۸)

حسین رحمی گورپنار (۱۸۶۴ء تا ۱۹۴۴ء) نے تیس سے زائد ناول لکھے۔یہ آزاد اسلوب کے مالک ہیں۔استنبول کے متوسط اور زیریں طبقہ کی معاشرت کا نقشہ بڑی چابک دستی سے کھینچتے ہیں۔خالد ضیا اشاقلی گل (۱۸۶۱ء تا ۱۹۴۵ء) کو ترکی میں جدید یورپی ناول کا پہلا حقیقی ترجمان سمجھا جاتا ہے۔یہ مشرق اور اسلامی فکر کے مخالفین میں سے تھے۔ان کا شاہکار ناول ''عشق ممنوع'' ہے۔صباح الدین علی (۱۰۹۷ء تا ۱۹۴۹ء) نے اناطولیہ کی دیہی زندگی کے حقیقت پسندانہ خاکے کھینچے ہیں۔اسی طرح دیہات کے عوام کی بدحالی اور دانشوروں اور عوام کے درمیان موجود وسیع خلیج کو موضوع قلم بنانے والوں میں یعقوب قادری قرہ عثمان اوغلو (ولادت ۱۸۸۸ء) قابل ذکر ہیں۔ان کی نثر دلکش اور زوردار ہے۔ان کے ناول ''یابان'' (جنگل) نے سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچادیا۔(۵۹)

سلطنت عثمانیہ میں ادیبوں کے لیے جہاں حقیقی زندگی کے موضوعات پر قلم اٹھانا ممنوع تھا وہاں مذہب کو موضوع بنانے پر بھی پابندی تھی۔اگرچہ مفاد پرست عناصر مذہب کے نام پر ان پڑھ عوام کا صدیوں سے استحصال کرتے چلے آرہے تھے (۶۰) لیکن کسی ادیب کو اجازت نہ تھی کہ وہ ان عناصر کے کرتوتوں کو منظر عام پر لائے۔مگر جدید ناول نگاروں میں رشاد نوری گن تیکن (۱۸۹۶ء تا ۱۹۵۶ء) نے اپنے ناول ''یاشیل گجے'' (سبزرات) میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ان کا اسلوب انتہائی دلکش ہے۔ان کے ناول مغربی ناولوں سے کسی طرح کم نہیں۔ان کا ناول 'چالی کوشو' اپنی مقبولیت کی بناء پر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

جدید ترکی ادب کے افسانوں اور ناولوں کی سب سے اہم خصوصیت زبان کی سادگی ہے۔اس دور کے ادیبوں کی زبان اپنی زبان ہے۔زبان کو سادگی اور عوامی پن کا لبادہ پہنا کر ادیبوں اور عوام کے درمیان گہری خلیج کو پاٹنے کا سہرا جن ادیبوں کے سر ہے ان میں عمر سیف الدین ضیاء گوک آلپ اور احمد راسم (۱۸۴۶ء تا ۱۹۳۶ء) کے نام سرفہرست ہیں۔ان ادیبوں کی مسلسل جدوجہد سے سادگی کا یہ رجحان بیسویں صدی کے ترک ادیبوں کا خاصہ بن چکا ہے۔(۶۱)

ترکی میں آزادی تحریر پر پابندیاں گھٹتی بڑھتی تو رہی ہیں لیکن آج تک کبھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئیں۔ان پابندیوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی ادب میں علامت نگاری اور طنز و مزاح بے حد مقبول ہوئے۔اکثر ادیب حکومت وقت پر کھلے بندوں تنقید کرنے کی بجائے اشاروں، کنایوں اور علامتوں کی زبان استعمال کر کے یا پھر طنز و مزاح کا سہارا لے کر اپنا مافی الضمیر قارئین تک پہنچاتے ہیں اور حکومت کے مواخذہ سے بچ جاتے ہیں۔لہٰذا طنز و مزاح اور علامت نگاری کو آج بھی ترکی ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔ترکی نے اس میدان میں نہایت بلند پایہ ادیب پیدا کیے۔عزیز نہ سن، یشار کمال اور خان کمال (ولادت ۱۹۱۴ء) محمود مقال (ولادت ۱۹۳۰ء) وغیرہ عصر حاضر کے ان ادیبوں کی صف اول میں دکھائی دیتے ہیں۔

عزیز نہ سن (۱۹۱۵ء تا ۱۹۹۴ء) نے تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں اسی کتابیں اور ہزاروں کہانیاں لکھیں اور عمر کا ایک اچھا خاصہ حصہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھانے میں گزارا۔ان کی کہانیاں سیاسی رنگ میں ایک عام ترک کے مسائل پر روشنی ڈالتی ہیں۔غالباً ان کا واحد مقصد حیات، محرومیت، تنگدستی اور استحصال کے ذاتی تجربات سے اپنے باقی ہم وطنوں کو محفوظ کرنا اور ان کے مستقبل کو روشن بنانا تھا۔ان کی کہانیوں کا اردو ترجمہ ''تماشائے اہل کرم'' کے نام سے کرنل (ر) مسعود اختر شیخ نے اسلام آباد میں شائع کیا ہے۔موجودہ دور کے ادیبوں میں یشار کمال کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔انھوں نے باقاعدہ کسی تعلیمی ادارے سے تعلیم حاصل نہیں کی مگر ذاتی مشاہدے، ریاضت اور زندگی کے تلخ تجربات

نے انھیں ادیب بنا دیا۔ ان کے ناول اور کہانیاں زیادہ تر دیہاتی معاشرے اور جاگیرداری نظام کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کی تحریروں کا یہی مقصد نظر آتا ہے کہ ترک کسانوں اور مزدوروں کو زندگی کی ان صعوبتوں سے بچایا جائے جو خود اس ادیب کی قسمت میں لکھی جا چکی تھیں۔ ان کی تحریریں خاص طور پر ان کا رومانی شاہکار ناول ''انجے محمت'' عظیم روسی ناول نگاروں کی روایت کو زندہ کرتا نظر آتا ہے۔ (۶۲) اور خان کمال کا ناول ''برکت لی توپراق اُوزرندے'' اور محمود مقال کا ''خانمن چفتلی'' اناطولیہ کے کسان اور گاؤں کی زندگی کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔

خالدہ ادیب آدی وار (۱۸۸۴ء تا ۱۹۶۴ء) ایک بڑی ادیبہ ہیں جن کی تحریریں ترکی کی سیاسی تاریخ کی عکاس ہیں۔ وہ ضیا گوکالپ سے بہت متاثر تھیں۔ ۱۹۰۹ء میں انھوں نے ناول ''یی توران'' لکھ کر بڑی شہرت حاصل کی۔ (۶۳) وہ اپنے دیگر ناولوں میں ترک عوام کی آزادی کے نظریہ پر زور دیتی ہیں۔ وہ ۱۹۳۵ء میں ہندوستان بھی آئی تھیں۔ ان کے علاوہ یعقوب قادری (۱۸۸۹ء تا ۱۹۷۴ء)، روشن اشرف اور پیامی صفا (۱۸۹۹ء تا ۱۹۶۱ء) دیگر بڑے ناول نگار ہیں۔ یعقوب قادری اپنے ناول ''نور بابا'' کی بدولت شہرت کی بلندی پر پہنچے۔ اس ناول میں بکتاشی فرقہ کے ایک بزرگ کے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

ترکی میں ادبی تنقید کی روایت زیادہ مضبوط نہیں۔ اس کے باوجود نقادوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں نوراللہ اتاج (۱۸۹۸ء تا ۱۹۵۷ء) اسمٰعیل حبیب سیوق (۱۸۹۶ء تا ۱۹۵۴ء) اور فواد کوپرولو (۱۸۹۰ء تا ۱۹۶۰ء) کا ادبی وتنقیدی کام قابل ذکر ہے۔ یہ لوگ لسانی مصلح تھے اور انھوں نے اپنی تنقیدوں سے کئی باصلاحیت مصنف پیدا کئے۔ خصوصاً فواد کوپرولو نے ترکی ادب کی تاریخ کے کئی تاریک گوشوں پر روشنی ڈالی اور اسی بنا پر بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ ترکی کے جدید ڈرامہ نگاروں میں رشاد نوری گن تیکن، ناظم حکمت راں، احمد نوری اور خان کمال، خالدون تانیر، چیتن آلتان اور مصاحب زادہ جلال وغیرہ کے نام بہت اہم ہیں۔

موجودہ دور کے مقبول ترین ادیبوں کی فہرست بنائی جائے تو اس میں یشار کمال، عزیز نہ سن، طارق درسن قایہ، عتیلا الہان، اورحان کمال، کمال طاہر، طارق بغرا، مصطفےٰ نجاتی، فروزاں عدالت، سیوگی سوئے سال، جودت شوکت، مصطفیٰ میاس اوغلو اور خلدون تانیر وغیرہ جبکہ مقبول شعراء میں: بہجت کمال چغلر، نجاتی جمائی، امید یشار اوز جان، اوکتائی رفعت اور احمد موہبت درناس وغیرہ شامل ہوں گے۔ (۶۴)

ترکی کا جدید ادب ماضی کے عثمانی ادب کے مقابلے میں دنیا میں اپنی ساکھ بنا چکا ہے۔ اس کی ایک مثال ترکیہ کے مصنف اورحان پامک (Orhan Pamuk) کو ۲۰۰۶ء میں ملنے والا ادب کا نوبل پرائز ہے۔ آج کا ترک ادیب ادب برائے ادب اور ادب برائے فن کے نظریے کے بین بین ادب تخلیق کرنے میں بڑے خلوص سے منہمک ہے۔

(ج) تحریک خلافت

ترکوں کی خودمختاری اور خلافت کے منصب کے تحفظ کے لیے مسلمانان برصغیر نے بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ایک تحریک کا آغاز کیا جسے عرف عام میں تحریک خلافت کہا گیا۔ اس تحریک کے قائدین علی برادران تھے۔ خلافت کے منصب پر ۱۵۱۷ء میں ترکیہ کے سلطان سلیم فائز ہوئے۔ مغلوں کے دور زوال میں ترک سلطان مسلمانوں کا روحانی پیشوا تھا۔ پہلے ترک انگریزوں کی طرف مائل تھے اور انھوں نے ٹیپو سلطان کی شکست اور غدر کے واقعات میں انگریزوں کا ساتھ دیا مگر ۱۸۷۸ء کے بعد ان کی جرمنی سے وفاداری بڑھ گئی۔ جنگ بلقان وطرابلس کے بعد ترکیہ کمزور ہو چکا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ نبھایا۔ انگریز ترکیہ سے بپھر گئے اور اس کے حصے بخرے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۱۴ء کو لندن ٹائمز نے ''ترکوں کی پسند'' کے نام سے ایک اشتعال انگیز مضمون لکھا جس کا منہ توڑ جواب اخبار'' کامریڈ'' میں مولانا محمد علی جوہر نے لکھا۔ (۶۵) جس کے بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا اور اخبار بند کر دیا گیا۔ جنگ عظیم اول کے اختتام کے بعد بھی برطانوی افواج ۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو موصل پر قابض ہوئیں۔ (۶۶) مذکورہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے ۲۳ ستمبر کو لکھنؤ میں ایک اجلاس میں مسلمانوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی جس کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:۔

(۱) خلافت عثمانیہ برقرار رکھی جائے۔

(۲) ترکی سرحدوں کی حدود میں تبدیلی نہ کی جائے۔

(۳) مقامات مقدسہ کی حرمت برقرار رہے۔

ابتدا میں خلافت کمیٹی کے تاسیسی جلسے میں ترکوں کے لیے یوم دعا منایا گیا۔ جشن فتح کے بائیکاٹ کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جو ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہی۔ (۶۷) ایک قرارداد میں کہا گیا کہ ''اگر مسلمانوں کے مطالبات پر فوری توجہ نہ دی گئی تو مسلمان انگریزی محاصل کا بائیکاٹ کریں گے''۔ (۶۸) علماء نے بھی سیاست میں قدم بڑھایا۔ خلافت کانفرنس کے اجلاس کے دو روز بعد ہی دہلی میں جمعیت علمائے ہند قائم ہوئی جس کے پہلے صدر مفتی کفایت اللہ بنے۔ ماہ دسمبر میں امرتسر کے لوگوں سے یکجہتی کے لیے وہاں سیاسی جلسے ہوئے علی برادران بھی وہاں گئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے وہاں پہنچ کر فرمایا، ''میں جیل سے واپسی کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں''۔ (۶۹) یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک وفد یورپ بھیجا جائے گا۔ ۱۹ فروری ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی کا ایک وفد گورنر جنرل سے ملا جس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۲۰ء میں ہی یہ وفد انگلستان روانہ ہوا۔ برطانوی دارالعلوم میں صرف چند ارکان نے ترکوں کی حمایت کی باقی اس کے خلاف بولے۔ (۷۰) برطانوی قوم ترکیہ کے خلاف تھی۔ (۷۱) مارچ کو مختصری ملاقات میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلمانوں کے مطالبات پیش کیے مگر برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج ترکیہ کے خلاف ہی تقریر کرتا رہا۔ اس نے تھریس اور سمرنا جیسی خالص ترک ریاستوں پر یونانی قبضے کی حمایت کی اور وفد کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ انھیں صلح کانفرنس میں تقریر کی اجازت دی جائے جبکہ پیرس کی صلح کانفرنس میں دو ہندو شامل تھے۔ (۷۲)

مسلمانوں نے برطانوی وزیر اعظم کے جواب کو بری طرح محسوس کیا اور انھوں نے ۱۹ مارچ کو ''یوم غم'' منایا۔ ۲۳ مارچ کو لندن میں ایک تقریر میں مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا، ''جرمنی اور آسٹریا کی طرح ترکی کے حصے بخرے نہیں کر سکتے کیونکہ جس دن تم نے ایسا کیا تو ساڑھے سات کروڑ مسلم رعایا کے جذبات مجروح کرو گے''۔ (۷۳) مولانا دو دن پہلے پیرس میں کہہ چکے تھے کہ جزیرۃ العرب میں صرف مسلمانوں کا کنٹرول رہے گا وہ کسی کی حفاظت میں نہیں دیا جائے گا اور خلیفہ بدستور مقامات مقدسہ کا مالک رہے گا۔ (۷۴) اکتوبر ۱۹۲۰ء میں

یہ وفد ناکام واپس لوٹا۔ مئی ۱۹۲۰ء میں ترکیہ سے معاہدے کی شرائط پیش کی گئیں جس کے تحت ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء کو معاہدۂ سیورے کے بعد ترکیہ کی موت یقینی نظر آنے لگی مگر دوسری جانب انقرہ میں قومی حکومت قائم ہوئی اور مصطفیٰ کمال پاشا نے یونانیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کے اس جوش اور توانائی کو ہندوؤں کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہا ایک موقع پر اس نے کہا کہ میں نے خلافت کو اپنا مقصد بنالیا ہے۔ مجھے نظر آتا ہے کہ اس سے گائے کو بھی تحفظ مل جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک جان اور دو قالب بنانے کا ایسا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔(۷۵) وہ سمجھتا تھا کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں دلی اتحاد ہو جائے تو پھر گائے کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔(۷۶) لیکن مولانا محمد علی جوہر انگریز سامراج ختم کر کے انگریزوں کو کمزور دیکھنا چاہتے تھے تاکہ عالم اسلام محفوظ رہے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں گاندھی جی نے تحریک عدم تعاون کا اعلان کیا جس کے تحت خطابات کی واپسی، عدالتی بائیکاٹ، سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی اور پولیس اور فوج سے علیحدگی کو اپنا مقصد بنایا گیا۔

i. تحریک خلافت کے اثرات

تحریک خلافت ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کی پہلی اور آخری مشترکہ انقلابی کوشش تھی جسے اس کے قائد نے خود ختم کر دیا۔(۷۷) مسلمانوں کو اس تحریک نے عوامی رہنما دیے اور عوامی تحریکات چلانے کے طریقے سکھائے۔ تحریک خلافت نے مسلم عوام کے بڑے حصے میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ انگریزی راج سے ان کی دشمنی ہندو راج سے بھی بڑھ کر تھی۔(۷۸) تحریک خلافت کے باعث مسلمانوں کی زندگی میں سادگی آئی۔ قربانی کا جذبہ دلوں میں موجزن ہوا اور کئی مخلص رہنما میدان میں اترے۔ تحریک خلافت نے مسلمانان برصغیر کے مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان اتفاق پیدا کیا جس کی وجہ سے مذہبی لوگ اور علماء بھی سیاسی میدان میں کود پڑے اور جب خلافت کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے تو پھر بھی وہ سیاسی میدان سے واپس نہیں آئے۔(۷۹)

تحریک خلافت نے ترکوں کو فائدہ پہنچایا۔ برصغیر کے مسلمان ان کی فوجی امداد تو نہ کر سکے مگر ان کی قربانیوں کے باعث ترک اپنی پہچان برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اگرچہ یونانیوں پر ترکوں کی فتح حکومت انقرہ کی قیادت میں ہوئی مگر تحریک خلافت نے برطانیہ کو یونانیوں کی مدد سے روکا جو لائیڈ جارج اور اس کے رفیق چاہتے تھے۔(۸۰) تحریک خلافت بظاہر اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکی مگر برطانوی حکومت نے یہ محسوس کر لیا کہ ان کی حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں۔ تحریک خلافت کے باعث کانگریس کو مقبولیت ملی۔ مسلمان اس میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ انتہا پسند ہندوؤں کو کانگریس سے نکال دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا انعقاد' ولایتی مال کے بائیکاٹ کا فیصلہ' مقدس مقاماتِ ایران و ترکیہ کی توہین پر احتجاج' خلافت کے بارے میں مسلمانوں کے نازک جذبات کی ترجمانی' تحریکِ خلافت' تحریک موالات ستمبر ۱۹۲۰ء' خطابات کی انگریز حکومت کو واپسی' سرکاری سکولوں سے مسلمان بچوں کا بطور احتجاج اخراج' مسلمانوں کا انگریز کی ملازمت سے انکار سب ترک مسلمانوں کے ساتھ گہرے رشتوں کی غمازی کرتا ہے۔ تحریکِ خلافت برادر اسلامی ملک کے حق میں برصغیر کے مسلمانوں کی محبت کا زبردست تاریخی ثبوت ہے۔ اس تحریک کے تحت ترکی بھیجی جانے والی مالی اعانت کا تذکرہ کرتے ہوئے نثار احمد اسرار لکھتے ہیں کہ دور برطانیہ کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۱۹۲۰ء میں ۱۸ ہزار پونڈ اور ترکی کے فوجی ریکارڈ کے مطابق دسمبر ۱۹۲۱ء سے اگست ۱۹۲۲ء کے دوران ایک لاکھ چھ ہزار چار سو پونڈ امداد ترکی کو بھیجی گئی۔(۸۱)

۱۹۲۰ء میں معتدل مزاج ہندو ارکان کانگریس سے نکل گئے تھے۔ گاندھی جی نئے نئے سیاست میں آئے تھے انھیں مقبولیت ملی اور وہ ۲۸ سال ہندوؤں اور کانگریس پر چھائے رہے۔ وہ حکومت سے سودے بازی کرتے اور ان کی حیثیت تمام طبقوں کے واحد نمائندے جیسی

ہوتی۔تحریک خلافت ہندو مسلم اتحاد کا باعث بنی مگر سول نافرمانی کی تحریک کے خاتمے نے دوبارہ ان میں دشمنی پیدا کی۔تحریک عدم تعاون کا اچانک خاتمہ مسلمانوں کی مایوسی کا سبب بنا۔نفاق کی صورتحال پیدا ہوئی اور لیڈروں پر سے اعتماد اٹھ گیا۔جو قیادت دس سال سے خون گرما رہی تھی اب دس سال کے لیے خاموش ہو گئی۔تحریک خلافت کے باعث مسلمانوں سے انگریز حکومت کا رویہ بہت سخت ہو گیا۔شفاعت احمد خاں جب ۱۹۲۷ء میں مسلم اقلیت کا کیس لے کر لندن گئے تو محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں کی تحریکِ خلافت کو نہ صرف جرم گردانتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک وہ ناقابلِ معافی جرم ہے۔(۸۲)

تحریک خلافت میں ہندو قوم بھی شریک تھی مگر انھوں نے مسلمانوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور ان کی چال سب کے سامنے واضح ہوئی۔مسلم قائدین کی شہرت کو بھی اس تحریک کی ناکامی سے بہت نقصان پہنچا۔بڑے بڑے لیڈر گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔اس تحریک سے مایوسی تو ہوئی مگر مسلمانوں نے اپنی قوت اب ایک الگ وطن کے حصول کے لیے صرف کرنے کا ارادہ کر لیا۔

برصغیر میں مکمل آزادی کا مطالبہ سب سے پہلے مسلمانوں نے کیا۔دسمبر ۱۹۲۱ء کے کانگریس کے اجلاس میں حسرت موہانی نے مکمل آزادی کی قرارداد پیش کی لیکن گاندھی نے لفظ سوراج کو مکمل آزادی کے مفہوم میں تسلیم نہ کیا جس پر حسرت موہانی نے کہا: ''مہاتما جی میں جانتا ہوں کہ آپ صرف درجہ نوآبادیات چاہتے ہیں تاکہ انگریزوں کی سنگینوں سے مسلمانوں پر حکومت کریں مگر میں مسلمانوں کو چکی کے دو پاٹوں میں پسنے نہ دوں گا''۔(۸۳)

تحریک سول نافرمانی کی قیادت گاندھی کے پاس تھی۔فروری ۱۹۲۲ء میں ضلع گورکھپور کے گاؤں چورا چوری میں پولیس اور ایک جلوس میں جھڑپ ہوئی۔پولیس کے پاس گولیاں ختم ہوئیں تو انھوں نے ایک تھانے میں پناہ لی۔تھانے کو آگ لگا دی گئی۔اس واقعہ کا سخت نوٹس لیتے ہوئے گاندھی نے کانگریس سے بھی مشورہ کیے بغیر تحریک ختم کر دی۔(۸۴)

انقرہ کو صدر مقام بنا کر ترکوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔۱۹۲۳ء میں معاہدہ لوزان طے ہوا اور ترکیہ ایک خود مختار ریاست کے طور پر آگے بڑھا۔مسلمانوں کو ایک اور بڑا دھچکا لگا جب نومبر ۱۹۲۲ء میں ترکوں نے خلافت کو ریاست سے علیحدہ کر دیا۔آغا خان اور سید امیر علی نے خلیفہ کے انتظامی اختیار کو بحال کرنے کے لیے ایک خط ترک وزیر اعظم عصمت انونو کو لکھا جو اخبار میں پہلے سے شائع ہو گیا۔ترکی نے اس اقدام کو داخلی معاملات میں مداخلت گردان کر ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کا عہدہ ختم کر دیا۔شریف مکہ نے اپنی خلافت کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی مگر عبدالعزیز نے اس کی حکومت چھین لی اور ۱۹۲۶ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔تحریک خلافت اب عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔(۸۵)

ii. اقبال اور تحریک خلافت

اقبال بعض وجوہ کی بنا پر تحریک خلافت کے حق میں نہ تھے۔ان کے نزدیک تحریک نے حصول مقصد کے لیے مناسب راہ اختیار نہیں کی تھی نیز تحریک کے فکر و عمل سے غلامانہ تصور اخلاق اور دریوزہ گری کا انداز مترشح ہوتا تھا۔(۸۶)

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی''(۸۷)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ اقبال کے لفظوں میں تحریک خلافت گویا تھی اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جا رہی تھی۔ان کے نزدیک ایسی خلافت جو مسلمانوں کے زور بازو کا نتیجہ نہ ہو بے معنی و مہمل تھی۔(۸۸)اقبال خلافت کو ایک مذہبی مسئلہ سمجھتے تھے وہ اس مسئلے کو جس حد تک اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس مضمون سے ہوتا ہے جو انھوں نے ''اسلام میں سیاست'' کے موضوع پر ۱۹۰۸ء میں انگریزی زبان میں لکھا۔(۸۹)اقبال کے مطابق خلافت ہی سیاسی نظام کی وہ اکمل صورت ہے جو دنیا کے لیے رحمت تھی چنانچہ نظم ''طلوع اسلام'' بھی ان کے اپنے جذبات کی آئینہ دار ہے۔

''ارمغانِ حجاز'' میں بھی اقبال نے خلافت کے بارے میں اپنے خیالات کو ملوکیت سے موازنے کی شکل میں پیش کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ملوکیت حرام ہے کیونکہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس کے لیے کسی خاص خطہ یا ملک کا وجود لازم نہیں۔انھوں نے کہا کہ عربوں
نے آنحضور ﷺ کی تعلیم پر عمل کر کے دنیا کو فتح کیا اور خلافت کا نظا قائم کیا جو ملت اسلامیہ کے لیے رحمت تھی مگر جب یہ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو عالمِ اسلام پھر انھی اندھیروں میں ڈوب گیا جن میں وہ اس سے پہلے تھا۔

عرب خود را بہ نور مصطفیٰ سوخت
چراغ مردہ مشرق برافروخت
و لیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت(۹۰)

اقبال دراصل اُس خلافت کے خواہش مند تھے جو صحابہ کرام نے قائم کی تاکہ مسلمان دوبارہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکیں اور گمراہی اور غلامی کے اس دور سے نجات حاصل کر کے دوبارہ امن اور سلامتی کی زندگی گزاریں:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر(۹۱)

جواہر لال نہرو نے تنسیخ خلافت کے حوالے سے ایک مضمون لکھا۔جس کا عنوان تھا ''ترکیہ اب اسلامی ملک نہیں'' جو ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔(۹۲)اقبال نے اس مضمون میں تنسیخ خلافت کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا کہ اپنی ذاتی حیثیت سے میرا یہ خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطہ نظر سرتا سر درست ہے،اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔اس لیے ایک تو جمہوری طرزِ حکومت اسلام کی رُوح کے عین مطابق ہے۔ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرزِ حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔اسی طرح علامہ اقبال نے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' سے ایک اقتباس بھی پیش کیا جس میں انھوں نے ابن خلدون کی رائے سے اتفاق کیا کہ وقت واحد میں ایک سے زیادہ خلفاء نہیں ہو سکتے۔(۹۳)

اقبال کے نظریات وخیالات کے مطابق عالم اسلام کے لیے ایک واحد خلیفہ کا ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ جہاں اور جس خطہ میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے موجود ہوں وہاں جمہوری حکومت کا ہونا بھی ضروری ہے جو اسلام کے روشن اصولوں پر قائم ہو۔ چنانچہ جب ترکیہ میں خلافت کا خاتمہ ہوا تو اقبال نے اس پر شدید ردِّعمل ظاہر نہ کیا بلکہ اتاترک کی کوششوں پر خوشی کا اظہار کیا (۹۴)۔ ہندوستان میں اقبال کے علاوہ خدا بخش اور مولوی برکت اللہ بھوپالی، سیٹھ چھوٹانی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر عبداللہ سہروردی کا طرزِ عمل بھی اسی طرح کا تھا۔

جمہوریت کے اسلامی تصور کی تشریح کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ جمہوریہ اسلامیہ کی بنیاد شریعت حقہ کے نزدیک ایک مطلق و آزاد مساوات پر قائم ہے۔ شریعت کے نزدیک کوئی گروہ، کوئی ملک، کوئی زمانہ فائق اور مرجع نہیں، اسلام میں کوئی مذہبی پیشوائی حیثیت نہیں، ذات پات یا نسل وطن کا امتیاز نہیں۔ (۹۵) اسلامی جمہوریت کی بنیاد انسانی مساوات پر قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تمنیخ خلافت پر شدید ردِّ عمل کا اظہار نہ کیا بلکہ وہ اتاترک کی کوششوں کو سراہتے رہے۔ ایک نظم جو" پیامِ مشرق" میں شامل ہے اقبال نے اتاترک کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے نام کے ساتھ "ایداللہ بنصر العزیز" کا اضافہ کیا تھا۔ اقبال نے اتاترک کی جوانمردی کی تعریف کی:۔

اے بسا صید کہ بے دام بفتراک زدیم
در بغل تیر و کماں کشتۂ نخچیر شدیم (۹۶)

اسی طرح اگست ۱۹۲۲ء میں جب انھیں خبر ملی کہ اتاترک نے یونانیوں کو تھریس اور قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا ہے تو اقبال نے ایک مادۂ تاریخ لکھ کر گرامی کو بھیجا تھا:۔

شاخ ابراہیم رانم مصطفیٰ
سال فتحش اسم اعظم مصطفیٰ (۹۷)

جہاں تک ترکیہ کے انقلاب کے بعد رونما ہونے والی سیاسی، مذہبی تبدیلیوں کا تعلق ہے وہ اقبال کے لیے غیر متوقع نہ تھی لیکن جب ترکوں نے یہ نعرہ لگایا کہ "ترکیہ ترکوں کے لیے ہے" اور یورپ کے قدیم اصول اختیار کیے اور وطنیت پرستی اختیار کی تو اقبال نے اس کی مخالفت کی وہ کہتے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے (۹۸)

انھوں نے اس بات کی تلقین کی کہ دوسروں کی تقلید کرنے کی بجائے اپنے مذہب اسلام کے اصولوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ وہ چاہتے تھے کہ ترکیہ یا تورانی انھیں اپنی دنیا آپ پیدا کرنی ہے تو وہ دوسروں کی تقلید نہ کریں بلکہ اپنی کوششوں سے اپنی دنیا پیدا کریں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی (۹۹)

اور اسی تقلید کی وجہ سے اُن کے خیال میں اتاترک اور رضا شاہ دونوں میں اس رہبر کاملہ کی صفات نہیں جو مغرب کے سامراج سے مشرق کو نجات دلا سکے۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی (۱۰۰)

اور جب انھوں نے دیکھا کہ اتاترک نئی ریاست کی بنیاد مذہب اسلام کے روشن اصولوں پر رکھنے کی بجائے لادینیت پر رکھ رہے ہیں تو انھوں نے اپنے تاسف کا اظہار اس طرح سے کیا:۔

اُمت بود کہ ماز اثر حکمتِ او
واقف از سر نہانخانۂ تقدیر شدیم
اصل مالک شرر باختہ رنگے بوز است
نظر کرد کہ خورشیدِ جہانگیر شدیم(۱۰۱)

اقبال کے خیال میں ترکیہ کے انقلاب کی اصل وجہ مغرب پرستی یعنی وطن پرستی کا ایک نتیجہ بھی تھی۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ(۱۰۲)

علامہ اقبال ایک مفکر اور مدبر تھے اُن کی شاعری اور مضامین کا بنیادی جز وخودداری اور اُمید تھا لہٰذا وہ ترکوں کے مستقبل سے بھی نا اُمید نہیں تھے اپنے ایک مکتوب میں، جو مسعود عالم ندوی کے نام ہے، لکھتے ہیں:

ترکوں کے متعلق مایوس نہ ہونا چاہیے ان کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ ہیں،" یہ الحاد کی ہوا آئی ہے، کچھ دن بعد نکل جائے گی، جو کچھ ہوا جذبہ وطن پرستی بلکہ توران پرستی کا نتیجہ تھا۔۔۔"(۱۰۳)

وہ مزید کہتے ہیں کہ ترکیہ میں مغرب پرستی بہت ہے اور یہاں افرنگ زدہ لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔اس وطن پرستی اور مغرب پرستی کی تحریک کی راہنمائی اتاترک نے کی، لیکن عالم اسلام بالخصوص عرب دنیا میں یہ جذبات بہت پہلے پرورش پا رہے تھے۔چنانچہ جب قسطنطنیہ یونیورسٹی میں مطالعہ اسلامیات کا شعبہ قائم ہوا تو آپ نے، دینیات کے پروفیسر خالد خلیل کے نام ایک طویل مکتوب میں لکھا:

"اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اغلباً ایسے انکشافات بروئے کار آئیں گے جن سے دنیائے اسلام کی بابت ترکوں کا دائرہ نظر وسیع ہو جائے گا اور اس طرح سے ممکن ہے کہ نوخیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین محکم تر ہو جائے۔(۱۰۴)

اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے وہ مسلمان علماء کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ" ترکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و مامون کر لینا چاہیے"۔(۱۰۵)

نہرو کے اس خیال پر کہ" ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا" اقبال نے اس خیال کی شدید طریقے سے مذمت کی اور اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کوئی شخص دو بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہو یعنی ایک توحید اور ختم نبوت، تو ایک راسخ العقیدہ مُلا بھی اُسے ایمان سے خارج قرار نہیں دے سکتا خواہ وہ فقہ اور شریعت پر پابند نہ ہو اور غلطیاں کرے۔اقبال نے نہرو کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے بہت سے نکات بیان کئے اور بڑے ہی مدبرانہ انداز میں مفصل طریقے سے اتاترک اور اس کی نافذ کی گئی اصلاحات کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ اسلام میں لباس اور رسم الخط کی تبدیلی کی ممانعت نہیں بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ جوں جوں اسلام مختلف خطوں میں روشنی بن کر پھیلا تو انھوں نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور وہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اپنی تہذیب کے مطابق لباس پہنتے رہے ہیں۔آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ" کیا کثرت ازدواج کی ممانعت اور علماء پر" اجازت نامہ" حاصل کرنے کی قید عالم اسلام کے منافی نہیں ہے"۔وہ کہتے ہیں کہ" آج عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ افسانہ تراش مُلا اور عالموں کی وجہ سے ہے۔میرا بس چلے تو میں اس

قانون کو ہند میں بھی نافذ کر دوں'' اور اس اہم سوال پر کہ کیا تنسیخ خلافت یا مذہب و سلطنت کی علیحدگی منافی اسلام ہے؟ اقبال نے اس کا جواب بڑے ہی موثر انداز میں پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اسلام اپنی روح کے لحاظ سے شہنشاہیت نہیں اور موجودہ خلافت وہ خلافت نہیں جو صحابہؓ نے قائم کی بلکہ بنوامیہ کے دور سے یہ ایک سلطنت بن گئی تھی لہٰذا مذہب و سلطنت کی علیحدگی یا خلافت کا ختم کرنا منافی اسلام نہیں ہے''۔(۱۰۶)

ریاست کے مذہبی و سیاسی کاموں کی تقسیم کے اسلامی تصور کو کلیسا اور سلطنت کے مغربی تصور سے نہیں ملانا چاہیے۔ مسیحیت کا آغاز رہبانیت سے ہوتا ہے جو دنیا سے لاتعلق ہونے کا درس دیتے ہیں جبکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دین و دنیا دونوں کی کامرانی و فلاح کے لیے اصول متعین کرتا ہے اس کی بنیاد معاشرے کی فلاح پر استوار کی گئی ہے۔ اگر چہ ان کا ماخذ الہامی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی تجربے کی تاریخ میں مذہب و سلطنت کی علیحدگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے قوانین انسانیت کی فلاح سے بے تعلق ہو جائیں جو صدیوں سے اسلامی روحانیت کے زیر اثر پرورش پا رہے ہیں۔ ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ان برائیوں سے پاک رہے گا جو امریکہ اور یورپ میں پیدا ہوگئی ہیں۔

نہرو کے اس سوال کے جواب میں، کہ اتاترک نے نسلی اور قومی نصب العین اختیار کر لیا ہے، اقبال لکھتے ہیں کہ اتاترک اتحاد تورانیت سے متاثر ہے تو وہ رُوح اسلام کے اس قدر خلاف نہیں جس قدر روح عصر کے خلاف ہے۔ اگر وہ نسلوں کے وجود کو ضروری خیال کرتے ہیں تو ان کو عصر جدید کی روح شکست دے گی اور عصر جدید کی روح اسلام کے عین مطابق ہے۔ اقبال کا خیال راسخ تھا کہ ''اتاترک تورانیت سے متاثر نہیں ہیں۔ ان کا یہ اتحاد تورانیت ایک سیاسی جواب ہے اتحاد اسلام یا اتحاد المانویت یا اتحاد اینگلوسکسن کا''(۱۰۷)

علامہ اقبال کے نظریات، جذبات و خیالات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ وہ آزادی اور حریت کی قدر کرنے والے اور آزادی کی جنگ لڑنے والوں کی جوانمردی کو خراج تحسین پیش کرنے والے ایک مدبّر شاعر تھے مگر وہ ایک زبردست سیاستدان اور وکیل بھی تھے انھوں نے اتاترک کی جوانمردی کی تعریف کی مگر وہ اسلام کو پوری کائنات کی بھلائی اور ترقی کے لیے بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت سے ایک روشن دلیل کے طور پر مانتے تھے۔ لہٰذا جب اتاترک نے تنسیخ خلافت کی اور اسلام کو آئین سے خارج کر کے لادینیت اختیار کی تو آپ نے بے اختیار اس کے لیے تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ مسلمانوں کو جبر و استبداد کے اس دور سے آزاد کروا سکے۔ خیر وہ ترکی کے اس انقلاب اور تبدیلیوں سے مایوس بھی نہیں ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی قوم جبر و استبداد سے آزاد ہوتی ہے تو وہ بعض دفعہ غلط قوانین کی پیروکار ہو جاتی ہے مگر یہ غلطیاں قابلِ معافی ہیں۔

علامہ اقبال اور جدید ترکیہ کے بانی کمال اتاترک کے خیالات یا منزل مقصود میں کوئی اتنا زیادہ بعد نہ تھا۔ بلکہ اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق دونوں ہی مظلوم مسلمانوں کی آزادی و فلاح کے علمبردار تھے چنانچہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار 'اقبال اور ترک رہنماؤں' خصوصاً اتاترک کے مابین فکری و ذہنی روابط اور مشترک احساسات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جدید جمہوریہ ترکیہ کے بانی کمال اتاترک اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تصور کے خالق اقبال دونوں کی منزل نصب العینی اعتبار سے ایک ہی تھی۔ مگر راہوں کے کچھ اختلافات تھے جن سے شکوے بھی پیدا ہوئے۔ تاہم یہ شکوے وقتی اور عارضی تھے۔ قوموں کی زندگی میں ان کی حیثیت فروعی واقعات کی ہوتی ہے۔ اصل چیز منزل مقصود ہے جس تک پہنچنے کے لیے ذہنی و جذباتی مفاہمت اور جذبہ اخوت و محبت کی ضرورت مقدم ہے جس تک پہنچنے کے لیے ذہنی و جذباتی مفاہمت اور جذبہ اخوت و محبت کی ضرورت مقدم ہے اور اس کی اساسی قدریں بہر کیف ہمیشہ غیر متزلزل رہیں۔''(۱۰۸)

(د) اقبال اور ترکیہ

سلطنت عثمانیہ انیسویں صدی کے اختتام تک تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی طاقتور سلطنت تھی۔ سلطان ترکیہ پورے عالم اسلام کا خلیفہ ہوتا تھا۔ اس کا نام خطبہ جمعہ میں لے کر اس کے لیے دعا کی جاتی تھی۔ لہٰذا ترکیہ سے محبت ہر مسلمان کے عقیدے میں شامل تھی۔ مگر بدقسمتی سے بیسویں صدی کے آغاز میں ترکیہ سمیت عالم اسلام کی سیاسی وسماجی حالت نہایت ابتر ہو چکی تھی۔ سلطنت عثمانیہ زوال کا شکار تھی جسے مغربی استعماری قوتوں کی ہوس ملک گیری اور توسیع پسندی نے تیز تر کر دیا تھا۔ لیکن علامہ محمد اقبال نے مایوسیوں اور ناامیدیوں کے اس تاریک دور میں بھی ترکوں کی بہادری اور آزادی کی تڑپ میں امید کی کرن پھوٹتی دیکھی۔ ترکوں نے اتاترک کی قیادت میں استعماری قوتوں کے اس بڑھتے ہوئے ریلے کو روک کر، اپنی آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے بہادری کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔

اقبال کی فکر اور شاعری کا مدار حریت پر ہے اس لئے انھیں ہمیشہ آزاد ترک قوم سے عقیدت کی حد تک محبت رہی ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں ان کے کلام میں ترکوں یا ترکیہ کا ذکر آتا ہے اس کے ساتھ حر، محتشم، رعنا اور محنت کوش جیسی صفات بھی نظر آتی ہیں۔ ضرب کلیم میں اقبال کی نظم ''غلاموں کی نماز'' میں ایک ترک مجاہد کے سوال ''تمہارے امام اتنے لمبے سجدے کیوں کرتے ہیں''؟ کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ سوال کرنے والا ایک سیدھا سادہ مجاہد اور آزاد مومن تھا، اسے کیا معلوم غلام کی نماز کیا چیز ہوتی ہے؟ آزاد مردوں کو دنیا میں اپنی قوم کے بچاؤ اور ترقی کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل رہنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس غلام کے جسم میں عمل کی تڑپ مفقود ہوتی ہے۔ اس کے دن رات یکساں اور حرکت سے خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کا سجدوں کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس نظم کے آخری شعر میں علامہ اقبال دعا گو ہیں کہ خدا ہندوستان کے امام کو وہ سجدہ نصیب کرے جس میں قوم کے لیے زندگی اور جدوجہد کا پیغام ہو۔ اس نظم میں مردان حر کا لفظ قابل غور ہے۔

ہزار کام ہیں مردانِ حر کو دنیا میں
انھیں کے ذوق عمل سے ہیں امتوں کے نظام
بدن غلام کا سوز عمل سے ہے محروم
کہ ہے مرور ہے غلاموں کے روز و شب پہ حرام!
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور ہے کیا کام!
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!(۱۰۹)

اقبال نے مشرق ومغرب کے علم وحکمت سے استفادہ کیا تھا، دین، تاریخ، فلسفہ نے انھیں بصیرت عطا کی تھی لہٰذا وہ مسلمانوں کے سیاسی وفکری مسائل بخوبی سمجھتے تھے اور ان پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ خصوصاً عالم اسلام اور ترکیہ کی سیاسی جدوجہد آزادی ان سے پوشیدہ نہ تھی:

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز(۱۱۰)

۱۹۱۲ء میں اٹلی نے سلطنت عثمانیہ کے ایک صوبے طرابلس پر حملہ کر دیا (یہ علاقہ اب لیبیا میں شامل ہے)۔ ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان

دراصل عثمانی سلطنت کے مقبوضہ یورپی علاقوں کی خاطر بلقان جزیرہ نما ملکوں کے درمیان لڑی گئی۔اس جنگ میں ترکوں کی ہزیمت نے اقبال جیسے حساس شاعر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ان جنگوں کے المناک واقعات سے متاثر ہو کر اقبال کے قلم سے وہ لافانی شعر نکلے جنھیں سن کر ترک کیا ،سارے عالم اسلام کی آنکھیں نم آلود ہو گئی تھیں۔اقبال اپنی نظم ''حضور رسالت مآب میں'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر کہ دنیا سے میرے لیے کیا لائے ہو،ان کے حضور طرابلس کے شہیدوں کا لہو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں ''حضور آپ کی خدمت میں ایسا آبگینہ لایا ہوں جو گرانقدر ہے اور جنت میں بھی نہیں مل سکتا۔یہ نایاب شئے طرابلس کے شہیدوں کا لہو ہے۔جس سے آپ کی اور آپ کی امت کی آبرو اور توقیر جھلکتی ہے''۔ان اشعار میں موجود جذبہ اور فخر دیکھنے کے قابل ہے:

''حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں''(۱۱۱)

غم والم کی تاریک فضا میں اقبال نے ''شکوہ'' ''جواب شکوہ'' اور ''شمع اور شاعر'' جیسی کئی یادگار نظمیں لکھیں جن میں اپنے ترک بھائیوں کے احساسات و جذبات کی خوب خوب عکاسی کی۔وہ ان تمام مصائب واقعات پر اشکبار ہی نہ تھے بلکہ امید کے پیامبر کی حیثیت سے انھوں نے ملت اسلامیہ کو روشن مستقبل کا مژدہ بھی سنایا۔بلقانی جارحیت کے حوالے سے ''جواب شکوہ'' میں لکھتے ہیں:

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے، یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خود داری کا
کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے(۱۱۲)

اقبال نے ایک نظم ''محاصرۂ ادرنہ'' ترک فوجوں کے اعلیٰ کردار کی تعریف اور تحسین میں لکھی ہے۔جب بلغاریہ نے ادرنہ پر حملہ کر دیا تو ایک نامور ترک جرنیل شکری پاشا (پیدائش ۱۸۵۴ء) نے بڑی استقامت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔فوج کے پاس رسد و کمک کی کمی ہونے پر انھوں نے شہریوں کے راشن پر جنگی قوانین کے تحت قبضہ کرنا شروع کر دیا۔مگر جب شہر کے مفتی کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے آزمائش کے اس وقت یعنی محاصرے کی حالت میں بھی عسکری منشاء اور مصلحت کے خلاف فتویٰ جاری کیا کہ اسلامی آئین

کی رو سے غیر مسلموں کا مال چھین کر استعمال کرنا مسلمانوں پر حرام ہے۔ اس فیصلے کا علم ترک فوجیوں کو ہوا تو انھوں نے حکم خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کے مال و متاع کو ہاتھ تک لگانے سے انکار کر دیا۔

آخر امیرِ عسکرِ ترکی کے حکم سے
"آئینِ جنگ" شہر کا دستور ہو گیا
ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل
شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا
لیکن فقیہِ شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثلِ صاعقۂ طور ہو گیا
"ذمّی کا مال لشکرِ مسلم پہ ہے حرام"
فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا(۱۱۳)

پہلی جنگ عظیم میں ترکیہ نے اتحادیوں کے مقابلے میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ اس جنگ میں جرمنی کی شکست کے ساتھ ہی ترکیہ کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اتحادی فوجیں استنبول میں داخل ہو کر ترکیہ کے حصے بخرے کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ترکیہ اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح غلامی کا طوق اس کی گردن میں بھی رکھا جانے والا تھا۔ ترکیہ کا سلطان معاہدہ سیورے کے بعد محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا اور ترکیہ کو "یورپ کا مرد بیمار" کہا جا رہا تھا۔ اقبال نے اسی صورت حال کو "پیام مشرق" میں یوں بیان کیا ہے:۔

آلِ عثمان در شکنجِ روزگار
مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار(۱۱۴)

یعنی ترک زمانہ کے شکنجے میں گرفتار ہیں، ان کے لہو سے مشرق اور مغرب کے ملک لالہ زار بنے ہوئے ہیں یعنی ترکوں نے سلطنت عثمانیہ کو قائم کرنے کے لیے اپنا خون بہایا اور آخر میں اس کو بچانے کے لیے خون دے رہے ہیں۔ اسی دور میں انگریزوں نے سیاسی چالبازی و مکاری سے عربوں کو آزادی کا جھانسہ دے کر گورنر حجاز کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اقبال نے شریف مکہ کے اس فعل کو سخت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش!(۱۱۵)

ترکوں کی اس وقت کی حالت زار اقبال "خضر راہ" کے ان اشعار میں پیش کرتے ہیں:

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز(۱۱۶)

اسی زمانے میں برصغیر پاک و ہند میں دولت عثمانیہ کی سلامتی، ادارہ خلافت کی بحالی اور ترکوں کی آزادی کے حق میں ایک بھرپور تحریک چلائی گئی جو تحریک خلافت کے نام سے معروف ہے۔ اقبال بعض وجوہ کی بناء پر اس تحریک کے حق میں نہ تھے۔ ان کے

نزدیک تحریک نے حصول مقصد کے لیے مناسب راہ اختیار نہیں کی تھی۔ ان کے مطابق تحریک میں حکومت برطانیہ کو ترکی کے بارے میں اپنے مذموم مقاصد سے دستبردار کرنے کے لیے مطلوبہ قوت نہ تھی نیز تحریک کے انداز فکر و عمل سے تصور غلامی اور دریوزہ گری کا انداز مترشح ہوتا تھا۔ (۱۱۷) ڈاکٹر فرمان فتح پوری اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقبال کے الفاظ میں تحریک خلافت کیا تھی۔ اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جارہی تھی۔ ان کے نزدیک ایسی خلافت مسلمانوں کے زور بازو کا نتیجہ نہ ہونے سے معنی و مہمل ہے۔'' (۱۱۸)

اقبال اس بات کو اپنی نظم ''دریوزۂ خلافت'' میں بھی بیان کرتے ہیں:

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی!
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا ؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی!
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی!
''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی'' (۱۱۹)

جب مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۳ء میں خلافت کو ختم کر کے جمہوریت کا اعلان کیا تو اقبال نے اتاترک کے اس عمل کو خلافت کے سلسلے میں اجتہادی عمل قرار دیا اور کہا کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کو امت مسلمہ کو واپس دلوا دیا۔ گویا خلافت جو شوریٰ کا حق ہے اس کو لوٹا دیا۔ (۱۲۰) کیونکہ علامہ اقبال کے نزدیک ترک خلافت ملوکیت کی ہی ایک شکل تھی اور اتاترک نے اسے ختم کر کے گویا اسے حقیقی خلافت یعنی شوریٰ کا حق مسلمانوں کا لوٹا دیا ہے۔ ترکوں کی اس ذہنی تبدیلی کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا:

''یہ ترک ہیں جو امم اسلامیہ میں قدامت پرستی کے خواب سے بیدار ہو کر شعور ذات کی نعمت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ صرف ترک ہیں جنہوں نے ذہنی آزادی طلب کی ہے اور جو خیالی دنیا سے نکل کر اب عالم حقیقت میں آگئے ہیں۔'' (۱۲۱)

اقبال کی نظم ''طلوع اسلام'' تمام و کمال ترکوں اور ان کے عظیم رہنما مصطفیٰ کمال پاشا کی تاریخی جدوجہد سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ اس نظم کا تاثر پرامید اور والہانہ ہے۔ اس میں افسردگی یا زوال کا نوحہ نہیں بلکہ ایک نئے دور کے آغاز کی نوید ہے۔ اس نئے دور کا آغاز ترکوں کے ہاں یونانیوں کو شکست دے کر سمرنا آزاد کرانے سے ہوا۔ اسی حوالے سے فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں کہ ۱۹۲۲ء میں جب مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکیہ کو انگریزوں کے پنجے سے بزور شمشیر آزاد کرا لیا اور برطانوی افواج کو قسطنطنیہ سے نکلنا پڑا تو اقبال کے قومی جذبات میں وفور مسرت سے طوفان آگیا اور اس کے نتیجے میں ان کی وہ طویل اور مشہور نظم وجود میں آئی جو ''طلوع اسلام'' کے نام سے بانگ درا میں شامل ہے۔ نظم کیا ہے، انگریزوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا جشن منظوم ہے۔ (۱۲۲)

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی!(۱۲۳)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ''طلوعِ اسلام'' کے حوالے سے لکھتے ہیں ترکان احرار کی شاندار فتح نے ''طلوعِ اسلام'' کا ایک نیا دلکش منظر شاعر کی نگاہ کے سامنے پیش کر دیا۔(۱۲۴) یہ تمام تر نظم ترکوں کی اسی عظیم الشان فتح کے مختلف پہلو لیے ہوئے ہے۔اس کے اشعار واقعاتی پس منظر کے حوالے سے نہایت بصیرت افروز ہیں:

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!(۱۲۵)

کچھ اشعار یوں ہیں۔

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے!
ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
غبارِ رہگزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے!
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بےخبر نکلے!(۱۲۶)

اور جب علامہ اقبال نے یہ شعر کہا:

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی(۱۲۷)

تو گویا انھوں نے ترک قوم کی بہادری اور شاندار فتوحات کی ساری تاریخ رقم کر دی۔جرمن قوم شکست سے دوچار ہوئی اور ہمت ہار بیٹھی لیکن ترکوں نے ناساعد حالات اور بے یار و مددگار ہونے کے باجود درہ دانیال اور گیلی پولی کے معرکوں میں شاندار فتح حاصل کی۔اسی نظم میں اقبال نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!(۱۲۸)

پیامِ مشرق کی نظم ''خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ'' میں ترکان احرار اور یورپ کی باہمی کشمکش کو چراغِ مصطفوی ﷺ اور شرارِ بولہبی کی ازلی و ابدی آویزش کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور حق کی سربلندی کی خاطر قربانیاں دینے والی ترک قوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

نہالِ ترک ز برقِ فرنگ بار آورد
ظہورِ مصطفویؐ را بہانہ بولہبی است(۱۲۹)

یہ نظم جولائی ۱۹۲۲ء میں لکھی گئی۔ اس وقت سقاریہ کی جنگ کا پانسا ترکوں کے حق میں پلٹ چکا تھا اور اب ترک افواج دفاع کی بجائے پیش قدمی کر رہی تھیں۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترکوں کی فتح مند فوج ازمیر میں داخل ہو رہی تھی (۱۳۰)۔ اسی نظم کے شروع میں اقبال مسلمانوں کے عروج اور زوال کے اسباب کی نشان دہی بڑے ایمان افروز انداز میں کرتے ہیں اور نظم کے آخری دو شعروں میں مصطفیٰ کمال پاشا کے نام بصیرت افروز پیغام سے ترکوں کا دل بھی بڑھاتے ہیں:

اے بسا صید کہ بے دامِ بفتراک زدیم
در بغل تیر و کماں، کشتۂ نخچیر شدیم!
''ہر کجا راہ دہد اسپ براں تاز کہ ما
بارہا مات دریں عرصہ بتدبیر شدیم''(۱۳۱)

جب جدید ترکیہ کی حکومت قائم ہوئی اور اس میں سیکولر سیاسی نظام نافذ کیا گیا۔ چنانچہ ترکی زبان کے لیے لاطینی رسم الخط سیکولرازم اور مغربی اقوام کے قریب تر ہونے کے لیے اپنائے گئے۔ غرضیکہ ایک انگریز مورخ آرمسٹرانگ کے بقول اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا (۱۳۲)۔ علامہ اقبال نے اس اقدام سے شدید اختلاف کرتے ہوئے لکھا:

ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبخونے؟
صد شہر تمنا را یغما زدہ ترکانہ!(۱۳۳)

دراصل اقبال کو اپنی گہری الفت اور لگاؤ کے باعث احیائے عالم اسلام کے لیے ترکوں سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ مذکورہ بالا اقدامات نے ان کی توقعات پر پانی پھیر دیا:

سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترکِ عثمانی
سُنائے کون اسے اقبال کا یہ شعرِ غریب!
سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب!(۱۳۴)

اقبال مزید کہتے ہیں:

اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ(۱۳۵)

ترکیہ کی مذہب اور مشرق سے قطع تعلقی کی پالیسی اقبال کے ذہن میں بار بار کھٹکتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ روش ترکوں کے لیے خرابی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں لائے گی۔ انھوں نے جدید جمہوریہ ترکیہ کے بانی کی اس جدت پسندانہ زندقہ کو اپنے مخصوص فکری زاویہ نظر سے دیکھا اور ''جاوید نامہ'' میں ''فلک عطارد'' پر حلیم سعید پاشا کی زبان سے مصطفیٰ کمال پاشا کی جدت پسندی اور اصلاحات جدیدہ کے روپ میں تقلید مغرب پر تنقید کی:

مصطفیٰ کہ از تجدّد می سرود
گفت نقشِ کہنہ را باید زدود

نو گردو کعبہ را رختِ حیات
گرز افرنگ آیدش لات و منات
تُرک را آہنگِ نودر چنگ نیست
تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست(۱۳۶)

۱۵ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لاہور میں سر مائیکل اوڈائر کی صدارت میں منعقد ہونے والے جلسہ فتح میں اقبال بھی شریک ہوئے پڑا اس حوالے سے ایک دوست کے نام خط میں اقبال نے لکھا کہ پولیٹیکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اس جلسے میں اس واسطے شریک ہوا کہ اس میں ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا۔ (۱۳۷) اقبال نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے ایک جلسہ عام میں (جس کی صدارت میاں فضل حسین نے کی) نمایاں حصہ لیا اور یہ قرارداد پیش کی۔

مسلمانان لاہور اس جلسے میں اس عظیم پریشانی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں جو پیرس کی صلح کانفرنس میں اب تک سلطنت عثمانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق قابل اطمینان فیصلہ نہ ہونے سے لاحق ہوئی ہے اور حکومت کو وہ وعدے یاد دلاتے ہیں جو مسٹر لائیڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ نے جنوری ۱۹۱۸ء میں تمام اسلامی دنیا سے سلطنت ترکیہ کے متعلق کیے تھے۔ پیرس کی صلح کانفرنس کو ان اصولوں کی توجہ دلاتے ہیں جو (امریکی) پریذیڈنٹ ولسن نے اپنے اعلانات میں قائم کیے تھے اور جن کی بنا پر اس عظیم الشان جنگ کا خاتمہ کیا گیا اور اس بات پر اصرار کیا گیا کہ ہم تمام درخواست کرتے ہیں کہ جن اصولوں پر اتحادیوں نے اپنی عیسائی سلطنتوں سے قرارداد کی ہے انہی اصولوں پر مسلمان سلطنتوں سے بھی صلح سرانجام پانی چاہیے اور سلطنت عثمانیہ کے کسی حصے پر صراحتاً یا اشارتاً دوسری کسی سلطنت کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔ (۱۳۸)

اقبال نے اس قرارداد کے حق میں پر جوش تقریر بھی کی۔ قصہ مختصر اقبال کی شعری تخلیقات، اُن کے خطوط، اُن کے مقالے اور ان کی تقاریر میں جہاں بھی ترکوں یا سلطنت عثمانیہ کا ذکر ہے، وہاں بحیثیت مسلمان سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے لیے اقبال کے دل میں موجود ہمدردانہ جذبات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں کئی معروف ترک شخصیات مثلاً سلیمانِ اعظم، سلطان محمد فاتح، سلطان مراد، سلطان عبدالمجید، سلطان عبدالعزیز، سلطان عبدالحمید، کے علاوہ ترک دانشور مولانا جلال الدین رومی، سید حلیم پاشا، ضیاء گوک آلپ اور کمال اتاترک کا ذکر کیا ہے۔

(ر) اقبال اور مشاہیر ترکیہ

i. علامہ اقبال اور مولانا رومی

فارسی کے عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی فرزند سلطان العلماء بہاء الدین محمد بن حسین الخطیبی ۶۰۴ھ میں بلخ (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد بن حسین ملقب بہ بہاؤالدین حسب روایت علاء الدین خوارزم شاہ کے داماد تھے۔ اپنے زمانے میں بڑے عارفوں اور علماء میں شمار ہوتے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ مجبوراً آپ نے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور اپنے صاحبزادے جلال الدین کے ساتھ بغداد کے راستے حج بیت اللہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کی تصنیف کی ہوئی مثنوی کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ سفر فتنۂ منگول کے ظہور کے وقت اختیار کیا گیا تھا۔

مولانا بہاء الدین نے بلخ سے ہجرت کی تو جلال الدین زندگی کی چودہ بہاریں دیکھ چکے تھے۔ مولانا بہاء الدین نے نیشاپور میں شیخ فریدالدین عطار کی زیارت کی، انھوں نے جلال الدین کو اپنے سینے سے لگایا، دعا دی اور انھیں مثنوی ''اسرار نامہ'' تحفتاً عطا کی (۱۳۹)۔ پھر آپ بغداد گئے اور حج وزیارت کرنے کے بعد ترکیہ کے شہر ملاطیہ پہنچے اور اس شہر میں چار سال سکونت اختیار کیے رکھی۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین کیقباد (۶۱۷ـ۶۳۴ھ) کی دعوت پر اس کے پایۂ تخت قونیہ پہنچ (۱۴۰) اور وہاں سلطان عالم بہاء الدین جو علوم ظاہری وباطنی میں بلند مقام رکھتے تھے درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مصروف ہوگئے۔ علاء الدین کیقباد آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ بہاء الدین نے جمعہ کے روز ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کو وفات پائی۔ (۱۴۱)

مولانا جلال الدین نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ ان کی وفات کے ایک سال بعد (جو ۶۲۸ میں واقع ہوئی) سید برہان الدین محقق ترمذی جو بہاء الدین ولد کے شاگرد تھے اور اولیاء اہل طریقت میں شمار کیے جاتے ہیں، قونیہ آئے۔ جلال الدین نے ان سے نو سال تک اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد سیاحت اور اصحاب طریقت سے مستفیض ہونے کے لیے شام کا سفر اختیار کیا۔ عرصے تک حلب اور دمشق میں منزلیں طے کرنے کے بعد قونیہ لوٹے۔ یہاں آپ سلطان کے حکم پر اپنے والد کی طرح علوم شرعی کی تعلیم وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ وہ اپنے مبارک کام میں مشغول تھے کہ گردش روزگار کی وجہ سے شمس الدین بن علی بن ملک داد تبریزی سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ اس ملاقات نے مولانا جلال الدین کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ شمس تبریزی ایک جلالی وجمالی صوفی تھے۔

مولانا جلال الدین رومی نے اپنے مرشد سے کسب فیض کرکے صوفیاء میں بلند مقام حاصل کرلیا۔ تصوف کے علاوہ آپ نے نثر اور نظم میں بھی کمال حاصل کرلیا۔ ''مثنوی معنوی'' جلال الدین کے افکار کا گراں بہا ثمرہ اور ان کے اشعار کا بہترین مجموعہ ہے بلکہ یہ فارسی زبان میں تصوف کا مکمل ترین دیوان ہے۔ اس میں چھ دفتر ہیں اور اشعار کی تعداد چھبیس ہزار ہے۔ جو بحر رمل میں کہے گئے ہیں۔ (۱۴۲)

مثنوی کے علاوہ مولانا رومی کی اہم تصانیف میں غزلیات کا مجموعہ شامل ہے جو ''دیوان شمس تبریزی'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ (۱۴۳) مثنوی اور دیوان کے علاوہ مولانا کی ایک کتاب نثر میں ''فیہ مافیہ'' کے نام سے بھی موجود ہے۔ یہ مولانا کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ مولانا نے ۶۷۲ھ میں قونیہ میں ہی وفات پائی اور اپنے والد کے اس مقبرے میں دفن ہوئے جو بادشاہ وقت کے حکم سے تیار کیا گیا

تھا۔(۱۴۴)۔ایک ایسی ہستی ہے جو اقبال اور ترکیہ کے باہمی رشتہ محبت و اشتراک کی ضامن ہے، وہ مولانا جلال الدین رومی کی ذات گرامی ہے۔مولانا اقبال کے رہنما اور مرشد ہیں جن کا ذکر کلام اقبال میں جا بجا ملتا ہے۔یہ ذکر محض ذاتی ارادت کے طور پر نہیں بلکہ فکری راہنمائی کے اعتراف کے طور پر ہے۔اس لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے فکر اقبال کے ماخذ کے طور پر رومی کو سنگ بنیاد کی حیثیت دی ہے(۱۴۵)۔اقبال برملا اور بار بار رومی کے فیضان کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا معنوی مرید قرار دیتے ہیں۔مولانا رومی کو انھوں نے پیر حق، مرشد، پیر رومی کی صفات کے ساتھ یاد کیا ہے:

پیر رومی خاک را اکسیر کرد

از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد(۱۴۶)

علامہ اقبال کو رومی کی مثنوی بڑی پسند تھی۔مولانا رومی خود اپنی مثنوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہست قرآن در زبان پہلوی

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب(۱۴۷)

علامہ کو مولانا روم کی مثنوی سے قرآن ہی کی وجہ سے حد درجہ عقیدت تھی۔ان کا خیال تھا کہ اگر اس مثنوی کے مطالعہ سے گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہئے۔شوق خود مرشد ہے۔علامہ کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھوں نے کتابوں کا مطالعہ ترک کیا اور اگر وہ کبھی کبھار پڑھتے تو صرف قرآن مجید یا مولانا کی مثنوی۔کلام اقبال میں اس مثنوی کے اثرات نمایاں ہیں۔(۱۴۸) علامہ اور مولانا رومی کے بارے میں فقیر سید وحیدالدین لکھتے ہیں:

''...........اگلی صبح عمداً دیر سے پہنچا۔کوئی گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔اقبال کو دیکھا تو ان کی عجیب کیفیت تھی۔رنگ زرد اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔تفکر اور اضطراب کا یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی سانحہ گزر گیا ہو۔میں نے پوچھا خیر تو ہے؟ کہنے لگے فقیر میرے قریب آکر بیٹھو تو کہوں۔آج صبح میں یہیں بیٹھا تھا کہ علی بخش نے آکے اطلاع دی کہ کوئی درویش صورت آدمی ملنا چاہتا ہے۔میں نے کہا بلا لو۔ایک درویش صورت آدمی میرے سامنے خاموش آکھڑا ہوا۔کچھ وقفہ کے بعد میں نے کہا فرمایئے: آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔اجنبی بولا'' ہاں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے میں تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں'' اور پھر مثنوی کا یہ مشہور شعر پڑھا:

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند

تو ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

'' کچھ پوچھو نہیں کہ مجھ پر کیا گزر گئی۔چند لمحوں کے لیے مجھ سے قطعی اپنے گرد و پیش کا احساس جاتا رہا۔ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو بزرگ سے مخاطب ہونے کے لیے دوبارہ نظر اٹھائی لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔علی بخش کو ہر طرف دوڑایا لیکن کہیں سراغ نہیں ملا''۔(۱۴۹)

اقبال کی مثنوی ''اسرار خودی'' اور دیگر مثنویاں ماسوائے ''گلشن راز جدید'' مثنوی مولانا روم کے وزن و اسلوب میں کہی گئی ہیں۔اقبال اچھے خاصے رومی شناس تھے۔وہ عام کتب کا مطالعہ ترک کرنے کے باوجود مثنوی رومی کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔اپنے ایک خط مورخہ

۱۹ / مارچ ۱۹۳۵ء بنام حکیم محمد حسین عرشی امرتسری میں لکھتے ہیں کہ ''وہ ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکے ہیں۔ اگر کبھی پڑھتے بھی ہیں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی''۔(۱۵۰)

اقبال کے افکار میں خودی اور خود شناسی کو اساسی اہمیت خاص ہے۔ ان کے نزدیک ممکنات ذات سے آگہی اور ان کے ارتقاء اور ظہور کی راہ میں مزاحم قوتوں پر کامیابی، فرد اور قوم کی منزل ہے۔ اس لیے وہ کائنات اور زندگی کو حرکی اور ارتقاء پذیر سمجھتے تھے۔ وہ تسخیر فطرت و کائنات کو تخلیق آدم کا مقصد گردانتے ہیں، اس کی تسخیر کا وسیلہ عشق کو قرار دیتے ہیں جو در حقیقت دانش نورانی ہے اور یہی حوالہ انھیں دائمی طور پر مولانا جلال الدین رومی کی فکر اور جذب سے وابستہ رکھتا ہے۔ اقبال ان ہی کے تصور عشق، وجدان اور بصیرت سے اثر قبول کرتے ہیں۔

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اِک بحرِ پُرآشوب و پُراسرار ہے رومیؔ!
تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبالؔ!
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؔ
اِس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ رہِ احرار ہے رومیؔ(۱۵۱)

اقبال مزید لکھتے ہیں:

علاج، آتشِ رومی کے سوز میں ہے تیرا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں!(۱۵۲)

چنانچہ فلسفہ خودی ہو یا فلسفہ خیر و شر نظری ارتقاء ہو یا فلسفہ تقدیر، ہر پہلو سے اقبال پر رومی کی قد آور شخصیت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اقبال اپنے روحانی مرشد کے مزار پر حاضری کے لیے ترکیہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھوں نے محمد عاکف ارصوئی کو ایک خط میں اس بات کا عندیہ سنایا تھا اور لکھا تھا کہ ''ترک قوم اور جدید ترکیہ سے انھیں بڑی محبت ہے اور وہ ایک دن ترکیہ، خاص طور پر مولانا رومی کے مزار اقدس (قونیہ) پر حاضری دینا چاہتے ہیں''۔(۱۵۳) مگر بوجوہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ تاہم ترکیہ سے ہندوستان آنے والے ہر وفد سے اقبال ملاقات کی کوشش ضرور کرتے۔

مثلاً جب خالدہ ادیب خانم دہلی آئیں تو اپنی علالت کے باوجود اقبال وہاں تشریف لے گئے اور اسی شام انھوں نے خالدہ خانم کے ایک خطبے کے پروگرام کی صدارت بھی فرمائی۔(۱۵۴) اسی طرح جب رؤف پاشا دہلی آئے تو ان کے جلسے کی صدارت کے لیے اقبال نے پھر دہلی کا سفر دوبارہ کیا۔ اس جلسے میں ڈاکٹر انصاری کو مبارک باد دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان (انصاری) کی کوششوں سے عالم اسلام کے ایک فرزند جلیل نے ارض ہند کو اپنے ورود سے سرفراز فرما کر باہم تبادلہ خیالات کا موقع فراہم کیا۔(۱۵۵)

اس بے پناہ لگاؤ کی وجہ سے ہی علامہ نے ہر مجموعہ کلام میں مولانا رومی کا ذکر عقیدت اور محبت سے کیا ہے۔ ''بالِ جبریل'' میں ''پیرو مرید'' کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے اس میں علامہ صاحب نے دور حاضر کے مسلمانوں کو حقائق سے آگاہ کیا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام مسائل پیش کر کے مولانا روم سے ان کا حل دریافت کیا ہے:

مرید ہندی:

آہ مکتب کا جوانِ گرم خوں
ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں

پیر رومی:

مرغ پر نارستہ چوں پرّاں شود
طعمۂ ہر گربۂ درّاں شود

مرید ہندی:

اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بُو
سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہُو؟

پیر رومی:

تادلِ صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

مرید ہندی:

ہند میں اب نور باقی ہے نہ سوز!
اہلِ دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز!

پیر رومی:

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دو ناں حیلہ و بے شرمی است(۱۵۶)

اس نظم کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے

چشمِ بینا سے ہے جاری جوئے خوں
علمِ حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!(۱۵۷)

اور مولانا رومی اس شعر کا جواب یوں دیتے ہیں:

علم رابر تن زنی مارے بودے
علم رابر دل زنی یارے بود(۱۵۸)

علامہ اقبال نے قرآن مجید کو اپنا راہنما' پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنا محبوب اور رومی کو اپنا مرشد بنایا۔ چنانچہ رومی کے پیغام کی اہمیت کو'' ضربِ کلیم'' میں پیش کیا ہے۔ علامہ نے'' رومی'' عنوان کے تحت اس نظم میں مثنوی رومی کی اہمیت اور ان کے تصور عشق پر زور دیا ہے۔ یہاں انھوں نے اپنا فلسفۂ خودی بھی ظاہر کیا ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے دلوں میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرنے کی ہدایت دی ہے۔ مذکورہ نظم کچھ یوں ہے:

غلط نگر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک!
ترا وجود ہے تیرے واسطے راز اب تک!
ترا نیاز نہیں آشنائے راز اب تک!
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک!

گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک!
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز اب تک!(۱۵۹)

علامہ کی تمام تصانیف میں رومی کے حوالے سے زیادہ عقیدت اور احترام ''جاوید نامہ'' میں ملتا ہے۔ یہاں رومی کا ذکر زیادہ موثر پیرایہ میں ملتا ہے:

''جاوید نامہ بعضوں کے نزدیک اقبال کی بہترین تصنیف ہے۔ تمام تر رومی کے رنگ و بو سے آراستہ ہے۔ اس میں شاعر رومی کی معیت میں عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ ارواح سے ہم کلام ہوتا ہے گویا رومی ہی کی اعانت سے کائنات کے مضمون کو سمجھتا ہے''۔(۱۶۰)

علامہ نے ''جاوید نامہ'' میں اپنی تمام تر سیر مرشد رومی کے ساتھ کی ہے اور مرشد رومی کی رہنمائی ہر مرحلہ پر اقبال کو حاصل ہوتی ہے۔ یہاں صرف بارگاہ ایزدی میں علامہ تنہا حاضر ہوتے ہیں۔ باقی اول تا آخر رومی کی معیت میں سارا سفر طے کرتے ہیں۔ علامہ نے اپنی تمثیلی نظم میں مختلف کرداروں کے ذریعے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف حالات و واقعات کا بھی یہاں ذکر ملتا ہے۔ اس لازوال تصنیف میں علامہ نے شاعری میں فلسفہ کو ایک ساتھ پیش کر کے اعلیٰ فنکاری کا ثبوت دیا ہے۔ اس کتاب میں علامہ نے ایسے حقائق اور معارف بیان کیے ہیں جن کا تعلق عالم بالا یا جہان دیگر سے ہے۔(۱۶۱)

آنچہ گفتم از جہاں دیگر است
ایں کتاب از آسماں دیگر است(۱۶۲)

خاتمہ پر علامہ نے ''خطاب بہ جاوید'' میں رومی سے اپنی شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے انھوں نے جاوید کے پردہ میں مسلمان نو جوانوں کو مرشد رومی کی اتباع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ''جاوید نامہ'' کے آخری حصے ''خطاب بہ جاوید'' میں علامہ نے پیر رومی کی مثنوی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہا کہ پیر رومی کی مثنوی کا مقصد لوگوں نے سمجھا نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

گر نیابی صحبت مرد خبیر — از اب وجد آنچہ من دارم بگیر
پیر رومی را رفیق راہ ساز — تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست — پائے او محکم فتدور کوئے دوست
شرح او کردند او را کس ندید — معنی او چوں غزال از ما رمید
رقص تن از حرف او آموختند — چشم را از رقص جاں بردوختند
رقص تن در گردش آرد خاک را — رقص جان برہم زند افلاک را (۱۶۳)

علامہ اور رومی کا ذکر کرتے ہوئے سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''مطالعہ رومی مثنوی کے سلسلے میں اقبال کا نصب العین ہے اور یہی رقص جاں ہے۔ جس سے علم و حکمت تک رسائی ہوگی، اقبال کے نزدیک قرآن مجید کے بعد جو کتاب اس عظیم مقصد کو پورا کر سکتی ہے وہ مثنوی رومی ہے''۔(۱۶۴)

''جاوید نامہ'' کے علاوہ علامہ نے ''پیام مشرق'' میں بھی مولانا رومی کی مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے رومی کے عشق کو بوعلی کے فلسفہ پر ترجیح دی ہے۔

بوعلی اندر غبار ناقہ گم — دست رومی پردہ محمل گرفت
ایں فرو تر رفت تا گوہر رسید — آں بگردابے چو خس منزل گرفت
حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت(۱۶۵)

''بال جبریل'' میں رومی کا ذکر یوں کیا ہے:

صحبت پیر رومی سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف(۱۶۶)

عجم کے لالہ زاروں سے پھر کوئی رومی اٹھا ہو یا نہ اٹھا ہو لیکن تیرہ خاکدان ہند سے ضرور ایک رومی نمودار ہوا ہے۔ جس نے چھ سو سال بعد پیر رومی کے مرید ہندی کے بطور بعینہ ویسا ہی کردار ادا کیا اور اسلام کو پھر یونانی اور اجنبی عناصر سے نجات دلا کر اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا۔

نہ اٹھا کوئی رومی پھر عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی(۱۶۷)

بال جبریل میں ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی(۱۶۸)

ضرب کلیم میں لکھتے ہیں:

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی(۱۶۹)

علامہ کی اسرار خودی میں مولانا کا ذکر یوں ملتا ہے:

باز بر خوانم ز فیض پیر روم — دفتر سر بستۂ اسرار علوم
پیر رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد(۱۷۰)

علامہ ''مثنوی مسافر'' میں لکھتے ہیں:

ز آتش مردان حق می سوز مت
نکتۂ از پیر روم آموزمت(۱۷۱)

علامہ ''پس چہ باید کرد'' میں لکھتے ہیں:

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
از نئے آن نے نواز پاک زاد
باز شورے در نہاد من فتاد(۱۷۲)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں رومی کا ذکر بڑے خلوص اور عقیدت سے ملتا ہے:

چوں رومی در حرم دادم اذاں من — ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او — بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من (۱۷۳)

بکامِ خود گر آں کہنہ مے ریز — کہ باجامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی — بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز (۱۷۴)

ز رومی گیر اسرارِ فقیری — کہ آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ ازوے — رسیدی بر مقامِ سر بزیری (۱۷۵)

مقامِ ذکرِ کمالاتِ رومی و عطار
مقامِ فکر مقالاتِ بوعلی سینا (۱۷۶)

ترک اربابِ علم و ہنر نے اقبال کی مولانا رومی سے واردات عشق کے جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا رومی کے مزار کے پہلو بہ پہلو اقبال اور فارسی شاعر نفعی کے علامتی لوح مزار نصب کر کے ثابت کیا کہ مولانا رومی کے مریدان کس مقام کے اہل ہیں۔

ii. علامہ اقبال اور محمد عاکف ارصوئی

محمد عاکف ارصوئی ترکی کے معروف شاعر، ادیب، دانشور، رکن پارلیمان اور ترکیہ کے قومی ترانہ ''استقلال مارشی'' کے خالق تھے۔ اپنے وقت کے بہترین دانشوروں میں شمار کیے جانے والے ارصوئی ترکی زبان پر اپنے عبور اور حب الوطنی اور ترک جنگ آزادی میں مدد کے باعث بھی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا تخلیق کردہ قومی ترانہ ترکی کے ہر نجی و تعلیمی ادارے کی دیوار پر، ترکی کے قومی پرچم، بابائے قوم مصطفی کمال اتاترک کی تصویر اور نوجوانوں سے کی گئی ایک تقریر کے متن کے ساتھ آویزاں کیا جاتا ہے۔ ان کے نام سے ایک جامعہ بھی قائم ہے۔

محمد عاکف ارصوئی ۱۸۷۳ء میں سلطنت عثمانیہ کے شہر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ انتہائی مذہبی تھا اور آپ کے والد طاہر آفندی ایک مدرسے میں مدرس تھے۔ انھوں نے آپ کا نام محمد رغیف رکھا تھا۔ یہ عربی نام چونکہ ترکی میں زیادہ معروف نہ تھا اس لیے وہ محمد عاکف کہلائے لیکن والد تمام عمر ان کو محمد رغیف ہی پکارتے تھے۔ والد کی وفات اور آگ لگنے سے گھر کی تباہی کے باعث آپ کو تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور ملازمت کرنا پڑی۔ لیکن وہ اپنے پیشہ ورانہ دور کا آغاز جلد از جلد کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے مُلکیہ بیطار مکتبی (علاج مویشیاں کی درسگاہ) میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۳ء میں اعزازی سند کے ساتھ فارغ ہوئے۔ اسی سال محمد عاکف نے سرکاری ملازمت حاصل کی اور اناطولیہ میں مختلف مقامات پر متعدی امراض پر تحقیق کی۔ اپنے مذہبی پس منظر کے باعث وہ مسلمانوں کے زوال پر بہت پریشان تھے۔ اس لیے انھوں نے اس عرصے کے دوران مختلف مساجد میں خطبے بھی دیے اور منبر کے ذریعے عوام میں شعور اجاگر کرنے کی کوششیں بھی کیں۔

ہم عصر ادیبوں رضا زادہ محمود اکرام، عبدالحق حامد اور جناب شہاب الدین کے ہمراہ انھوں نے ''مدافع ملی حیاتی'' کے جریدے ''سبیل الرشاد'' میں کام کیا۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کی شاعری اور مضامین ''صراط مستقیم'' نامی جریدے میں بھی شائع ہوتے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کے انتہائی دور میں محمد عاکف ایک محب وطن ادیب کی حیثیت سے ابھرے۔ انھوں نے ترکی کی آزادی کی جدوجہد میں اپنا بھرپور حصہ لیا اور اناطولیہ (مشرقی ترکیہ) بھر کی مساجد میں خطبوں کے ذریعے عوام میں جذبہ حب الوطنی اجاگر کیا۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو کستمونو کی نصر اللہ مسجد میں دیئے گئے مشہور خطبے میں انھوں نے معاہدہ سیورے کی مذمت کی اور عوام سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے

ایمان واسلحے کے ذریعے مغربی نوآبادیاتی قوتوں کا مقابلہ کریں۔ جب یہ تقریر سبیل الرشاد میں شائع ہوئی تو ملک بھر میں پھیل گئی اور بعدازاں اسے پمفلٹ کے ذریعے ترک فوجیوں میں بھی تقسیم کیا گیا۔

ترک جنگ آزادی کے دوران آپ کی لکھی گئی ایک نظم ''استقلال مارشی'' نے بہت شہرت حاصل کی اور بعداز قیام جمہوریہ اسے ترکیہ کا قومی ترانہ قرار دیا گیا۔ قومی ترانے کے خالق کی حیثیت سے انھیں ترکیہ میں لافانی حیثیت حاصل ہوگئی۔ استقلال مارشی کو ۱۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو مجلس کبیر ملی کے اجلاس کے دوران قومی ترانے کی حیثیت دی گئی۔ یہ ترانہ اور محمد عاکف کی تصویر ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک رائج ۱۰۰ ترک لیرا کے بینک نوٹ پر بھی موجود رہی۔ ترانہ سرکاری و عسکری تقاریب، قومی نمائشوں، کھیلوں کے مواقع اور اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے جہاں ۱۰ بندوں پر مشتمل اس ترانے کے اولین دو بند ہی گائے جاتے ہیں۔

ترکیہ میں قیام جمہوریت اور اتاترک کی لادینی پالیسیوں کے باعث ۱۹۲۵ء میں وہ دل شکستہ ہوکر ترکیہ چھوڑ گئے اور مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں سکونت اختیار کرلی۔ جہاں ان کا قیام ۱۱ سال رہا۔ لبنان کے ایک دورے میں انھیں ملیریا نے جکڑ لیا اور ۱۹۳۶ء میں اپنی وفات سے محض ٦ ماہ قبل استنبول واپس آئے۔ ان کی صحت بہت بگڑ چکی تھی، اس لیے وہ جانبر نہ ہوسکے اور بالآخر ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو انتقال کر گئے۔

انھیں استنبول کے ادرنہ قاپی قبرستان شہداء میں سپردخاک کیا گیا۔ شدید سردی اور برف باری کے باوجود لاکھوں افراد نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ وہ جمہوریہ ترکیہ کی تاریخ کی پہلی شخصیت تھے جن کی آخری رسومات کے موقع پر قومی ترانہ بجایا گیا۔

ادبی کارنامے

محمد عاکف روایتی مشرقی علوم میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ بچپن میں انھوں نے والد سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعدازاں انھوں نے سرکاری ملازمت کے ایام میں دوستوں کے مشورے پر فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔

ان کا سب سے مشہور ادبی کام ''صفحات'' (Safhat) ہے جو ان کی ۴۴ نظموں پر مشتمل مجموعہ کلام ہے۔ ان کے مجموعہ کلام میں لافانی حیثیت ''استقلال مارشی'' کو حاصل ہے گو کہ یہ ترانہ ان کی زندگی میں ''صفحات'' کا حصہ نہیں بنایا گیا تھا کیونکہ بقول محمد عاکف ''یہ ترانہ قوم کی ملکیت ہے، اس لیے میں اسے اپنے مجموعہ کلام میں شامل نہیں کروں گا'' تاہم ان کے انتقال کے بعد چھپنے والے مجموعوں میں استقلال مارشی کو بھی شامل کردیا گیا۔ ترکوں کی بڑی اکثریت انھیں قومی شاعر تسلیم کرتی ہے لیکن ان کے اسلامی پس منظر اور مذہب سے والہانہ لگاؤ کے باعث انھیں سرکاری سطح پر قومی شاعر نہیں مانا جاتا۔ ان کی کتاب ''صفحات'' بھی حال ہی میں قبولیت عام حاصل کرپائی ہے ورنہ پہلے اسے بھی بڑے پیمانے پر شائع و فروخت نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ یہ برسراقتدار لادینی عناصر کے نظریات سے متصادم تھی۔ ان کے اہم ادبی شہ پاروں میں شامل ہیں:

☆ سلیمانیہ کورسوسندہ (سلیمانیہ کے منبر پر، ۱۹۱۲ء)
☆ حقن سیس لری (صدائے حق، ۱۹۱۳ء)
☆ فاتح کورسوندہ (فاتح کے منبر پر، ۱۹۱۴ء)
☆ خاطرہ لر (یاداشتیں، ۱۹۱۷ء)، عاصم (۱۹۲۴ء)
☆ کولگہ لر (سائے ۱۹۳۳ء)
☆ کستمونو نصر اللہ کورسوسندہ (کستمونو نصر اللہ کے منبر پر، ۱۹۲۱ء)
☆ قرآن دان آیت و حدیث لر (آیات واحادیث از قرآن، ۱۹۴۴ء)

''خاطرہ لر'' میں ان کی اہم نظم ''صحرائے نجد سے مدینہ تک'' شامل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''اسلامی ادبیات میں اس نظم سے شاید ہی کوئی اور نظم مذہب اور رسول مقبول ﷺ سے عقیدت پیدا کرنے والی ہوگی '' (۱۷۷)

ترکیہ میں قوم پرستی کی بڑھتی ہوئی لہر کے باعث عاکف کی آواز پر بہت زیادہ کان نہیں دھرا گیا اور رہی سہی کسر ترکیہ میں رسم الخط کی تبدیلی نے پوری کردی لیکن ۱۹۴۴ء میں جب ان کے داماد عمر رضا طغرل نے ''صفحات'' کو لاطینی رسم الخط کی جدید ترکیہ میں شائع کیا تو وہ مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

کلام عاکف سے چند اقتباسات

''اگر کسی دن مذہب (اسلام) کا منبع خشک ہو جائے تو نہ احساس باقی رہے گا
اور اور نہ ہی زندگی باقی رہے گی۔ جماعت کی بقا کا انحصار دین کی بقا پر ہے''

''یا تو ہم قرآن کو کھولتے ہیں اور اس کے اوراق پر نظر ڈالتے ہیں یا اُسے پڑھ کر مردوں
کو بخش دیتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ قرآن نہ قبرستان میں تلاوت کرنے
کی غرض سے اور نہ ہی فال بینی کے کے لیے اتارا گیا ہے۔''

''صرف دین اسلام، دین شجاعت اور دین عزت ہے۔ حقیقی اسلام بہادری کی سب سے بڑی داستان ہے۔''

''قومی اخلاق کو بچوں کا کھیل نہ سمجھو کیونکہ یہی قوم کی روح ہے۔ اخلاق کا افلاس بڑی بھیانک موت ہے اور یہ موت دراصل کلی ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی جو خدمت کی عاکف نے اپنی مشہور نظم ''ایک رات'' میں اس کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

''وہ کمزور جس کے تمام حقوق پامال ہونے کے لیے ہی تھے زندہ ہو گیا۔ رستم جس کے زوال کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا، اپنی موت آپ مر گیا۔ ہاں آپ کی شرح مبین اہل عالم کے لیے ایک رحمت تھی جس نے ہر دادخواہ کے گھر اپنے بازوؤں سے سایہ کیا۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب آپ کی بدولت ہے۔ تمام جہاں ان کے مرہون منت ہیں۔ تمام دنیائے انسانیت اس معصوم کی مقروض ہے۔ الٰہی! قیامت کے دن مجھے اسی اقرار کے ساتھ اٹھائیو''۔

اپنی ایک نظم ''اذانیں'' میں اذان کے بارے میں عاکف کہتے ہیں:

''یہ اللہ کی آواز ہے جو آسمانوں کو معمور کر دیتی ہے۔ کیا اس آواز کے لیے یہ کوئی بڑی بات ہے کہ یہ ساری دنیا کو ہلا دے''۔

سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی کے خواہشمند البانوی اور عرب قوم پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے کہا ''علیحدگی کا خیال تمہارے دلوں میں کیسے پیدا ہوا؟ کیا نظریہ قومیت کو شیطان نے تمہارے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ ان تمام اقوام کو ایک ملت کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنے والے اسلام کو جڑ اور بنیاد سے تباہ و برباد کرنے والا زلزلہ قومیت ہے۔ اس حقیقت کو ایک لحظہ بھی بھول جانے کا نتیجہ ابدی محرومی ہے۔ عربیت اور البانی تعصب کے ساتھ یہ ملت آگے نہیں بڑھ سکتی''۔

ایک اور نظم میں کہتے ہیں:

''ارے تجھے معلوم نہیں کہ تیری قومیت اسلام ہے۔ یہ قومیت کیا ہے؟ تو اپنی ملت سے کٹ کر استحکام اور مضبوطی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے؟ کیا عرب کا ترک پر اور ایرانی کو چینی پر کوئی ترجیح دی گئی ہے؟ کیا اتحاد اسلامی میں جداگانہ عناصر کا جواز موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ پیغمبر اسلام قومیت پر لعنت بھیجتے تھے۔'' (۱۷۸)

ترکیہ اور پاکستان میں ایک دوسرے کے ممالک کے جن دو شعراء کا زیادہ ذکر کیا جاتا ہے اور جن کا حوالہ بھی دونوں ممالک میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد میں دیا جاتا ہے وہ جلال الدین رومی (مولانائے روم) اور علامہ محمد اقبال ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے مولانائے روم کو پیر رومی قرار دیا ہے اور خود کو مرید ہندی تاہم کلام اقبال اور کلام عاکف کا مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ترکی اور اردو شاعری میں جن دو اسلامی شاعروں کے کلام میں حد درجہ مشابہت پائی جاتی ہے وہ عاکف اور اقبال ہیں۔

اگر فکری ہم آہنگی اور نظریاتی مماثلت کو دیکھا جائے تو اقبال اور عاکف کے کلام میں اتنی زیادہ ہے کہ اسلامی دنیا کا کوئی شاعر اقبال سے اتنی فکری قربت نہیں رکھتا۔(۱۷۹)

عاکف اقبال ہی کی طرح عظیم محب وطن تھے لیکن وہ بھی مغربی قومیت کے سیاسی نظریہ کے خلاف تھے اور اتحاد اسلامی کے علمبردار تھے۔ اقبال وطنیت کو مذہب کا کفن سمجھتے تھے ور عاکف وطنیت کو شیطانی تصور کرتے تھے۔ جس کا ہلکا سا اظہار سطور بالا میں قومیت کے حوالے سے ان کے خیالات سے ہوتا ہے۔ اسلامی دنیا کی زبوں حالی کا جو نقشہ اقبال نے کھینچا تھا بالکل اسی طرح عاکف نے بھی عالم اسلام کے مصائب اور اس کی زبوں حالی کی منظر کشی کی ہے۔ علاوہ ازیں ملائیت، پردہ، جدید ادب اور استبداد وغیرہ پر بھی دونوں شعراء یکساں سوچ کے مالک ہیں۔(۱۸۰)

آنحضورؐ سے محبت کلام اقبال کی نمایاں خصوصیت ہے۔ عاکف کے کلام میں بھی یہی خصوصیت نمایاں ہے۔ ان کی کتاب ''خاطرہ لر'' کی نظم ''صحرائے نجد سے مدینہ تک'' نبی مہربانؐ سے ان کی محبت کی عکاس ہے۔

عاکف نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کا مطالعہ کیا اور عربی کے معروف مترجم و شارح عبدالوہاب عزام کو کلام اقبال سے متعارف کرایا۔ عبدالوہاب عزام کہتے ہیں:

> ''اقبال کے بارے میں میری منتشر معلومات میں اس وقت تک اضافہ نہیں ہوا جب تک کہ میری ملاقات میرے شاعر دوست محمد عاکف مرحوم سے نہ ہوئی۔ وہ میرے دوست، رفیق اور مونس تھے اور ہماری رہائش گاہ حلوان کے علاوہ جامعہ قاہرہ میں وہ بھی میرے ساتھی تھے۔ ایک روز انھوں نے مجھے اقبال کا ایک دیوان پیام مشرق دکھایا۔ میں نے اس سے قبل اقبال کا کوئی شعر، نہ کم نہ زیادہ، نہ پڑھا تھا اور نہ سنا تھا۔ محمد عاکف نے بتایا کہ ایک دوست نے جو ان دنوں غالباً افغانستان کے سفیر تھے، نے مجھے یہ کتاب بھیجی ہے۔ ہم دونوں نے اس دیوان کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کے اشعار اور افکار ہم کو بہت ہی پسند آئے۔ ہم اس گلشن میں گھومتے رہے تھے جو روح اور نگاہوں کو بار بار اپنی چمک اور پھولوں کی طرف متوجہ کرتا تھا اور جو رنگ رنگ کے پھولوں، طرح طرح کے نمونوں، رونق اور خوبصورتی کا سنگم تھا۔''

وہ مزید کہتے ہیں:

> ''اب میں نے اقبال کو براہ راست ان کے کلام کے ذریعے پہچانا لیکن یہ علم صرف ایسا تھا جیسا کسی بھی ایک ایسے شخص کا ہو سکتا ہے، جس نے بہت تھوڑا سا پڑھا ہو۔ میں ان کی مخصوص عبارتوں سے بے خبر، ان کے رموز سے نا آشنا، ان کے فلسفہ اور افکار سے کافی حد تک بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت اور مقصد سے بھی کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا''۔

''پیام مشرق'' کا یہ نسخہ جو محمد عاکف کے دوست نے مجھے دیا تھا اب تک میرے پاس ہے۔اس پر ان تمام مقامات پر نشانات لگے ہوئے ہیں جن کو ہم نے پسند کیا تھا یا بقول فرزوق'' مقامات سجدہ'' پر۔ یہ نسخہ میرے پاس پیام مشرق کے ذریعے اقبال سے پہلی ملاقات کی یادگار کے ساتھ ساتھ شاعر اسلام محمد عاکف کی بھی یادگار ہے۔''(۱۸۱)

عاکف سب سے پہلے جنگ آزادی کے ایام میں انقرہ میں کلام اقبال سے واقف ہوئے۔ یہ تعارف اقبال کے کسی کتابچے سے ہوا جو کسی نے سبیل الرشاد کے دفتر میں پہنچایا۔ عاکف نے اس کتابچے سے یہ رائے قائم کی کہ ان کے اور اقبال کے کلام میں مشابہت پائی جاتی ہے۔(۱۸۲)

عاکف نے اقبال کا تفصیلی مطالعہ قیام مصر کے زمانے میں کیا جن میں پیام مشرق بھی شامل تھی۔ عاکف نے اپنی کتاب ''صفحات'' کے حصے ''صنعت گر'' میں ایک نظم کے درمیان اقبال کے ایک شعر کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے وہ شعر یہ ہے:

دل یاراں زانو ہائے پریشانم سوخت

من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرو دن نتواں(۱۸۳)

(ترکی ترجمے کا مفہوم ''میرے نغموں پر ترنم کا گماں نہ کیا جائے، یہ میرے دل کی آواز ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر دیا ہے''(۱۸۴)

iii. علامہ اقبال اور سعید حلیم پاشا

سعید حلیم پاشا ۱۸۶۵ء میں قسطنطنیہ (استنبول) میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد شہزادہ ابراہیم حلیم پاشا محمد علی پاشا (خدیو مصر) کے ولی عہد تھے۔مگر اپنی روشن فکر اور انقلابی سرگرمیوں کے نتیجے میں جلاوطن کر دیئے گئے اور ان کی بجائے توفیق پاشا خدیو مصر بنے۔(۱۸۵)

سعید حلیم پاشا نے ابتدائی تعلیم قسطنطنیہ میں حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ قاہرہ اور یورپ گئے۔آپ نے اسلامی اور مغربی علوم وفنون میں کمال درجے کی مہارت حاصل کی۔قدرت نے آپ کو بلند دماغ سے نوازا تھا۔ترکی اور عربی آپ کی مادری زبانیں تھیں۔اس کے علاوہ عربی، فارسی اور فرانسیسی پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔تحریر اور تقریر میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔آپ لوگوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔جب توفیق پاشا (خدیو مصر) کے طرز عمل سے لوگ تنگ آگئے تو آپ کو لوگوں نے خدیو مصر بنانا چاہا مگر انگریزوں نے لوگوں کی امید پر پانی پھیر دیا اور آپ کو قدم جمانے نہ دیے گئے۔بہر حال آپ نے واپسی کا قصد کیا اور ۱۸۸۹ء میں واپس قسطنطنیہ لوٹ آئے۔

عثمانی سلطان عبدالحمید دوم نے سعید حلیم پاشا کو وزارت کی پیشکش کی چنانچہ آپ نے مختلف قلمدان ہائے وزارت سنبھالے۔۱۹۰۲ء میں انھیں پاشا کے اعزاز سے نوازا گیا۔ان کی استعداد اور خدمات کا مخالف بھی اعتراف کرتے تھے اور اپنے اصلاحی اور سیاسی عزائم میں رکاوٹ کے پیش نظر ۱۹۰۵ء میں انھوں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔وہ حزب اصلاحی کے رکن تھے۔(جسے انجمن اتحاد وترقی بھی کہتے ہیں) ان کا حزب ہمہ گیر ترقی اور انقلاب کا داعی تھا مگر اس انقلاب وترقی کے نشے سے سرشار ہو کر دین ومذہب کو پس پشت ڈالنے کا حامی نہ تھا۔سعید حلیم پاشا نے اس حزب کے نوجوانوں کی بطریق احسن تربیت کی تھی مگر بعض جذباتی ارکان سے اختلاف کر کے ۱۹۰۵ء میں مصر چلے گئے۔(۱۸۶)

۱۹۰۸ء میں آپ کو پھر طلب کر کے واپس لایا گیا۔۱۹۱۱ء میں آپ کونسل آف سٹیٹ کے صدر منتخب کیے گئے۔۱۹۱۲ء میں انجمن اتحاد ترقی کے صدر مقرر کیے گئے اور وزارت خارجہ کا عہدہ پیش کیا گیا۔۱۹۱۳ء میں مارشل محمود شوکت پاشا کی شہادت کے بعد وہ ترکی کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ کی ابتداء ہوئی تو انھوں نے مجبور ہو کر انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔۱۹۱۹ء میں جب انگریز استنبول پر

قابض ہوئے تو انھوں نے پاشا اور ان کے رفقاء پر مقدمہ چلایا اور ان کو مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ ایک سال بعد وہ روم (اطالیہ) میں رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں ۱۹۲۱ء کے آخری مہینوں میں فرانسیسی زبان میں ایک مقالہ اُن کے قلم سے نکلا جس کا عنوان ''مسلمان معاشرے کی اصلاح'' تھا۔ ٦ دسمبر کو ایک بدوطنیت نوجوان نے انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ (۱۸۷)

سعید حلیم پاشا ایک مذہبی ادبی اور متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ جب ۱۹۱۷ء میں صحت کی خرابی کی بنا پر آپ نے وزارت اعظمیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور استنبول میں خانہ نشین ہو کر آپ نے ترکی زبان میں ایک کتاب ''اسلام لشمق'' (islamlasmak) تصنیف کی۔ اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں پر لکھی گئی اس کتاب میں یہ بات پورے وثوق سے ثابت کی گئی ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اور عصری تقاضوں کا ساتھ صرف اسلام دے سکتا ہے۔ سعید حلیم پاشا کی یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی مذکورہ کتاب اس قابل ہے کہ انھیں اسلامی مفکرین کی صف اول میں جگہ دی جائے۔ (۱۸۸)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر اپنے کلام میں نہایت عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔ علامہ نے اپنی دو بلند پایہ تصانیف میں ''اسلامی مذہبی فکر کی تشکیل نو'' اور ''جاوید نامہ'' میں اس ترک رہبر کی خدمات و افکار کو سراہا ہے (۱۸۹)۔

علامہ اقبال نے ''مذہبی فکر کی تشکیل نو'' کے چھٹے خطبے میں ترکیہ کی ''تحریک تجدد دین'' کا ذکر کیا ہے اور وہاں سعید حلیم پاشا کی کتاب ''اسلام لشمق'' کے باب دوم میں ''حریت و مساوات'' کے ایک اقتباس کو انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ اقبال نے اس کتاب کے عربی یا فارسی ترجمہ کی رو سے بیان کیا ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب ترکیہ میں دو زاویہ فکر کا دور دورہ تھا: ایک کی نمائندگی ''حزب وطنی'' کے ہاتھ تھی اور دوسرے نظریات کی روح رواں کی نمائندہ و راہنما ''انجمن اتحاد و ترقی'' تھی (جسے 'حزب اصلاح مذہبی' بھی کہتے ہیں)۔ حزب وطنی کی دلچسپیوں کی انتہا اور سوچ کا محور ریاست تھی۔ اس کے اہل فکر کی نظر میں مذہب بذات خود کوئی علیحدہ (ریاست سے ممتاز) فریضہ نہیں رکھتا۔ ریاست ہی جوہری زندگی کا عامل ہے جس سے تمام دوسرے عوامل کے کردار کا تعین ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ریاست و مذہب کے فرائض کے بارے میں پرانے نظریات کو مسترد کرتے تھے۔ انھوں نے شرعی نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کیا کہ سیاست اور مذہب باہم متحد ہیں۔ اسلام کے نظام اجتماعی کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ روش درست نظر آتی ہو مگر علامہ کو اس سے سخت اختلاف تھا۔ انھیں حزب اصلاح مذہبی سے، جس کی قیادت حلیم پاشا کے ہاتھ تھی، اتفاق تھا کہ دین اسلام میں حقیقت و مجاز کا حسین امتزاج موجود ہے کہ صرف دین اسلام نے حریت و مساوات کی پائدار صداقتوں کو متحد اور یکجا جلوہ گر کیا ہے اس لئے اسلام میں ''وطن'' کی محدودیت موجود نہیں''۔ (۱۹۰)

سعید حلیم پاشا سے بالخصوص قومیت، تہذیب اور معاشرت کے خیالات سے اقبال بہت متاثر تھے۔ ترکیہ کے وطن پرستی کے لادینی نظریات پر ضرب لگاتے ہوئے سعید حلیم پاشا کے خیالات کی تائید و تعریف کی ہے۔ خصوصاً قومیت کے متعلق ان کے خیالات کہ اسلام کا کوئی وطن نہیں اور نہ کسی ترکی اسلام کا کوئی وجود ہے اور نہ عربی، ایرانی، ہندی اسلام کا۔ اقبال کے خیال میں وہ نہایت ہی صاحب بصیرت اہل قلم تھا اور اس کا طرز فکر سراسر اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ (۱۹۱)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کا ذکر ''جاوید نامہ'' میں نہایت ہی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کا ذکر ''جاوید نامہ'' کے ''فلک عطارد'' میں موجود ہے۔ یہاں اس کی تعلیمات کا معنی خیز ذکر موجود ہے۔ ''جاوید نامہ'' کا یہ حصہ اقبالیات کے اہم ترین مباحث پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کی ابدی تعلیمات خصوصاً سیاسی تعلیمات جس قدر جامع و معانی طور پر ''فلک عطارد'' میں سید جمال

الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی زبانی مذکور ہیں اقبال کی کسی دوسری کتاب میں یکجا نظر نہیں آتیں۔ (۱۹۲)

''جاوید نامہ'' میں فلک عطارد پر پہنچتے ہی علامہ اقبال رومی سے کہتے ہیں:

من بہ رومی گفتم ایں صحرا خوش است　　در کہستان شورشِ دریا خوش است

من نیابم از حیات ایں جا نشاں از　　کجا می آید آواز اذاں

گفت رومی ایں مقام اولیا است　　آشنا ایں خاکداں با خاک ماست

بوالبشر چوں رفت از فردوس بست　　یک دو روزے اندریں عالم نشست

ایں فضا ہا سوز آہش دیدہ است　　نالہ ہائے صبحگاہش دیدہ است

زائراں ایں مقامِ ارجمند　　پاک مرداں از مقاماتِ بلند

پاک مرداں چوں فضیل و بو سعید　　عارفاں مثلِ جنید و بایزید

خیز تا مارا نماز آید بدست

یک دو دم سوز و گداز آید بدست (۱۹۳)

یہاں سے آگے نکل کر علامہ دو آدمیوں کو دیکھتے ہیں ایک جمال الدین افغانی اور دوسرے سعید حلیم پاشا۔ چنانچہ رومی علامہ سے ان ہی دو آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام　　مقتدی تا تار و افغانی امام

پیر رومی ہر زماں اندر حضور　　طلعتش برتافت از ذوق و سرور

گفت مشرق زریں دو کس بہتر نزاد　　ناخن شان عقدہ ہائے ماکشاد

سید السادات مولانا جمال　　زندہ از گفتار او سنگ سفال

ترک سالار آں حلیم و درد مند　　فکر او مثل مقام او بلند

با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است

ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است (۱۹۴)

یہ مسئلہ وطنیت پر بحث ہوتی ہے اور مسئلہ اشتراکیت بھی زیر بحث آتا ہے۔ جمال الدین اور علامہ کے درمیان یہ گفتگو سعید حلیم پاشا سنتے ہیں۔ سعید حلیم پاشا ''شرق و غرب'' عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیمات سے فیض یاب ہونا چاہیے اور مغرب کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر عشق رسول ﷺ کا جذبہ دلوں میں پیدا کرنا چاہیے اور یہی ان کے لیے صراطِ مستقیم ہے''۔ اگر چہ مغربی علوم سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے مگر قرآنی تعلیمات ضروری ہیں اور امور سلطنت اور باقی ساری زندگی انہی اصولوں کے زیر سایہ بسر کرنی چاہیے تاکہ مسلمانوں کی زندگی ابدی اور روحانی ترقی کے مدارج طے کر سکے۔

غربیان را زیر کی ساز حیات　　شرقیان را عشق راز کائنات
زیر کی از عشق گر در حق شناس　　کار عشق از زیر کی محکم اساس
عشق چوں بازیر کی ہمبر شود　　نقشبند عالم دیگر شود
زندگی را سوز و ساز از نار تست　　عالم نو آفریدن کار تست
چوں مسلمانان اگر داری جگر　　در ضمیر خویش و در قرآن نگر
صد جہاں تازہ در آیات اوست　　عصرہا پیچیدہ در انات اوست
بندۂ مومن ز آیات خداست　　ہر جہاں اندر براو چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآن جہانے دیگرش(۱۹۵)

علامہ اقبال سعید حلیم پاشا کی گفتگو سنتے ہیں اور جمال الدین افغانی سے کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے حقائق سے لوگ بے خبر ہیں۔ جمال الدین افغانی محکمات عالم قرآنی کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔مختلف عنوانات مثلاً خلافت آدم،حکومت الٰہی ارض ملک خداست اور حکمت خیر کثیر است کے موضوعات کو افغانی فکر انگیز اور مجتہدانہ انداز سے پیش کرتے ہیں علامہ کہتے ہیں ان مسائل پر غور کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آتا ہے قوم کیوں زوال پذیر ہے۔ یہاں تک کہ ترک اور کرد وغیرہ باغیرت اقوام بھی بے حس وحرکت ہیں۔اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سعید حلیم پاشا کہتے ہیں:

دین حق از کافری رسوا تر است　　زانکہ ملا مومن کافر گر است
شبنم ما در نگاہ مایم است　　از نگاہ او یم ما شبنم است

زاں سوئے گردون دلش بیگانۂ　　نزد او ام الکتاب افسانۂ
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد　　ملت از قال و اقوالش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ جہاد(۱۹۶)

سر دین حق جاں جہاں چارسوے　　آن بخلوت رفتہ را از من بگوے
اے ز افکار تو مومن را حیات　　از نفسہائے تو ملت را ثبات
حفظ قرآن عظیم آئین تست　　حرف حق را فاش گفتن دین تست
فطرت تو ستیز از مصطفیٰ است
باز گو آخر مقام کجاست

مرد حق از حق پزیرد رنگ و بو | مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو
ہر زماں او را چوحق شانے گرد | ہر زماں اندر تنش جانے دگر
شرح رمز کل یوم باز گوے | رازہا با مرد مومن باز گوے
غیر حق در دل ندارد کارواں | جز حرم منزل ندارد کارواں

من نمی گویم کہ راہش دیگر است
کارواں دیگر نگاہش دیگر است(۱۹۷)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی زبانی ان اصولوں کی وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو لوگوں کی صحیح فکری تربیت نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ مغرب کی تعلیم کو ہر لحاظ سے ہی ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہیں۔ دوسرے وہ ''ملا'' جو دین واسلام کو صحیح ڈھنگ سے پیش نہیں کرتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک مسلمانوں کا مرکز مکہ معظمہ ہے لہٰذا ایک ہی مرکز کی طرف رجوع کرنے سے ہی ملت کا اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔

iv. علامہ اقبال اور ضیا گوک آلپ

ضیا گوک آلپ (۲۳ مارچ ۱۸۷۲ء تا ۲۵ نومبر ۱۹۲۴ء) جدید ترکی کے عظیم مفکر، شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز ہیں۔ ماہر عمرانیات کے حوالے سے ان کا بلند مقام ہے۔ سیاسی رہنما کی حیثیت سے جدید ترکی جمہوریہ کی تعمیر میں انھوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اقبال کا ضیا گوک سے تعارف اکمل ایوبی کے بقول ضیاء کی نظموں کے جرمن تراجم سے ہوا جو جرمن عالم و پروفیسر فیشر نے کئے تھے۔(۱۹۸)

علامہ نے اپنے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن) میں سعید حلیم پاشا اور ضیا گوک آلپ کا ترکوں کی اجتہاد کے حوالے سے بار بار ذکر کیا ہے۔ کہ اس جدید نصب العین کا ایک بڑا واضح تصور ترکی کے وطن پسند شاعر ضیاء کے نغموں میں صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ ضیاء کے اشعار نے ترکوں کے غور و فکر کی تشکیل میں بڑا گہرا حصہ لیا ہے۔(۱۹۹) جدید ترک، عالمگیر خلافت کے تصور کو عملاً ممکن و کامگار نہیں چاہتے تھے۔ گویا وہ ضیا گوگ آلپ کے ہمنوا تھے کہ عالم اسلامی کی یکجہتی کے لیے ضروری ہے کہ مسلم اقوام جہاں جہاں ہیں، وہاں وہاں آزاد ہوں اور قومت حاصل کیں۔ مختلف قومی اسلامی وحدتوں میں جب روحانی قرب نمودار ہوگا تو اتحاد عمل میں آ جائے گا۔ اتحاد محض ایک نمائشی خلیفہ کے تقرر سے عمل میں نہیں آ سکتا۔(۲۰۰)

اقبال اپنے چھٹے خطبے ''اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول'' اسلامی اجتہاد پر بات کرتے ہوئے ترکیہ میں ہونے والی اجتہادی تبدیلیوں کو زیر بحث لاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک ترکوں کا یہ تصور کہ روح اسلام کی رو سے خلافت یا امامت لوگوں کی ایک جماعت یا منتخب اسمبلی کو دی جا سکتی ہے، درست ہے۔ اقبال آفاقی امامت یا آفاقی خلافت سے ''بین الاقوامی آدرش'' (انٹرنیشنل آئیڈیل) پیدا کرنے کے خواہش مند تھے اس سلسلے میں انھیں اسی طرح کا ایک نیا نصب العین ترک قومی شاعر ضیا کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ لہٰذا وہ ضیا کی نظموں میں سے ایک کا مطلب اپنے اسی خطبے میں درج کرتے ہیں۔

> ''اسلام کی با اثر اور حقیقی وحدت تخلیق کرنے کے لیے، پہلے تو مسلم ممالک کو مکمل طور پر خود مختصر بننا ہوگا اور پھر اپنی کلیت میں وہ کسی ایک خلیفہ کے زیر سایہ آ جائیں گی۔ کیا موجودہ لمحے میں ایسی شے ممکن ہے؟ اگر آج یہ ممکن نہیں، تو پھر انتظار کرنا چاہیے، اس دوران میں خلیفہ کو اپنی گھر کی ترتیب کو درست کرنا چاہیے اور کسی ایسی جدید ریاست کی بنیاد رکھنی چاہیے، جو کامیابی سے چلے۔ بین الاقوامی دنیا میں کمزور کے لیے کوئی

ہمدردی نہیں ہے' صرف قوت ہی قابلِ احترام ہے۔'' (۲۰۱)

مذکورہ بالا اشعار کے مفہوم میں اقبال جدید اسلامی دنیا کا رجحان دیکھ رہے تھے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلم کو اپنی خودی میں ڈوب جانا چاہیے۔ اقبال کے نزدیک اسلام نہ تو قوم پرستی ہے اور نہ شہنشاہت بلکہ انجمن اقوام ہے۔ آگے چل کر اسی حوالے سے اقبال ضیا کی ایک اور نظم بعنوان ''مذہب اور سائنس کا حصہ'' سے ایک شعری اقتباس کا مفہوم اپنے اسی خطبے میں بیان کرتے ہیں جس سے اس عمومی مذہبی رویے پر روشنی پڑتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ آج اسلامی دنیا میں صورت پذیر ہو رہا ہے۔

''انسانیت کے اولین روحانی راہنما کون تھے؟ بلاشبہ پیغمبر اور مقدس ہستیاں' ہر دور میں مذہب نے فلسفے کی رہنمائی کی ہے۔ صرف اسی سے اخلاق اور فن نے روشنی پائی' لیکن پھر مذہب کمزور پڑ جاتا ہے اور ابتدائی ولولہ سرد ہو جاتا ہے' مقدس ہستیاں غائب ہو جاتی ہیں اور روحانی رہنمائی اور وہ بھی برائے نام فقہائے قانون کی وراثت بن جاتی ہے' فقہائے قانون کا رہنما ستارا روایت ہے' وہ زبردستی مذہب کو اس پٹڑی پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر فلسفہ کہتا ہے' میرا رہنما استعارہ استدلال ہے' تم سیدھی طرف جاؤ میں الٹے ہاتھ جاؤں گا۔

مذہب اور فلسفہ دونوں انسان کی روح کے دعویدار ہیں اور اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور جب یہ جدوجہد چل رہی ہو تو' تجربے کی کوکھ مثبت سائنس کو جنم دیتی اور فکر کا یہ نوجوان کہتا ہے۔

روایت تاریخ ہے' استدلال تاریخ کا طریق کار ہے۔ دونوں توجیہ کرتے ہیں اور آرزومند ہوتے ہیں' اس شے تک پہنچنے کے جسے بیان نہیں کیا سکتا۔

مگر وہ شے کیا ہے؟

کیا وہ روحانیت سے لبریز دل ہے

اگر ایسا ہے' تو میری بات پلے باندھ لو' مذہب مثبت سائنس ہے' جس کا مقصد انسان کے دل کو روحانیت سے آشنا کرتا ہے۔'' (۲۰۲)

اقبال کے نزدیک مذکورہ بالا مصرعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے خوبصورتی سے ''کومٹے'' کے اس تصور کو انسان کی خرد کی نشوونما کو تین مدارج میں تقسیم کر کے بیان کرتا ہے یعنی دینیاتی' مابعد الطبعیاتی اور سائنسی سے لے کر مذہبی اسلامی نقطۂ نظر تک ۔۔۔۔۔۔ مذکورہ مصرعوں میں مضمر مذہبی تصور شاعر کی اس رویے اساس ہے' جو ترکی کے تعلیمی نظام میں عربی کے نفوذ کی وجہ سے قائم ہوا ہے۔ علامہ نے ضیاء کے ان خیالات کا بھی ذکر کیا ہے' جن میں اس نے اذان و نماز کے ترکی زبان میں تبدیل کیے جانے کی افادیت پر فخر کا اظہار کیا تھا۔ علامہ نے اس اجتہاد کو نا قابلِ اعتراض قرار دیا۔ ہاں انھوں نے اس باب میں ابن تومرت کی مثال دے کر واضح کر دیا کہ اس طرح کی کاروائی عہد ماضی میں بھی ظہور پذیر ہوتی تھی۔ ابن تومرت نے بھی کبھی اپنی مملکت میں قرآن و اذان کو بربری میں رواج دینے کی کوشش کی تھی تاکہ ان پڑھ بربری سوچ سمجھ کر عبادت کر سکیں مگر ظاہر ہے کہ ابن تومرت کا ذکر سے ضیاء کی تائید مراد نہیں۔ (۲۰۳) اسی حوالے سے اقبال یہاں ضیا کی ایک اور نظم کا مفہوم دیتے ہیں۔

''وہ سرزمین جہاں ترکی میں اذان دی جاتی ہے' جہاں نماز ادا کرتے والے' اپنے مذہب کے معانی کو سمجھتے ہیں' وہ سرزمین جہاں قرآن ترکی میں پڑھا جاتا ہے' جہاں ہر آدمی بڑا یا چھوٹا اللہ کے احکام کو پوری

طرح سمجھتا ہے۔اے ترکی کے بیٹوں! وہ زمین تمہارا پدری وطن ہے۔" (۲۰۴)

پروفیسر محمد منور اپنے مضمون "اجتہاد" مشمولہ "دائرہ معارف اقبال" جلد اول میں ضیاء گوک آلپ کے نظریات پر علامہ اقبال کی تنقید کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ نے جہاں ترکوں کی اجتہادی کوششوں کو داد دی ہے وہیں کوئی نہ کوئی انتباہی آواز بھی بلند کر دی ہے۔ چنانچہ وہ ضیاء کے اس بحث پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق وراثت میں منصفانہ تبدیلی کی ضرورت ہے۔علامہ نے ضیاء کے موقف کا مدلل رد پیش کیا ہے۔(۲۰۵)

حواشی وتعلیقات

1. Turk Panorama, Directorate General of Press & Information of the Turkish republic, Ankara, YN, 12

۲۔ ولا ڑون کیئر، مترجمین، مولوی محمد مارماڈک پکھتال ومولوی سید ہاشمی فرید آبادی ''تاریخ دولت عثمانیہ'' جلد اول، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۸ء، صفحہ:۱۰۲

۳۔ اسٹینلے لین پول، مترجم، نصیب اختر ''سلاطین ترکیہ'' ادب منزل، کراچی ۱۹۷۵ء، صفحہ:۱۸

۴۔ ایضاً

۵۔ ابونعیم عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری وعبدالحمید ''تاریخ اسلام'' کتاب منزل، کشمیری بازار لاہور، س ن، صفحہ:۳۶۸

۶۔ ایضاً، صفحہ:۵۳۸

۷۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ''ترکی میں دوسال'' ادارہ ادب وتنقید لاہور ۱۹۸۶ء، صفحہ:۱۱۱

۸۔ ولیم سپنسر، مترجم، غلام رسول مہر ''ترکی سرزمین اور باشندے'' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۳ء، صفحہ:۱۱۳

۹۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ''ترکی میں دوسال'' صفحہ:۱۱۲

10. David Hotham: The Turks; London, john Murray, 1972, P 136

۱۱۔ اناطولیہ(Anatolia) ترکی لفظ اناطولو(Anadolu) کا مترادف ہے۔ترکی زبان میں اناطولو سے مراد ''مشرقی ترکیہ'' (باؤں سے بھرا) ہے۔

12. Hattians

13. Phyrgians

۱۴۔ لاطینی حروف تہجی پر مبنی نئے حروف تہجی کو تیار کرنے اور ترکی زبان میں اصلاحات کرنے کے لیے ۱۹۳۲ء (انقرہ) میں بنایا گیا ادارہ ''ترک دل کھر دمو'' (Turk dil Kurumu) جس کا مخفف TDK ہے۔

۱۵۔ظفر حسن ایبک'' خاطرات''، مرتبہ: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور صفحہ:۳۳۴

۱۶۔ جے آر پوری ٹی آر۔ شگاری'' سائیں بلھے شاہ'' فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۹ء، صفحہ:۳۴

۱۷۔ ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی'' جدید ترکی میں اسلامی بیداری'' اسلام پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۹ء، صفحہ:۳۴

۱۸۔ شورش کاشمیری، مولانا ظفر علی خاں، ادارہ چٹان لاہور ۱۹۵۷ء، صفحہ:۴۹

۱۹۔ نعیم کمال، ڈاکٹر، اوکے، تحریک خلافت، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ:۴۹

۲۰۔ پیسہ اخبار، ۹ جولائی ۱۹۱۶ء، ڈاکٹر نعیم کمال، صفحہ:۷۲

۲۱۔ حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی یونیورسٹی، صفحہ:۹۴

۲۲۔ محمد علی چوہدری، ظہور پاکستان، مکتبہ کارواں لاہور ۱۹۸۵ء، صفحہ:۳۸

۲۳۔ اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر، ملت اسلامیہ، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ء، صفحہ:۳۶۱

۲۴۔ محمد صدیق ندیم، پاکستان کی خارجہ پالیسی اور عالمی تقاضے، گوتم پبلشرز لاہور ۱۹۹۵ء، صفحہ:۱۳۲

۲۵۔ ایضاً، صفحہ:۱۵۳

۲۶۔ ایضاً، صفحہ:۲۱۳

۲۷۔ احمد شجاع پاشا، پاکستان کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلشرز لاہور ۱۹۹۰ء، صفحہ:۲۰۹

28. Pakistan News, Digest, Karachi, July 15, 1951

۲۹۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹ جولائی ۱۹۵۱ء

۳۰۔ محمد صدیق ندیم، لاہور ۱۹۹۵ء، صفحہ:۱۵۱

۳۱۔ ایضاً، صفحہ:۱۵۲

۳۲۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور (اداریہ پاکستان اور مسئلہ قبرص) ۳ جولائی ۱۹۵۴ء

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ اردو ویکیپیڈیا (حرف ت) ۳فروری ۲۰۱۳ء۔

۳۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد ۶، طبع اول ۱۹۶۲ء، صفحہ:۲۳۰

۳۶۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۹ء صفحہ:۳۳۴

۳۷۔ ایضاً صفحہ:۳۳۴

۳۸۔ اسٹینلے لین پول، مترجم نصیب اختر "سلاطین ترکیہ" صفحہ:۳۳۳

39. Facts about Turkey. P 430

۴۰۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ:۳۳۴

۴۱۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ:۳۳۵

42. Facts About Turkey, P 425

۴۳۔ اسٹینلے لین پول، مترجم نصیب اختر "سلاطین ترکیہ" صفحہ:۳۳۹۔۳۳۸

۴۴۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ:۳۳۸

۴۵۔ اسٹینلے لین پول، مترجم نصیب اختر "سلاطین ترکیہ" صفحہ:۳۳۶۔۳۴۴

۴۶۔ ایضاً صفحہ:۳۴۷

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ کرنل (ر) مسعود اختر شیخ "جدید ترکی ادب۔ایک تعارف" مشمولہ سہ ماہی "دستاویز" راولپنڈی دسمبر ۱۹۸۵ء صفحہ:۲۷۷

۴۹۔ ایضاً صفحہ:۲۷۹

۵۰۔ ایس۔ایم شاہد "تاریخ ترکیہ" صفحہ:۳۸۳

۵۱۔ ڈاکٹر ریاض الحسن "جدید ترکی ناول" مشمولہ مجلہ "ہم قلم" کراچی ۱۹۶۲ء صفحہ:۱۱

۵۲۔ ایس۔ایم شاہد، تاریخ ترکیہ صفحہ:۳۸۷

۵۳۔ اکمل ایوبی "ترکی" دہلی ۱۹۸۰ء، صفحہ:۳۰۶ مزید دیکھیں: Turkey, D.G. of Press & Information, P 212

۵۴۔ اکمل ایوبی "ترکی" صفحہ:۳۰۳

۵۵۔ ناظم حکمت، مترجم اشعار، کوثر بشیر احمد، مشمولہ ماہنامہ "دائرے۔ترکی نمبر" کراچی، جلد ۳ شمارہ ۷ جنوری ۱۹۹۰ء صفحہ:۵۲

۵۶۔ اسٹینلے لین پول، مترجم نصیب اختر "سلاطین ترکیہ" صفحہ:۳۵۲

۵۷۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ:۳۵۳

58.Dr. Erkan Turkmen: sejjad Haydar Yildirim's Translations- A Comparative Study; Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna 1986

۵۹۔ ڈاکٹر ریاض الحسن "جدید ترکی ناول" صفحہ:۱۳

۶۰۔ کرنل (ر) مسعود اختر شیخ "جدید ترکی ادب۔ایک تعارف" صفحہ:۲۷۸

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ کوثر بشیر احمد، مترجم انجم سید، مشمولہ "دائرے۔ترکی نمبر" صفحہ:۷۷

۶۳۔ ڈاکٹر ریاض الحسن "جدید ترکی ناول" صفحہ:۱۵

64. Turkey, Directorate General of Press and Information, Ankara, 1993, Page: 213

۶۵۔ اشتیاق حسین قریشی، تاریخ پاکستان، صفحہ:۱۸۶

۶۶۔ ایضاً، صفحہ:۱۸۶

۶۷۔ ایضاً،صفحہ:

68. Abdul Hamid (Prof.), Muslim Separatism in India: A brief survey, 1858-1970, Oxford university press.1967, Page 134

69. = do =, Page 125

70. = do =, Page 136

71. = do =,

72. Poul Ernest Roberts, Histry of British India under the Company and the crown, Oxford university press, London, Page 579

۷۳۔ اشتیاق حسین قریشی،تاریخ پاکستان،صفحہ:۱۸۷

۷۴۔ افضل اقبال،محمد علی جوہر،صفحہ:۱۵۱

۷۵۔ اشتیاق حسین قریشی،تاریخ پاکستان،صفحہ:۱۸۷

۷۶۔ سید نور احمد،مارشل لاء سے مارشل لاء تک،صفحہ:۲۷

77. Abdul Hamid (Prof.), Muslim Separatism in India: A brief survey, 1858-1970, Page 152

78. = do =, page 153

79. = do =, page 152

80. = do =, page 153

۸۱۔ ڈاکٹر نثار احمد اسرار،"ترکی میں تحریک خلافت کی صدائے بازگشت"مطبوعہ روزنامہ"مشرق"لاہور۱۲دسمبر۱۹۸۸ء

۸۲۔ اشتیاق حسین قریشی،تاریخ پاکستان،صفحہ:۱۸۷

۸۳۔ خلیل اللہ خاں،تحریک پاکستان،صفحہ:۱۳۵

۸۴۔ ایضاً،صفحہ:

۸۵۔ سید نور احمد،مارشل لاء سے مارشل لاء تک،صفحہ:۳۳

۸۶۔ شفیق احمد،ڈاکٹر،"اقبال اور ترکی"،ضیائے ادب،لاہور،۱۹۸۸ء،صفحہ:۹۳

۸۷۔ محمد اقبال،"کلیات اقبال۔اردو"،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،جنوری۱۹۷۹ء،صفحہ:۲۸۱

۸۸۔ فرمان فتح پوری،"اقبال سب کے لیے"اردو اکیڈمی سندھ،کراچی۱۹۷۸ء،صفحہ:۱۲۳

۸۹۔ مطبوعہ درSociological review،لندن،۱۹۰۸ء

۹۰۔ محمد اقبال،"کلیات اقبال۔فارسی"،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،فروری۱۹۷۳ء،صفحہ:۷۹۲

۹۱۔ محمد اقبال،"کلیات اقبال۔اردو"،صفحہ:۲۹۵

۹۲۔ مشمولہ سید عبدالواحد،مرتب:"Thoughts and Reflections of Iqbal"،(فلسفۂ عجم)ترجمہ:میر حسن الدین،لاہور۱۹۵۲ء،صفحہ:۲۵۷،۲۹۰

۹۳۔ اقبال،"تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ"ترجمہ نذیر نیازی(لاہور۱۹۵۹ء)صفحہ:۲۳۳۔

۹۴۔ اقبال،"خلافت اسلامیہ"مشمولہ سید عبدالواحد معینی مرتب"مقالات اقبال"(لاہور۱۹۶۳)صفحہ:۱۵۵۱۔۱۵۳اورغیرہ

۹۵۔ ایضاً،صفحہ:۹۰

۹۶۔ محمد اقبال،"کلیات اقبال۔فارسی"،صفحہ:۱۸۹

۹۷۔ اقبال،"مکاتیب اقبال بنام گرامی"(کراچی۱۹۲۲)صفحہ:۲۲۲

۱۰۳۔ شیخ عطاء اللہ،"اقبال نامہ"،مرتب،مکتوبات اقبال،جلد دوم،شیخ محمد اشرف،کشمیری بازار،لاہور،۱۹۵۱ء،صفحہ:۲۷۳

۱۰۳- ایضاً،صفحہ:۲۸۱_۲۸۲

۱۰۵- لطیف احمد شیروانی،مرتب، حرفِ اقبال،علامہ اقبال یونیورسٹی اسلام آباد،۱۹۹۸ء،صفحہ:۱۵۶

۱۰۶- ایضاً،صفحہ:۱۵۶

۱۰۷- ایضاً،صفحہ:۱۵۸

۱۰۸- غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،"اقبال ایک مطالعہ"،بزمِ اقبال،لاہور،۱۹۸۷ء،صفحہ:۱۹۵

۱۰۹- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۶۲۱

۱۱۰- ایضاً،صفحہ:۲۶۳

۱۱۱- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۱۹۷

۱۱۲- ایضاً،صفحہ:۲۰۶

۱۱۳- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۲۱۶_۲۱۷

۱۱۴- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔فارسی"صفحہ:۱۸۸

۱۱۵- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۲۵۷

۱۱۶- ایضاً،صفحہ:۲۹۳

۱۱۷- محمد شفیق،ڈاکٹر"اقبال اور ترکی"صفحہ:۹۳

۱۱۸- فرمان فتح پوری،ڈاکٹر"اقبال سب کے لیے"صفحہ:۱۲۳تا۱۳۲

۱۱۹- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۲۵۳

۱۲۰- محمد یعقوب مغل،ڈاکٹر"اقبال اور ترکی"اقبال ریویو حیدرآباد جنوری۱۹۸۳ء صفحہ:۲۱

۱۲۱- علامہ محمد اقبال،مترجم سید نذیر نیازی"تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ"صفحہ:۲۵۰

۱۲۲- فرمان فتح پوری،ڈاکٹر"اقبال سب کے لیے"صفحہ:۱۸۱

۱۲۳- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۲۶۷

۱۲۴- غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر"اقبال ایک مطالعہ"صفحہ:۱۸۶

۱۲۵- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۲۶۸

۱۲۶- ایضاً،صفحہ:۲۷۳

۱۲۷- ایضاً،صفحہ:۲۷۱

۱۲۸- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو" صفحہ:۲۹۹

۱۲۹- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔فارسی"صفحہ:۳۳۵

130. H.C Armstrong: Grey Wolf; Gosha-eAdab Quetta 1978, P290

۱۳۱- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔فارسی"صفحہ:۳۰۸،(یہاں پہلا شعر اقبال کا اور دوسرا شعر نظیری کا ہے۔)

132. H.C Armstrong: Grey Wolf; P290

۱۳۳- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔فارسی"صفحہ:۳۳۶

۱۳۴- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔اُردو"صفحہ:۳۷۱

۱۳۵- ایضاً صفحہ ۶۳۰

۱۳۶- علامہ محمد اقبال" کلیاتِ اقبال۔فارسی"صفحہ:۶۵۳

۱۳۷- شیخ عطاء اللہ،"اقبال نامہ"،صفحہ:۷۶_۷۷

۱۳۸۔ عبدالسلام خورشید' 'سرگزشت اقبال' 'اقبال اکادمی لاہور، طبع دوم،۱۹۹۶ء، صفحہ:۱۱۹۔۱۲۰

۱۳۹۔ رضازادہ شفق' ڈاکٹر' تاریخ ادبیات ایران' صفحہ:۳۵۵

۱۴۰۔ ایضاً' صفحہ:۳۵۴

۱۴۱۔ ایضاً' صفحہ:۳۵۴

۱۴۲۔ ایضاً' صفحہ:۳۵۷،۳۵۸

۱۴۳۔ رضازادہ شفق' ڈاکٹر' تاریخ ادبیات ایران' صفحہ:۳۶۲

۱۴۴۔ ایضاً' صفحہ:

۱۴۵۔ ڈاکٹر سید عبداللہ' مطالعۂ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام' مشمولۂ اوصاف اقبال' مرتبہ بہار الہ آبادی' صفحہ:۲۳۲

۱۴۶۔ محمد اقبال' 'کلیات اقبال۔فارسی' 'صفحہ:۹

۱۴۷۔ رضازادہ شفق' ڈاکٹر' تاریخ ادبیات ایران' صفحہ:۳۶۳

۱۴۸۔ اعجاز الحق قدوسی' اقبال کے محبوب صوفیاء' صفحہ:۱۶۳' بحوالہ سوانح مولانا روم از شبلی نعمانی' صفحہ:۳۸۔۴۱

۱۴۹۔ فقیر سید وحیدالدین' روزگار فقیر' جلد اول' صفحہ:۳۳

۱۵۰۔ شیخ عطاءاللہ' 'اقبالنامہ جلد اول' 'شیخ محمد اشرف کتب، کشمیری بازار لاہور،۱۹۹۱ء، صفحہ:۲۷۔۲۸

۱۵۱۔ محمد اقبال' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۳۳۰۔۳۳۱

۱۵۲۔ ایضاً، صفحہ:۳۳۰

153. Mehmet Önder: Turkce ikbaliyat, iqbal academy lahore, 1993, sayfa 105

۱۵۴۔ سید نذیر نیازی: 'مکتوبات اقبال' '، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، صفحہ:۲۵۶

۱۵۵۔ ایضاً، صفحہ:۹۸

۱۵۶۔ محمد اقبال' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۳۲۷۔۳۲۷

۱۵۷۔ ایضاً،

۱۵۸۔ایضاً،

۱۵۹۔ محمد اقبال:' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۵۸۳

۱۶۰۔ میاں بشیر احمد' مولانا روم اور اقبال' مشمولۂ اوصاف اقبال' مرتبہ بہار الہ آبادی' صفحہ:۵۰

۱۶۱۔ یوسف سلیم چشتی' شرح جاوید نامہ اول' صفحہ:۱۱

۱۶۲۔ محمد اقبال:' 'کلیات اقبال۔فارسی' 'صفحہ:۵۹۹

۱۶۳۔ ایضاً، صفحہ:۲۰۷

۱۶۴۔ ڈاکٹر سید عبداللہ' مطالعۂ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام' صفحہ:۲۳۲

۱۶۵۔ محمد اقبال' 'کلیات اقبال۔فارسی' 'صفحہ:۲۷۶

۱۶۶۔ محمد اقبال:' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۳۳۱

۱۶۷۔ ایضاً، صفحہ:۱۲۳

۱۶۸۔ محمد اقبال' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۳۰۹

۱۶۹۔ محمد اقبال:' 'کلیات اقبال۔اردو' 'صفحہ:۳۴۸

۱۷۰۔ محمد اقبال:' 'کلیات اقبال۔فارسی' 'صفحہ:۸

۱۷۱۔ ایضاً، صفحہ:۸۵۵

۱۷۲۔ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔فارسی''، صفحہ:۸

۱۷۳۔ ایضاً، صفحہ:۹۳۸

۱۷۴۔ ایضاً، صفحہ:۹۵۷

۱۷۵۔ ایضاً، صفحہ:۹۵۹۔۹۶۰

۱۷۶۔ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔اردو''، صفحہ:۴۸۵

۱۷۷۔ علی نہاد تارلان، محمد عاکف، اردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد صابر، لاہور ۱۹۷۰ء، صفحہ:۱۱۰

۱۷۸۔ ثروت صولت، ترکی کا شاعر اسلام محمد عاکف ارصوئی، مطبوعہ المعارف، لاہور۔جنوری۔فروری ۱۹۷۴ء

۱۷۹۔ ثروت صولت، عاکف اور اقبال، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد۔اگست ۱۹۷۰ء

۱۸۰۔ ثروت صولت، ترکی اور ترک، صفحہ:۳۱۱

۱۸۱۔ عبدالوہاب عزام، محمد اقبال سیرتہ و فلسفہ و شعرہ (عربی) مطبوعات پاکستان، طبع ۱۹۵۴ء، صفحہ:۵۴۳۔

182.Tansel,Fevzia Abdullah:Mehmet Akif Ersoy,istanbul 1973,sayfa 123

۱۸۳۔ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔فارسی''، صفحہ:۳۲۷

۱۸۴۔ محمد عاکف ارصوئی، صفحات، صفحہ:۵۱۵

۱۸۵۔ محمد ریاض، ڈاکٹر: ''اقبال اور سعید حلیم پاشا'' اقبال ریویو۔جنوری ۱۹۷۱ء، ایوانِ اقبال لاہور، صفحہ:۴۹

۱۸۶۔ ایضاً، صفحہ:۵۱

۱۸۷۔ ایضاً، شمارہ۴، صفحہ:۵۱

۱۸۸۔ ایضاً، صفحہ:۵۱

۱۸۹۔ ایضاً، صفحہ:۵۱

۱۹۰۔ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم نذیر نیازی، صفحہ:۲۵۶

۱۹۱۔ معین الدین عقیل، بعض شخصیات و تحریکات سے اقبال کی دلچسپی مشمولہ اقبال ۸۶، مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت، صفحہ:۱۸۱

۱۹۲۔ محمد ریاض، ڈاکٹر: ''اقبال اور سعید حلیم پاشا'' اقبال ریویو۔جنوری ۱۹۷۱ء، صفحہ:۵۳

۱۹۳۔ کلیات اقبال، فارسی حصہ، جاوید نامہ (فلک عطارد) صفحہ:۵۴

۱۹۴۔ ایضاً، صفحہ:۵۴

۱۹۵۔ محمد اقبال ''کلیات اقبال۔فارسی''، صفحہ:۶۰

۱۹۶۔ ایضاً، صفحہ:۶۸۔۶۹

۱۹۷۔ ایضاً، صفحہ:۷۰

۱۹۸۔ اکمل ایوبی، مرتبہ، ضمیر احمد صدیقی ''ارمغانِ فاروقی'' دہلی ۱۹۸۷ء، صفحہ:۲۵۹

۱۹۹۔ سید نذیر نیازی، ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ''، صفحہ:۳۳۵

۲۰۰۔ دائرہ معارف اقبال، جلد اول، شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء، صفحہ:۱۸۰

۲۰۱۔ علامہ محمد اقبال، اسلامی فکر کی نئی تشکیل، مترجم، شہزاد احمد، مکتبہ خلیل لاہور۔۲۰۰۵ء، صفحہ:۱۸۹

۲۰۲۔ بحوالہ ایضاً، صفحہ:۱۹۰

۲۰۳۔ بحوالہ ایضاً، صفحہ:۱۹۵

۲۰۴۔ علامہ محمد اقبال، اسلامی فکر کی نئی تشکیل، مترجم، شہزاد احمد، صفحہ:۱۹۱

۲۰۵۔ دائرہ معارف اقبال، جلد اول، شعبہ اقبالیات، صفحہ:۱۸۲

﴿باب دوم﴾

ترکیہ میں اقبال شناسی کی روایت

(الف) ترکیہ جمہوریہ (ب) ترکیہ میں ترجمے کی اہمیت وروایت

(ج) ترکیہ میں اقبال شناسی اور تراجم کلامِ اقبال کی روایت (د) رسائل "اقبال نمبر"

i. پاکستان پوستاسی ii. پاکستان پوستاسی۔اقبال نمبر۔نومبر ۱۹۷۷ء iii. ترکچے 1993ء

(ر) ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن

i. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔استنبول ii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔انقرہ

iii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔قونیہ

(س) یومِ اقبال/سیمینار

(ص) ترک اقبال شناس ــــــــ ایک مختصر تعارف

1. احسان علی آچق (ihsan Eliaçik)
2. احمد البائراق ڈاکٹر (Dr. Ahmed Al-bayrak)
3. احمد متین شاہین (Ahmet Matin Şahin)
4. اسماعیل حبیب سیووک (ismail Habib Sevuk)
5. ایس۔محمت آئدن (S. Mehmet Aydin)
6. بشیر آئے وازاوغلو (Besir Ayvazoglu)
7. بصری گوجل (Basri Gocul)
8. جلال سوئیدان (Cilal Soydan)
9. جودات قلیچ (Cevdat Kiliç)
10. حسین حاتمی (Huseyin Hatemi)
11. خلیل طوق اَر (Halil Toker)
12. رمضان تونچ (Ramzan Tunc)
13. سنائل اوزکان (Senail Özkan)
14. صلاح الدین یاشار (Selahaddin Yaşar)
15. صوفی حوری (Sofi Huri)
16. علی علوی قوروجو (Ali Ulvi Kurucu)
17. علی گینجلی (Ali Genceli)
18. عبدالقادر قراہ خان (Abdul kadar karahan)
19. علی نہاد تارلان (Ali Nihad Tarlan)
20. عیسیٰ چلیق، ڈاکٹر (Dr. isa Çalik)
21. قول سعدی یوکسل (Kul Sadi Yuksal)
22. محمت اوندر (Mehmet Önder)
23. محمت علی اوزکان (Mehmet Ali Özkan)
24. ولی اورخان (Veli Orhan)
25. محمد فتح اللہ گولین (Muhammad Fatehiullah Güllen)
26. یوسف قاپلان (Yusuf Kaplan)
27. یاشار نوری اوزترک (Yasar Nuri Özturk)

(ط) غیر ترک اقبال شناس ــــــــ ایک مختصر تعارف

آنا میری شمل، ڈاکٹر
جاوید اقبال (جسٹس ریٹائرڈ)
محمد خان کیانی
مسعود اختر شیخ، کرنل (ر)
نثار احمد اسرار، ڈاکٹر

(الف) ترکیہ جمہوریہ

ترکی یورپ اور ایشیا کے براعظموں میں واقع ایک ایسا ملک ہے جو جزیرہ نما اناطولیہ میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے یہ ملک آٹھ ممالک میں گھرا ہوا ہے۔ قبرص اس کے جنوب میں، بحرہ ایجیئن اس کے مغرب میں اور بحر مردار اس کے شمال میں واقع ہے۔ ترکیہ جمہوریہ ترکوں کی غالباً ۱۷ اویں ریاست ہے۔ اس سے پیشتر ترکوں کی ہُن، گوک، عوعز، قرہ خانی، غزنوی، سلجوقی، خوارزمی، تیموری اور عثمانی سلطنتیں آٹھویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے تک قائم رہیں (۱)۔ ترکیہ جمہوریہ کا تین فیصد حصہ یورپ اور ۹۷ فیصد حصہ ایشیا میں ہے۔ یورپی حصہ تراکیہ (تھریس) کہلاتا ہے اور ایشیائی حصہ اناطولیہ کہلاتا ہے۔ (۲) ان دونوں حصوں کو آبنائے باسفورس الگ کرتی ہے۔ ترکی کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل ہے۔ ترکی کی آبادی تقریباً سات کروڑ ہے۔ نوے فیصد آبادی کی زبان ترکی ہے جبکہ سات فیصد کی زبان کردی ہے۔ جنوب مشرقی اناطولیہ میں ایک فیصد کے قریب عرب نژاد ترک آباد ہیں۔

ترکی کو سات ارضیاتی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جبکہ انتظامی طور پر ۸۰ صوبے بنائے گئے ہیں (۳)۔ ہر صوبے کا والی (گورنر) مقرر ہوتا ہے۔ انقرہ ترکی کا دارالحکومت اور استنبول تاریخی و ثقافتی شہر ہے جبکہ قونیہ میں مولانا جلال الدین رومی کا مزار اقدس واقع ہے۔ اس کے علاوہ ازمیر، ادرنہ، برصہ، اناطولیہ، سیواس اور دیار باقر مشہور شہر ہیں۔

اتاترک کی راہنمائی میں نئی تشکیل شدہ "بیوق ملت مجلسی" (گرانڈ نیشنل اسمبلی) نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ترکیہ کو جمہوریہ بنانے اور ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء کو اس اسمبلی نے مصطفیٰ کمال پاشا کو جمہوریہ کا پہلا صدر منتخب کیا۔ اقتدار سنبھالتے ہی انھوں نے ترکی کو ایک سیکولر ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جمہوریت کے ابتدائی دور میں "خلق پارٹی" کی حکومت تھی۔ مصطفیٰ کمال خلق پارٹی، گرانڈ نیشنل اسمبلی اور حکومت کے سربراہ تھے۔ (۴) بین الاقوامی سطح پر ترکیہ جمہوریہ دوسری عالمی جنگ کے بعد مغرب کا حلیف بنا، ۱۹۵۲ء میں نیٹو میں شمولیت اختیار کی اور ۱۹۵۵ء میں معاہدہ بغداد ہوا بعد ازاں وہ سنٹو کا ممبر بن گیا۔

ترکی میں ڈیموکریٹ پارٹی کی بنیاد ۱۹۴۶ء میں پڑی۔ یہ پارٹی جو کمال اتاترک کے سیکولر نظریات کے خلاف تھی، جلد ہی ملک بھر میں مقبول ہو گئی۔ ۱۹۵۰ء کے انتخابات میں پارٹی نے ۵۴ فیصد ووٹ حاصل کیے۔ اتاترک کے نظریات میں تحریف، بڑھتی ہوئی مہنگائی اور سیاسی عدم توازن کی بناء پر فوج نے ۲۷ مئی ۱۹۶۰ء کو اقتدار پر قبضہ کر کے قومی اسمبلی توڑ دی۔ ڈیموکریٹک پارٹی کی حکومت ختم کر دی گئی۔ افواج کے سربراہ جنرل جمال گورسل جو کہ چند روز پیشتر اپنے سیاسی اصلاحات کے مطالبات پورے نہ ہونے کی بناء پر احتجاجاً استعفیٰ دے چکے تھے، انقلابی کمیٹی کے چیئرمین بنا دیے گئے۔ سابق برسر اقتدار جماعت کے سینکڑوں ارکان پر مقدمات چلائے گئے۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ایک انقلابی عدالت نے ۱۱۵ افراد کو موت کی سزا سنائی۔ اس فیصلے کے مطابق سابق وزیر اعظم عدنان مندریس کو بھی تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بارہ افراد کی سزائیں عمر قید میں بدل گئیں۔ ان میں سابق صدر ترکی جلال بایار بھی شامل تھے۔

ترکی میں فوجی انقلاب کے بعد کوئی سیاسی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اگرچہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں فوج کے اندر بھی بغاوتیں ہوئیں لیکن انھیں جلد ہی کچل دیا گیا۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۱ء تک مخلوط حکومتیں بنتی رہیں۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں افواج کے سربراہ آف جنرل سٹاف نے ایک میمو رینڈم پیش کیا جس کے نتیجے میں اس وقت کے وزیر اعظم سلیمان ویمرل نے استعفیٰ دے دیا۔ ملک میں بحرانی کیفیت پھر بھی جاری رہی۔ مختلف سیاسی عناصر میں مسلح تصادم روزمرہ کا معمول بن گیا۔ کمیونسٹ اور دوسرے تخریب کار عناصر کے ہاتھوں قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ سیاسی عدم استحکام اس حد تک پہنچ گیا کہ صدر کورو ترک کی معیاد ختم ہوئی تو نیشنل اسمبلی نیا صدر چننے میں ناکام رہی۔ سیاسی ابتری کے ان حالات میں فوج کو ایک مرتبہ پھر ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو فوج کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا پڑی۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل کے فوجی افسروں نے جنرل

کنعان ایورن کو ملک کا سربراہ مقرر کیا اس فوجی انقلاب کے بعد سیاسی قتل اور تخریب کاری میں کافی حد تک کمی آ گئی۔ کنعان ایورن اکتوبر ۱۹۸۹ء تک برسر اقتدار رہے۔ ترگت اوزال جو اس سے پہلے ملک کے وزیر اعظم تھے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لے کر ملک کے سویلین صدر منتخب ہو گئے۔ جون ۲۰۰۲ء میں وزیر اعظم بلند ایجوت نے اپنی شدید علالت کے باوجود اقتدار چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پسند حزب اختلاف مزید مضبوط ہو گئی۔ علاوہ ازیں تین سیاسی جماعتوں کی کولیشن وزارت بھی بعض وزیروں کے استعفیٰ کے بعد ختم ہو گئی۔ چنانچہ نومبر ۲۰۰۲ء میں عام انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں اسلام پسند جماعت برسر اقتدار آئی۔ موجودہ صدر عبداللہ گل ہیں جنھیں ۲۸ اگست ۲۰۰۷ء کو منتخب کیا گیا موجودہ وزیر اعظم رجب طیب اردغان ہیں، جو مسلسل دوسری بار وزیر اعظم بنے ہیں ان کی جماعت نے ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۷ء کے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی تب سے ترکی میں سیاسی حکومتیں عوام کی ترقی کے کاموں میں مصروف ہیں۔(۵)

وسائل

زراعت: ترکیہ بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ ۷۰ فیصد سے زیادہ آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔ ملک کی آب و ہوا مختلف قسم کی اجناس کی پیداوار کے لیے موافق ہے اہم اجناس گندم، کپاس، پھل اور تمباکو ہیں۔ ملک کا وسطی حصہ اناج کا پیداواری علاقہ ہے۔ جہاں جدید مشینوں اور آلات سے کاشتکاری ہوتی ہے۔ مویشی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ سائنسی اصولوں پر افزائش نسل کے لیے شرقی اناطولیہ میں مویشیوں کے فارم بنائے گئے ہیں۔ جانوروں کے ریشے اور کھالیں ملکی تجارت کا اہم حصہ ہیں۔ ترکی دنیا میں اعلیٰ قسم کی پشم کے لیے مشہور ہے جو انقرہ کی ایک بکری ''انگورہ کیچی'' سے حاصل کی جاتی ہے۔ جنگلات ایک بڑا اقتصادی وسیلہ ہیں جو ملک کے ایک چوتھائی حصہ میں پائے جاتے ہیں۔

ترکی میں ۱۹۴۵ء میں زرعی اصلاحات کی گئیں۔ ''قانون اراضی'' کی تقسیم کو بہتر بنایا گیا' ترکی میں چھوٹی کاشتکاری کی روایت ہے۔ ۴۳۵ ملین ایکڑ زرعی زمین میں سے ۴۲ ملین ایکڑ چھوٹے کاشتکاروں کی ملکیت ہے جبکہ بڑے اور درمیانے درجے کے زمینداروں کی تعداد کم ہے۔ اس قانون کے تحت ۱۹۵۰ء میں چھبیس لاکھ چون ہزار ایکڑ زمین ایسے کاشتکاروں کو دی گئی جن کے پاس یا تو زمین بہت کم تھی یا تھی ہی نہیں۔ یہ اراضی کچھ تو پرائیویٹ ملکیت میں تھی' کچھ اوقاف کے پاس تھی اور زیادہ تر حکومت کی تحویل میں تھی۔ ایک عام کسان کے پاس اوسطاً ۱۰ سے ۱۳۰ ایکڑ زرعی زمین ہے۔ اس لحاظ سے ترکیہ میں دوسرے ہمسایہ ممالک کی نسبت زمین کی تقسیم کہیں زیادہ منصفانہ ہے(۶)۔

صنعت و حرفت اور معدنیات: ترکیہ میں معدنیات کے بہت سے ذخائر ہیں، بعض ذخائر سے استفادہ کیا جا رہا ہے جس کے معیشت پر اثرات نمایاں ہو رہے ہیں۔ بعض معدنیات کے ذخیرے ذرائع آمد و رفت میں کمی کی وجہ سے ابھی استعمال میں نہیں آ رہے۔ اہم معدنیات میں لوہا، کوئلہ، کرومائیٹ، مینگنیز، پارہ، باکسائیٹ، سرمہ، سنگ مرمر وغیرہ شامل ہیں۔ ترکی میں تیل ۱۹۶۲ء میں دریافت ہوا۔ جمہوریہ کے قیام کے بعد ملک میں جدید صنعت کی ابتدا ہوئی۔ پہلے پارچہ بافی کی صنعت اور پھر باقی صنعتیں قائم کی گئیں۔ ان میں بڑی صنعت لوہا اور فولاد، کیمیکلز، موٹر گاڑیاں، تیل کی مصنوعات، کاغذ اور سیمنٹ ہیں۔ انقرہ اور استنبول صنعت کے دو بڑے مراکز ہیں۔

سیاحت: ترکی ایک خوبصورت ملک ہے جہاں مختلف تہذیبوں کے تاریخی آثار موجود ہیں۔ ہر سال دنیا بھر سے آٹھ لاکھ سے زائد سیاح ان مقامات کو دیکھنے آتے ہیں(۷)۔ ترکی میں سیاحت کو انڈسٹری کا درجہ حاصل ہے۔ جس سے ترکی کو خاطر خواہ زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا حکومت نے سیاحوں کے لیے ہر ممکن سہولت کا بندوبست کر رکھا ہے۔

تہذیب و ثقافت: ترک ثقافت بہت ہمہ جہت ہے۔ اس میں کئی اور عناصر قدیم ترک اقوام مثلاً سلجوقی، عثمانی اور اناطولیائی روایات شامل

ہیں۔ان کی اس ملی جلی ثقافت کا آغاز تب ہوا جب ترک وسطی ایشیا سے مغرب کی جانب آئے اور مختلف تہذیبوں سے ان کا پالا پڑا جو ان کے راستے میں موجود تھیں۔ چونکہ بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی ایک مذہبی سے ایک سیکولر ریاست میں تبدیل ہوئی جہاں مذہب اور ریاست میں تفریق پیدا ہو گئی۔وہیں ترکیہ کے علوم وفنون میں اس تبدیلی کے اثرات نظر آنے لگے۔جمہوریت کے قیام کے ابتدائی چند سالوں میں ہی ریاست نے کئی عجائب گھر،تھیٹر اور دوسرے فن تعمیر کے نمونے بنانے کے لیے خاصی رقم مختص کی۔تاریخی ثقافت کے عناصر بھی جدید ترکی کی پہچان اور ارتقاء میں کارفرما ہے۔ترک میوزک اور ادب پر مغربی ثقافتی عناصر کا اثر بڑھ گیا۔اس کی بڑی وجہ سلطنت عثمانیہ اور عالم اسلام کے یورپ کے ساتھ تعلقات قائم ہونا ہے۔عثمانی دور میں ترک ادب پر فارسی اور عربی ادب کا گہرا اثر رہا ہے۔ثقافت ترکیہ میں مغربی ثقافت کے ملاپ سے جو تہذیب پروان چڑھ رہی ہے اس پر کئی ڈرامے بھی بنائے گئے جس کی مثال اورحان پامک کے ڈراموں میں دیکھی جا سکتی ہے۔(۸)

ترکیہ کی آثار قدیمہ کی عمارتیں عربی،ایرانی اور ترکی کے تہذیبی امتزاج کی عکاس ہیں۔بازنطینی فن تعمیر کے نمونوں کے علاوہ عثمانی دور کی عمارات بھی ملتی ہیں جو اس علاقے کی آبائی اور اسلامی فن تعمیر کے ملاپ کو ظاہر کرتی ہیں۔اٹھارہویں صدی میں بننے والی عمارات مثلاً ڈولما باغیچے اور شاہی محلات مشرقی اور مغربی فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہیں۔

(ب) ترکی میں ترجمے کی اہمیت وروایت

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی ترقی نے پوری دنیا کو ایک عالمی گاؤں بنادیا ہے۔ ایسے میں قوموں کے درمیان رابطے کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ ہر ملک وقوم کی اپنی الگ زبان ہے۔ لہٰذا ان کے آپس کے رابطے میں سب سے بڑی آسانی اور بیک وقت رکاوٹ بھی یہی زبان بنتی ہے۔ یہ رکاوٹ ترجمے کے ذریعے دور کی جاسکتی ہے۔

زبان کا ترجمہ بنیادی طور پر دو مختلف تہذیبوں کے درمیان ایک پل کا کام سرانجام دیتا ہے اور مترجم کی حیثیت ایک سفارت کار کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ترجمہ کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہی ہے۔ گوئٹے کا کہنا ہے کہ ''عالم میں جو علمی سرگرمیاں سب سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت رکھتی ہیں' ان میں ترجمہ بھی شامل ہے۔''(۹) ترجمے کے ذریعے صرف زبان کی سطح پر ہی انسانی علوم میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ یہ قوموں کی ذہنی کشادگی، ان کے بنیادی مزاج' رہن سہن میں مماثلت اور ان کی عمومی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اس سے نہ صرف اقوام ایک دوسرے کے جذبات واحساسات سے آگاہ ہوتی ہیں بلکہ ایک دوسرے کے علمی' تحقیقی اور ادبی کارناموں سے بھی مستفید ہوتی ہیں۔ ترکی وہ برادر ملک ہے۔ جس کے ساتھ ہمارے تہذیبی اور ثقافتی رشتے صدیوں کا ماحصل ہیں۔ اس طرح ترکی میں ترویج کلام اور فکر و فلسفۂ اقبال کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو ترکی میں کلام اقبال کے تراجم ایک طرف اقبال کی روشن فکر کی ترویج اور دوسری طرف پاکستان سے ترکوں کے تعلقات میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ترکی زبان کو اناطولیہ میں سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی میں متعارف کروایا۔ بعد میں یہ سلطنتِ عثمانیہ اور جمہوریہ ترکی کی سرکاری زبان قرار پائی۔ سلجوقی ریاست جس کا دارالحکومت قونیہ تھا میں غیر ملکی ریاستوں کے ساتھ خط کتابت یا عدالتوں میں غیر ملکی افراد وکالت کے لیے ترجمان مقرر کئے جاتے تھے۔ محمد فاتح دوم نے استنبول کو فتح کیا تو اس نے ترجمانوں کا مرتبہ بلند کیا۔ لطفی بے وہ پہلا شاہی ترجمان تھا جسے وینس میں ایک سفیر کے طور پر ۱۴۷۹ء میں بھیجا گیا۔ سولہویں صدی عیسوی میں پیشہ ور مترجمین سامنے آنے لگے جن کو باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اُس زمانے میں سلطنت عثمانیہ کی سیاسی اور تجارتی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی تک ترجمان چار مختلف میدانوں مثلاً غیر ملکی معاملات، صوبوں کے انتظامی معاملات، مختلف اسکولوں اور غیر ملکی سفارت خانوں میں اپنے سرکاری فرائض انجام دیتے تھے۔ اس طرح ترجمانوں کو سلطنت عثمانیہ میں ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ ترجمانِ خاص کا بنیادی فرض وزیر اعظم کے لیے غیر ملکی سفیروں کی باتوں کا ترجمہ کرنا بھی شامل تھا۔ اس لئے وہ ریاست کی حکمت عملی اور خارجہ پالیسی کا رازدار ہوتا تھا۔

ترکی زبان میں ادبی کام تیرھویں صدی میں شروع ہوا اور چودھویں صدی میں اس میں اضافہ ہونے لگا۔ اس دور میں فارسی عربی کتابوں کے ترجموں نے ترکی زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ چودھویں صدی میں قرآن پاک کا لفظی ترجمہ کیا گیا۔ قرآن پاک کے ابتدائی تراجم دو طرح کے تھے۔ ایک لفظی جس میں ہر عربی لفظ کا ترجمہ اُس کے نیچے ترکی زبان میں لکھا جاتا تھا۔ دوسرا با محاورہ ترجمہ جس میں ہر عربی جملے کا ترجمہ ترکی میں کیا جاتا تھا۔ ایک تیسری طرح کا بھی ترجمہ تھا جس میں لفظی اور بامحاورہ دونوں تراجم شامل تھے۔ اس کے علاوہ چودھویں صدی میں ترک مترجم گل سحری نے فریدالدین عطار کے ادبی شاہپارے ''منطق الطیر'' اور ''تذکرۃ الاولیاء'' کا فارسی سے ترکی میں رواں اور سلیس ترجمہ کیا۔ احمد داعی جو کہ ایک مترجم' شاعر' عالم تھے اُن کا کام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ بنیادی طور پر فارسی اور

عربی کے شاعر تھے۔ ترکی زبان ان کی نثری تصنیفات ہیں۔ جن میں ''ترسول'' کو پہلی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نثری تراجم میں ابوالعباس سمرقندی کے ترجمہ قرآن کی شرح شامل ہے۔ انھوں نے آیت الکرسی کا بامحاورہ ترجمہ کیا۔ انھوں نے احادیث کی کتابیں بھی ترکی زبان میں ترجمہ کیں۔

سلطنت عثمانیہ کے سلطان محمد دوم عربی اور فارسی زبانوں میں ماہر تھا۔ وہ یونانیوں کے ادب میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے عہد نامہ جدید (نیوٹیسٹمنٹ) کا عربی میں ترجمہ شروع کروایا۔ اُس نے اور بھی کچھ کتابوں کے ترکی زبان میں تراجم کروائے۔

۱۷۱۷ء میں گرینڈ وزیر ابراہیم پاشا نے یورپین زبانوں کے ترجمے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس نے یورپین زبانوں اور سائنسی علوم سیکھنے کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ ریاضی اور طب کی کئی کتابوں کے ترجمے بھی کیے گئے۔ ۱۷۲۷ء میں ابراہیم متفرقہ نے ایک پرنٹنگ پریس قائم کیا۔ ۱۷۲۹ء میں اس پریس نے جو کتاب شائع کی اس کا نام ''وان کلو چغتائی'' تھا۔ دوسرا پرنٹنگ پریس ۱۷۹۶ء میں ملٹری انجینئرنگ اسکول استنبول میں قائم کیا گیا۔ یہاں سے ایک ڈکشنری شائع کی گئی جس کا نام ''برہان قاطع'' تھا۔

ترکی میں دیگر زبانوں سے تراجم کی تاریخ عثمانی دور سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۸۲۲ء میں استنبول کے علاقے باب عالی میں ایک دارالترجمہ قائم کیا گیا تھا جسے ''ترجمہ اوداسی'' (دارالترجمہ) کہا جاتا تھا۔ اس شعبے کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی کہ جوز ک نوجوان بعد میں ترکی میں انقلاب لانے کا باعث بنے، انھوں نے اپنی علمی زندگی کا آغاز اسی شعبہ میں ملازمت سے کیا۔ اس ضمن میں شناسی' نامق کمال' منیف پاشا اور عبدالحق حامد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱۰) ۱۸۶۱ء میں ''جمعیت علمیہ عثمانی'' قائم ہوئی جس کے بانی مشہور مترجم اور مصنف منیف پاشا تھے۔ اس ادارے کے تحت بھی کئی کتابیں ترکی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ ۱۸۶۵ء میں وزارت تعلیم کی زیر نگرانی ایک ترجمہ کمیٹی قائم کی گئی جس کی صدارت کے فرائض منیف پاشا انجام دیتے تھے۔ اس کمیٹی کی طرف سے سائنس اور تجارت کے موضوعات پر کئی کتابیں ترجمہ کرائی گئیں۔ (۱۱) مختصر یہ کہ انیسویں صدی کے وسط میں سرکاری سرپرستی میں ترجمہ' تالیف اور طباعت کتب و رسائل کا جو کام شروع ہوا اس نے نجی اداروں کے لیے راہ ہموار کر دی اور انیسویں صدی کے نصف آخر میں فرانسیسی' عربی اور فارسی سے بے شمار کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا تاہم ان تراجم کی طباعت کی رفتار سست تھی اور یہ سلسلہ قیامِ جمہوریت تک یوں ہی چلتا رہا۔

عثمانی ترکی زبان جمہوریت کے قیام تک عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ اس میں لفظوں کے ساتھ زیر' زبر اور پیش نہ لکھے جانے کی وجہ سے بچوں اور مبتدیوں کے لیے لفظوں کا صحیح تلفظ سیکھنا مشکل ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں ہاتھ کی کتابت کے باعث نشر و اشاعت کا کام محدود پیمانے پر ہوتا تھا۔ اتاترک نے ۱۹۲۸ء کے آخر میں ترکی زبان کے لیے عربی رسم الخط کی بجائے تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد رومن رسم الخط اختیار کیا۔ اس سے ایک طرف یہ فائدہ ہوا کہ بچوں اور ان پڑھ بالغوں نے جلد لکھنا پڑھنا سیکھ لیا' دوسری طرف سائنس کے طلباء کے لیے یورپی زبانوں میں لکھی ہوئی سائنس اور ریاضی کی کتب سے استفادہ کرنا آسان ہو گیا۔ ترکی رسم الخط کی اس تبدیلی کا لوگوں کی جہالت دور کرنے میں اتنا زیادہ اور صریح اثر ہوا کہ ملک میں چند سالوں کے اندر ہی اندر پڑھے لکھے افراد کی تعداد ساٹھ فیصد سے بڑھ گئی۔ ملک میں اخبارات' رسائل اور کتب کی اشاعت میں بے حد اضافہ ہوا۔ (۱۲) دیکھتے ہی دیکھتے قدیم ترکی اور عربی کتب کے تراجم کے ساتھ ساتھ ادبیاتِ عالم کے سینکڑوں تراجم سامنے آ گئے۔ اور اب صورت یہ ہے کہ ترکی کی آبادی پاکستان سے آدھی ہے مگر وہاں مطالعہ کے رجحان کی بنا پر عام موضوع کی کتاب بھی پانچ ہزار کے ایڈیشن سے کم شائع نہیں ہوتی۔ (۱۳) یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ترکی میں کم و بیش تمام اہم ادیبوں نے غیر ملکی زبانوں سے تراجم کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ترک ادیبہ خالدہ ادیب خانم ہی کو لے لیجئے۔ انھوں نے انگریزی زبان کی کئی

شاہکار کتابیں ترکی زبان کے قالب میں ڈھالی ہیں مثلاً جان ایبٹ کی کتاب ''مدر'' کا ترجمہ ''آنے'' (ماں) (۱۹۹۷ء)' شیکسپیئر کا ڈرامہ ''ہیملٹ'' کا ترجمہ ''ہیملت'' (۱۹۴۱ء) اور جارج اوروِل کے طنزیہ ناولٹ ''اینمل فارم'' کا ترجمہ ''حیوان چفتلی'' (۱۹۵۵ء) ترجمہ کئے۔ یہ سب ترکی میں بہت مقبول ہوئے۔(۱۴)

۱۹۳۲ء میں انقرہ میں ترکی کی لسانی انجمن ''ترک دل کُرومو'' قائم ہوئی۔ اس کے بعد انجمن تاریخ ''ترک تاریخ کُرومو'' قائم کی گئی۔ ان اداروں کی بدولت زبان اور تاریخ سے متعلق کتابوں کی اشاعت میں تیزی آ گئی۔ اس کے علاوہ وزارتِ ثقافت کے تحت نشر و اشاعت کا ایک ادارہ قائم کیا گیا جس نے بے شمار ملکی و غیر ملکی تراجم کے علاوہ ترکی کے اہم علمی و ادبی مصنفین کی کتب شائع کیں۔ اس ادارے کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی تین کتابیں بھی شائع کی گئیں۔ ان میں سے پہلی ان کی سوانح حیات ہے جسے پروفیسر ڈاکٹر عامل چیلیبی اوغلو نے مرتب کیا' دوسری کتاب میں ان کے علمی و ادبی مقالات شائع کئے گئے اور تیسری ان کی نظم و نثر پر مبنی منتخب تحریروں پر مشتمل تھی۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ ترکی کتاب میں نجی اشاعتی اداروں کی کثیر تعداد موجود ہے جو مغربی و مشرقی زبانوں کے تراجم یورپین معیار کے مطابق عموماً پیپر بیک میں شائع کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی بیشتر کتب کے ترکی تراجم بھی پیپر بیک ہی میں شائع ہوئے ہیں۔

(ج) ترکیہ میں اقبال شناسی اور تراجم کلامِ اقبال کی روایت

اقبال کو ترکوں سے اک گونہ محبت تھی۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے کلام میں ترکی، ترکوں اور اُن کے عظیم رہنما مصطفیٰ کمال پاشا کا تواتر سے ذکر آتا ہے۔ ترکوں کی ملی جدوجہد کے زمانے میں اقبال نے اپنے کلام کے ذریعے ان کا جس طرح حوصلہ بڑھایا، وہ قابلِ ستائش ہے۔ ترکی دانشوروں اور ادیبوں نے بھی کلام و افکارِ اقبال میں اپنی دلچسپی کا اظہار عقیدت اور محبت کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ ترکی میں برصغیر کے علم و ادب سے متعلق جس موضوع پر سب سے زیادہ کام ہوا وہ ''اقبالیات'' ہے۔ اقبال کے کلام کے نہ صرف ترکی زبان میں تراجم ہوئے بلکہ ان کی شخصیت اور فن کو بھی موضوع بحث بنایا گیا۔ حالانکہ اردو سے عدم واقفیت کی بنا پر ترکی ادیبوں اور دانشوروں نے زیادہ تر اقبال کے فارسی کلام کی طرف توجہ دی ہے۔ تاہم ان کی تمام نثری و شعری تصانیف (ماسوائے علم الاقتصاد) کے ترکی میں تراجم ہو چکے ہیں۔

اقبال دراصل برصغیر کے مسلمانوں کی ترک دوستی کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی ہیں۔ ترکی سے اس محبت اور خود اقبال کی فکری عظمت کے سبب ترکی میں اقبال شناسی کا سلسلہ خود انھیں کے زمانے سے قائم ہو گیا تھا۔ اقبال کو پہلے پہل جدید ترکی کے ملی شاعر و مفکر محمد عاکف ارصوئی نے نہ صرف ان کی شاعرانہ عظمت پر خراج تحسین پیش کیا بلکہ ترکی میں اقبال کا اولین تعارف بھی انھی کا مرہون منت ہے۔

محمد عاکف علامہ اقبال سے متعارف تھے۔ انھوں نے علامہ اقبال کا کچھ کلام انقرہ میں ترکی کی جنگ آزادی کے دوران پڑھا اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اپنے دوست حافظ عاصم کے نام ۸ مارچ ۱۹۲۵ء کو ایک خط میں اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''... گذشتہ ہفتے مجھے ہند کے شاعرِ اسلام محمد اقبال کی دو منظوم کتابیں موصول ہوئیں۔ میں نے اس شاعر کا مختصر سا ایک رسالہ انقرہ میں دیکھا تھا اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ صاحب رسالہ کی مجھ سے کس قدر مشابہت ہے۔ مشرقی صوفی شعراء کا مطالعہ کرنے کے علاوہ جرمنی میں جا کر مغربی فلسفے کو اچھا خاصہ ہضم کرنے والا اقبال سچ مچ عظیم شاعر ہے۔ مولانا رومیؒ کا خوب مطالعہ کیا ہے اور ان سے دلی محبت رکھتا ہے۔ انھیں اپنا مرشد کہتا ہے، اس کی دو منظوم کتابوں میں سے ایک ''پیام مشرق'' ہے جو میرے پاس ہے۔ اس میں رباعیوں کے ساتھ بڑی نفیس غزلیں ہیں۔ ان میں سے چند نے مجھ سے مستانہ وار نعرہ لگوا دیا۔ اقبال کی عربی بھی خاصی اچھی ہے۔ اس کے علم و عرفان اور شاعرانہ قدرت کا میری صلاحیتوں سے کیا قیاس، وہ بہت ارفع ہے''۔ (۱۵)

مندرجہ بالا خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے کلام سے عاکف کس قدر متاثر تھے۔ انھوں نے اپنی کلیات ''صفحات'' (Safhat) (اشاعت ۱۹۳۳ء) میں اقبال کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ بھی شامل کیا ہے۔ یہ شعر ''صفحات'' کے سلسلے کی ساتویں کتاب میں درج ہے:

Heyecana Verdi gönülleri
Heyecanlı sesleri gönlümün,
Ben o nagmeden müteheyyicin;
yok ihtimalİ Ki terennümün. (16)

یہ شعر ''پیام مشرق'' میں ''مئے باقی'' سے لیا گیا ہے:

دل یاراں ز نوائے پریشانم سوخت
من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں (۱۷)

عاکف نے اس کتاب کے ذریعے ترک ادیبوں اور شاعروں کو علامہ اقبال سے متعارف کرایا۔ مزید براں وہ اقبال کو ''عصر حاضر کے رومیؒ'' کہتے تھے (۱۸) اور جس طرح اقبال کو جانتے اور سمجھتے تھے ان کو خواہش تھی کہ ان کے اعزاء واقرباء بھی اقبال سے اسی طرح آشنا ہوں۔ صحبتوں میں، جلسوں میں، اپنے مکاتیب میں، المختصر جہاں جہاں موقع ملتا وہ علامہ اقبال کی کوئی نہ کوئی نظم یا شعر پڑھ کر اس پر گفتگو کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ عاکف اپنے قریبی دوست ماہراز (Mahir iz) کو، جو خود بھی ایک بڑے سکالر تھے، پیشکش کرتے ہیں کہ پیام مشرق ایک اچھی کتاب ہے اور اگر چاہو تو ہم ہفتہ میں ایک روز مل کر اس کتاب کا مطالعہ کیا کریں۔ (۱۹)

عاکف نے اقبال کو اپنی کلیات بھی ارسال کی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمت اوندر (Mehmet Önder) جو ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کے صدر بھی ہیں علامہ اقبال کو عاکف کی طرف سے بھیجی جانے والی ''صفحات'' کے متعلق اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

> ''استنبول میں قیام کے دوران دو تین ہندوستانی باشندوں سے ''سبیل'' کے دفتر میں ملاقات ہوئی تھی اور میں نے انھیں ''صفحات'' کا سیٹ دیا تھا کہ وہ اسے جا کر علامہ اقبال کو دے دیں۔ مجھے امید ہے کتابیں اقبال کو مل گئی ہوں گی۔ (۲۰)

عاکف اور اقبال میں خط کتابت کا سلسلہ عاکف کے قیام مصر کے دوران ۱۹۳۰ء میں شروع ہوا۔ عاکف کے داماد عمر رضا دوغرل نے قونیہ میں منعقد ہونے والی ''مولانا اور اقبال'' کانفرنس میں لیکچر دیا اور اقبال کا عاکف کے نام مندرجہ ذیل خط پڑھ کر سنایا۔ جس میں وہ ترکوں سے اپنی محبت اور مولانا رومیؒ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ خط فارسی میں لکھا ہوا تھا جبکہ ڈاکٹر اوندر نے اقبال کے بارے میں لکھے اپنے مضمون میں اس کا ترکی ترجمہ درج کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

> ''ترکی قوم اور جدید ترکی سے مجھے بڑی محبت ہے۔ ایک دن ترکی جا کر خاص طور پر قونیہ میں مولانا رومی کے مقام اقدس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ وہ مبارک سرزمین مجھے مولانا کے ناچیز مرید کی حیثیت سے قبول کر لے۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں جیسے ایک گلستان دیکھ رہا ہوں، جس کے بیچ میں ایک شعلۂ افشاں آگ جل رہی ہے اور میں پروانوں کی طرح اس آگ کی طرف دوڑ رہا ہوں۔ وہ آگ مولانا رومیؒ کے عشق اور ان کی محبت کی آگ ہے۔ (۲۱)

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں معاصر عظیم شاعر و مفکر ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ محمد عاکف کی اقبال سے عقیدت کا سلسلہ دور تک پہنچتا ہے اور چراغ سے چراغ روشن ہوتے جاتے ہیں۔ انھیں اقبال کو ترکی کے علاوہ عرب دنیا میں متعارف کرانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنے قیام مصر کے دوران ہی مشہور مصری ادیب ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے کو کلام اقبال کی اہمیت کا احساس دلایا جس کے نتیجے میں عزام بے نے اقبال کے کلام کو عربی میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا۔ (۲۲) محمد عاکف ترکی میں اقبال کے تعارف کا ذریعہ بنے اور ان کی ہم عصر اور بعد کی نسلوں نے اقبال پر نہایت سنجیدگی سے کام کیا۔ اقبال شناسی کی اس روایت میں پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا نام سرفہرست ہے۔ پروفیسر تارلان کی اقبال سے واقفیت محمد عاکف کے عزیز دوست اور تارلان کے اُستاد فرید کام (Farid Kam) کے ذریعہ ہوئی تھی۔ (۲۳) انھوں نے ''جاوید نامہ'' کے سوا علامہ اقبال کے تمام فارسی کلام کا اور ضرب کلیم اُردو کلام کا ڈاکٹر عبدالحمید رفانی کے فارسی ترجمے کو مدنظر رکھ کر ترکی میں ترجمہ کیا۔

علی نہاد تارلان کے شاگرد علی گنجیلی (Ali Gunceli) نے اقبال کے تقریباً تمام کلام کے منتخب حصوں کے منظوم تراجم کئے ہیں جو

ترکی کے مختلف رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں اقبال کی مثنوی ''مسافر'' کا منظوم ترجمہ ''یولجولک خاطرہ سی'' "Yolculuk Hatirasi" بھی شامل ہے جو ۱۹۷۰ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ ان کے ''شکوہ و جواب شکوہ'' ''طلوع اسلام'' اور ''خضر راہ'' کے تراجم ترکی میں بہت مقبول ہوئے۔

ترکی میں ''جاوید نامہ'' کے بھی بہت سے تراجم کیے گئے۔ یہ تراجم سنان اوغلو، حامدی داراوغلو، فریدوں تیمور اور ڈاکٹر این میری شمل وغیرہ نے کیے ہیں۔ ڈاکٹر میری شمل نے جاوید نامہ کا ترجمہ "Cavidname" کے عنوان سے کیا جو ۱۹۵۸ء میں انقرہ سے شائع ہوا۔ پروفیسر حسین حاتمی نے "Cavide Hitap" کے عنوان سے جاوید نامہ کے بعض حصوں کا ترکی میں منظوم ترجمہ کیا جو ۱۹۶۵ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ برصہ میں مقیم ترک سکالر احمد متین شاہین (Ahmet Matin Şahin) نے جاوید نامہ کا منظوم ترجمہ "Cavidname" کے عنوان سے کر کے ۱۹۹۶ء میں شائع کرایا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''کلیات اقبال'' فارسی کی تمام کتب کا منظوم ترکی ترجمہ ارماق پبلشر استنبول سے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا۔

''پیام مشرق'' کے حصہ ''لالہ طور'' کی ۱۶۳ رباعیات میں سے ۱۴۱ رباعیوں کا ترکی زبان میں ترجمہ بصری گوجل (Basri Gocul) نے ''طورلا لے سی'' (Tür Lalesi) کے عنوان سے کیا اور ۱۹۷۰ء میں برصہ سے شائع کیا۔ اسی مترجم نے ''پیام مشرق'' کے حصہ ''افکار'' کی تقریباً ۱۲ نظموں کے ترجمے پر مشتمل کتابچہ کو ''اقبالن حکمت لی شعرلر'' (ikbal'in Hikmetli Şiirleri) کے عنوان سے ترجمہ کر کے اسی سال شائع کرایا۔ یوسف صالح قراۃ جا (Yousuf Salih Karaca) نے ''بال جبریل'' کا ترجمہ ''جبرائیلن کھندی'' (Cebrailin Kanadi) کے عنوان سے ۱۹۶۹ء میں مکمل کیا مگر اس کی اشاعت باوجوہ ۱۹۸۳ء سے پہلے ممکن نہ ہو سکی۔ اس کتاب کی تقریظ علی نہاد تارلان نے لکھی ہے۔

ڈاکٹر علی یوکسل (Ali Yuksel) نے ''اسلامی بن لغین اچ یوزو'' (islami Benliğin Icyuzu) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جو ۱۹۸۶ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔ یہ اسرار خودی کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ ان کی دوسری کتاب ''بن لک وے توپلوم'' (Benlik ve Toplum) کے عنوان سے ''اسرار و رموز'' کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب نومبر ۱۹۹۰ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان کا شمار بھی ترکی کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے اردو و فارسی کلام سے انتخاب کر کے اسے ترکی زبان میں منتقل کیا ہے۔ ان کی کتاب ''ڈاکٹر محمد اقبال وے اثرلریندین سچمےلر'' (Dr. Muhammad ikbal ve Eserlerinden Seçmeler) کے عنوان سے جمہوریہ ترکیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر ۱۹۷۴ء میں سینئو کی طرف سے استنبول سے شائع ہوئی۔ اس میں منتخب کلام اقبال کے ترجمے کے علاوہ دو لیکچروں کا نامکمل اور علامہ اقبال کے قائداعظم کے نام تین خطوط کا مکمل ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

۱۹۶۶ء میں استنبول سے ایک کتاب ''پاکستان۔ زبان وادبیات'' (پاکستان دل وادبیات) شائع ہوئی جس کے مؤلف صلاح الدین ساوچی ہیں۔ اس کتاب میں مختلف موضوعات پر مقالات شامل ہیں۔ ایک مقالہ اقبال کے موضوع پر بھی موجود ہے۔ اسی طرح ملی کتب خانہ انقرہ میں ایک کتابچہ ''علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ حیات اور فلسفہ'' کے نام سے موجود ہے۔ اس کتاب میں مقالات کے علاوہ اقبال کی کچھ منظومات کا ترکی ترجمہ بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد اسرار سفارت پاکستان سے بطور انفارمیشن آفیسر وابستہ تھے۔ وہ پاکستانی الاصل مگر عرصہ دراز سے ترکی میں مقیم تھے۔ انھیں ترکی زبان پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اقبال کے اردو کلام کا انتخاب ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ''دوغوران انتی

لر" (Doğudan Esintiler) کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں انقرہ سے اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ ترکی میں مستقل طور پر مقیم ایک اور پاکستانی محمد خان کیانی نے اقبال کے "شکوہ و جواب شکوہ" اور "انسان کامل" سے متعلقہ منتخب اشعار کا "شعرلرارا سندا اقبال" (Şiirleri Arasinda İkbal) کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب ۱۹۹۵ء میں استنبول بلدیہ کی طرف سے شائع کی گئی۔

انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ترک پروفیسر ڈاکٹر شوکت بولو (تمغہ پاکستان) نے ۱۹۷۰ء میں "بال جبریل" کا ترکی ترجمہ "جبرائیلن کھند" (Cebrailin Kanadi) کے عنوان سے کیا تھا۔ اس کتاب میں انھوں نے اقبال کی شخصیت اور فن پر ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ انھوں نے اقبال کی نظم "پیر و مرید" کا بھی ترکی میں ترجمہ کیا جو اقبال اکادمی کے مجلّہ "ترکچے اقبالیات" (Türkçe İkbaliyat) ۱۹۹۳ء میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور مضمون "اقبال کا تصور مرد مومن" انقرہ یونیوسٹی کے مجلّہ "دوغو دِلر" (Dogu Dilleri) کی جلد ا شمارہ ۴ میں شائع ہو چکا ہے۔

استنبول یونیورسٹی میں اردو کے ترک اُستاد ڈاکٹر خلیل طوق اَر (Dr. Halil Tokar) نے اقبال کے اردو کلام کے منتخب حصوں پر مبنی ترجمہ "Şu Masmavi Gökyüzünü Kendi Yurdum Sanmiştim Ben" کے عنوان سے کیا اور اسے ۱۹۹۹ء میں استنبول سے شائع کرایا۔

ڈاکٹر جلال سوئیدان (Dr. Cilal Soydan) شعبہ اردو انقرہ یونیورسٹی میں اُستاد ہیں۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۹۰ء میں ایم۔اے کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے انقرہ یونیورسٹی سے "اردوجہ منظوم وے منثور ارثرلری اشیندا علامہ محمد اقبال" (Urduca Manzum ve Mensur Eserleri Işiginda Allama Muhammad İkbal) کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا۔ ان کی کتاب "محمد اقبال اشق وے طُت کُو" (Muhammad ikbal Aşk ve Tutku) کے عنوان سے ۲۰۰۰ء میں انقرہ سے شائع ہوئی جس میں اقبال کے اردو کلام کی دس طویل نظموں کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے

احمد البائراق نے ترکی میں اقبال پر ہونے والے کام کی ببلوگرافی مرتب کی۔ جو بعد میں مجلّہ "دیوان" استنبول سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ (جس میں مصنف نے راقم کے ایم۔فل کے لیے لکھے مقالے بعنوان "ڈاکٹر علی نہاد تارلان ۔۔۔ بحیثیت اقبال شناس" کا حوالہ صفحہ نمبر ۲۴۰ میں درج کیا ہے۔) انھوں نے علامہ اقبال پر اپنی پی۔ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "محمد اقبال کی شخصیت کی تشکیل اور پیش کردہ انسانی ماڈل" ۲۰۰۱ء میں لکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اقبال پر مختلف انگریزی مضامین کے ترکی زبان میں تراجم کو "اقبال کی فکری دنیا، "اقبالن دشنجے دنیاسی" (Ikbalin dusunce dunyasi) نامی کتاب میں مرتب کر کے انسان یاین لر استنبول سے ۲۰۰۳ء میں شائع کرایا۔ نیز انھوں نے اقبال کی شخصیت اور فن پر "محمد اقبال" اور اقبال کے شعری خیالات و اقوال کو نثر میں ترجمہ کر کے "محمد اقبال کتاب" کے عنوان سے استنبول ہی سے شائع کروائی۔ مزید براں انھوں نے اقبال پر کئی مضامین بھی لکھے ہیں جن میں سے ایک مضمون مجلّہ "دیوان" ۱۹۹۸ء میں بعنوان "اقبال کا متحرک انسان" (اقبال دے دائنا مک انسان (ikbal'de dinamik insan anlayişi) میں شامل ہے۔

ڈاکٹر عیسیٰ چیلق نے اقبال اور تصوف پر ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ایک مفصل کتاب "محمد اقبال کے تصوف پر خیالات" (Muhammad ikbalin tasavuf düsüncesi) لکھی جو ۲۰۰۳ء میں قانتوس پبلشرز استنبول سے شائع ہوئی۔ اقبال کی حیات، شخصیت اور تصورات کے حوالے سے ڈاکٹر جودات قلیچ نے "عظیم مفکر محمد اقبال ۔۔۔ حیات، شخصیت اور

تصوارت'' لکھی جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

ترکی میں جہاں اقبال کی شعری کتب کے تراجم ہوئے وہاں ان کی ''علم الاقتصاد'' کے سوا تمام نثری کتب کا ترجمہ بھی ترکی زبان میں ہو چکا ہے۔ ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء'' کا ترکی ترجمہ ''اسلام فلسفے سینے برکاتک'' (islam Felsefesine Bir Katkı) کے عنوان سے ۱۹۷۱ء میں آر۔سی۔ڈی کی طرف سے استنبول سے شائع ہوا مگر اس پر مترجم کا نام درج نہیں۔ یہی کتاب انسان پبلشرز استنبول نے ۱۹۹۵ء میں شائع کی جس پر مترجم کا نام ''جودت نازی'' (Cevdet Nazlı) لکھا ہوا ہے۔ اقبال کے لیکچرز "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کا ترکی ترجمہ بھی کئی ایک دانشوروں نے کیا ہے۔ عمر رضا دوغرل کے پندرہ روزہ اخبار ''سلامت'' میں اقبال کے خطبات کا ترکی ترجمہ قسط وار چھپتا رہا۔ ۱۹۶۳ء میں اسی کتاب کا ترجمہ دوغان گنیش مطبع سے ''اسلام کی روح'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس پر مترجم کا نام ای۔اے لکھا ہوا ہے۔ ایک ترک سکالر خاتون صوفی حوری (Sufi Huri) نے خطبات اقبال کا ۱۹۶۴ء میں بعنوان ''اسلام دا دینی تفکرون ینی دین تشکیلو'' (islam'da dini Tefekkürün Yenidan Tesekkülü) ترجمہ کر کے اقبال اکادمی کراچی کے مالی تعاون سے استنبول سے شائع کرایا۔ یہی کتاب اقبال اکادمی لاہور سے دوبارہ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مقدمہ ابن میری شمل نے لکھا ہے۔ اقبال کی اسی کتاب کا ترکی ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے ۱۹۸۸ء میں کیا جو ''اسلام دا دینی دشنجہ تن نی دین دوغوشو'' (islam'da Dini Düsüncenin Yeniden Doğuşu) کے عنوان سے استنبول سے شائع ہوا۔ اقبال کے انگریزی میں لکھے ڈائری کے اوراق جاوید اقبال نے "Stray Reflections" کے عنوان سے مرتب کیے ہیں جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ''شذرات فکر اقبال'' کے عنوان سے ۱۹۸۳ء میں کیا تھا۔ اس کتاب کا ترکی ترجمہ ڈاکٹر خلیل طوق اَر نے ''یانسما لر محمد اقبال۔گینچلک نوتلر'' (Yansimalar Muhammad İkbal-genclik notları) کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں کیا اور اسے استنبول سے شائع کرایا۔ انھوں نے اقبال کے جناح، عطیہ بیگم اور ضیاء الدین کے نام لکھے خطوط کو ترکی زبان میں ''مکتوبلر'' کے عنوان سے شائع کروایا ہے۔

اقبال کی شخصیت اور فن پر بھی ترکی میں خاصا کام ہوا ہے۔ اقبال پر پہلی کتاب ''اقبال حقندا کانفرنسلر'' (İkbal Hakkinda Konferanslar) ۱۹۵۲ء میں استنبول سے شائع ہوئی جس میں ترک سکالر ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان، اسماعیل حبیب سیوق کے مضامین کے علاوہ ڈاکٹر علی نہاد کی اقبال کے فکر و فن کے بارے میں ایک طویل تقریر کا متن بعنوان ''اقبال لاہور'' (ikbal-i-Lahori) اور ''پیام مشرق'' سے منتخب نظموں کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

سفارت پاکستان کی طرف سے اقبال پر پہلی کتاب ''رومی وے اقبال'' (Rumi ve İkbal) کے عنوان سے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی جس میں میاں بشیر احمد کے تین گراں قدر مضامین کے علاوہ چند ترک اقبال شناسوں کے مضامین بھی شامل ہیں۔ ۵۵-۱۹۵۴ء میں پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے ایک رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' (Pakistan Postasi) ترکی زبان میں جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ ترک اقبال شناسوں کے لیے ایک پلیٹ فارم ثابت ہوا۔ اس میں ترک اقبال شناسوں کے بے شمار مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان اقبال شناسوں میں معروف نام پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان، ظفر حسن ایبک، عبداللہ انور اور ڈاکٹر عابدین اطل کے ہیں۔

ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن نے اقبال پر کئی کتابیں شائع کیں جن میں ''ترکیہ دے ڈاکٹر محمد اقبال'' (Türkiye'de Dr. Muhammad ikbal)، ''محمد اقبال گونو'' (Muhammad ikbal Günü) اور ''اقبال گنو'' (ikbal Günü) شامل ہیں

جو بالترتیب ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۴ء میں ترکی سے شائع ہوئیں۔

۱۹۶۶ء میں استنبول سے ایک کتاب ''پاکستان دلی وے ادبیاتی'' (Pakistan Dili Ve Edebiyati) شائع ہوئی اس کے مولف صلاح الدین ساوچی ہیں۔ اس کتاب میں ایک مقالہ اقبال پر بھی ہے۔ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر ڈاکٹر ذوالفقار علی خاں کی تصنیف ''مشرق کی آواز'' کا ترجمہ ''ترگت اکمان'' (Turgut Akman) نے ''دوغودان بر سیس'' (Doğudan Bir Ses) کے عنوان کے تحت کیا۔ یہ کتاب ۱۹۸۱ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔ ایک اور کتاب ''محمد اقبال'' (Muhammad ikbal) ''رمضان تونچ'' (Ramazan Tunc) نے اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر لکھی ہے جو ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح ''قول سعدی'' (Kul Sadi) نے ''دوغونن اویانشی'' (Doğunun Uyanisi) کے نام سے اقبال کے فکر وفلسفہ پر کتاب لکھی جو استنبول سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ ''صلاح الدین یاشار'' (Salahuddin Yaşar) نے اقبال کی سوانح اور جدوجہد فن پر مبنی کتاب ''محمد اقبال حیاتی، صنعت، مجادلے سی'' (Muhammad Ikbal Hayati Sanat Mucadelesi) کے عنوان سے لکھی جو ۱۹۸۸ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔

اقبال پر علامہ علی شریعتی کی فارسی تصنیف ''ما و اقبال'' کا ترجمہ ''ارگن قلیچ طوتن'' (Ergun Kilic Tutun) نے ''بزوے اقبال'' (Biz ve Ikbal) کے عنوان سے کیا جو پہلی مرتبہ ۱۹۸۵ء میں اور پھر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر این میری شمل کی اقبال پر جرمن زبان میں لکھی کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ بعنوان ''پیغمبرانِ بر شاعر دے فلوضوف۔ محمد اقبال'' (Peygamberane Bir Sair ve Filozof- Muhammad ikbal) ''سنائل اوزکان'' (Senail Ozkan) نے کیا ہے۔ یہ کتاب ترکی وزارت ثقافت نے ۱۹۹۰ء میں شائع کی۔ ڈاکٹر مرزا محمد منور کی کتاب ''اقبال اور قرآنی حکمت'' کا ترکی میں ترجمہ ''محمت علی اوزکان'' (Mehmet Ali Ozkan) نے بعنوان ''اقبال دے قرآنی حکمت'' (ikbal ve Kur'ani Hikmet) کیا ہے جو ۱۹۹۵ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ ابوالحسن علی ندوی کی مشہور کتاب ''روائع اقبال'' کے منتخب حصوں کا عربی سے ترکی میں ترجمہ بعنوان ''بویوق اسلام شاعری ڈاکٹر محمد اقبال'' (Büyük Islam Sairi Dr. Muhammad İkabl) ''علی علوی قوروجو'' (Ali Ulvi Kurucu) نے کیا جو ۱۹۵۷ء میں انقرہ سے شائع ہوا۔ اسی کتاب کا مکمل ترجمہ ''ڈاکٹر یوسف ایشجیق'' (Dr. Yusuf Işicik) نے ''این ندوی۔ اقبالن ے ساجی'' (En-Nedvi'Ikbal'in Mesaji) کے عنوان کے تحت کر کے ۱۹۹۹ء میں استنبول سے چھپوایا۔

۱۹۹۷ء میں استنبول میں بین الاقوامی اقبال کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان، ایران اور دیگر ممالک کے بہت سے دانشور شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات ''الوس لرار اسی محمد اقبال سیمپوزمو بلدرری لری محمد اقبال کتابی'' (Uluslararasi Muhammad Ikbal Sempozyumu Bildirileri Muhammad Ikbal Kitabi) نامی کتاب کی شکل میں بلدیہ استنبول کی طرف سے ۱۹۹۹ء میں شائع کیے گئے۔ اس کتاب میں ناظف شاہلی اوغلو، احمد صوفی فرات، بشیر یاز اوغلو، احمد بختیار اشرف، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر نثار احمد اسرار، ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی، محمد خان کیانی، احسان ثریا سرما، محمت ایس آئدن جیسے مشہور اقبال شناسوں کے مقالات شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں فارسی کلام اقبال کے لیے علی نہاد تارلان اور اُردو کلام اقبال کے لیے ڈاکٹر نثار احمد اسرار کے ترکی تراجم سے کچھ کلام منتخب کر کے شامل کیا گیا ہے۔

ترکی میں اقبال شناسی کا سفر جاری ہے۔ بہت سی ایسی کتابوں میں بھی اقبال کے فکر وفلسفہ پر باقاعدہ ابواب شامل ہیں جو دین، فلسفہ اور فارسی شاعری سے متعلق ہیں۔ مثال کے طور پر یاشار نوری اوزترک نے اقبال پر کئی مضامین لکھے ہیں۔ ''یشار نوری اوز

ترک "(Yasar Nüri Özturk) کی کتاب "حلاج منصور وے اثری" (Hallac-i-Mansur ve Eseri) میں انھوں نے اقبال پر ایک مضمون "اقبال ___ عصر حاضر کا مرید حلاج" کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ کتاب یِنی بیوت استنبول سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ جو ۔ ے صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ترک اقبال شناسوں میں محمت آیس آئدن بڑے معروف سکالر ہیں۔ انھوں نے بھی اقبال پر کئی مضامین لکھے ہیں۔ "ڈاکٹر محمت ایس آئدن" (Dr. Mehmet S. Aydin) کی تصنیف کردہ کتابوں "عالم دین اللہ" (Alemden Allaha) اور ان کی کتاب "اسلام فلسفی سی یزلر" (Islam Felsefesi Yazilari) میں ان کے اقبال پر لکھے گئے مقالات شامل ہیں۔ یہ کتابیں بالترتیب ۱۹۹۸ء اور ۱۹۹۹ء میں استنبول سے شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ترک اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے لیے اقبال پر ایک تفصیلی تعارفی مضمون بھی لکھا ہے۔

ترکی پاکستان کلچرل ایسوی ایشن انقرہ میں ۱۹۵۱ء میں قائم کی گئی۔ اس تنظیم کے تحت "پاکستان پوستاسی" رسالہ جاری کیا گیا جو پاکستانی سفارت خانے کی معاونت سے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۸۹ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ اس کی اشاعت تعطل کا شکار رہی۔ اب یہ وقفہ وقفہ سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ جہاں دیگر عوامل نے ترکوں کو پاکستانیوں سے محبت کرنے کی طرف مائل کیا وہیں اس رسالے میں چھپنے والے مضامین جو زیادہ تر پاکستانی ثقافت، قائداعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے تھے، نے بھی ترکوں کو پاکستانیوں کے نزدیک کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔

ترکی کے تین مشہور شہروں انقرہ، استنبول اور قونیہ کی جامعات کے شعبہ اردو، فارسی اور الٰہیات میں اقبال کے فکر و فن کو بطور اختیاری مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ انہی جامعات میں اقبالیات کے موضوع پر پی ایچ ڈی، گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی سطح پر کئی مقالہ جات لکھوائے جا چکے ہیں۔ ترکی میں اقبال کے فکر و فن پر لکھنے والوں اور اقبال شناسوں کی فہرست دن بدن طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ان لوگوں کی کاوشوں سے ترکی میں اقبال اب اجنبی نہیں رہے یہاں تک کہ آئمہ و خطبائے مساجد اپنی تقریروں میں اقبال کے اشعار کا ترکی ترجمہ پیش کر کے سامعین میں اقبال کا مخصوص اندازِ فکر اور ذوقِ خدائی پیدا کر رہے ہیں۔

(د) رسائل ''اقبال نمبر''

i. پاکستان پوستاسی(Pakistan Postasi)

ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، انقرہ میں ۱۹۵۱ء میں قائم کی گئی۔ اس تنظیم کے تحت ''پاکستان پوستاسی'' رسالہ جاری کیا گیا جو پاکستانی ایمبیسی کی معاونت سے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۸۹ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ اس کی اشاعت تعطل کا شکار رہی۔ اب یہ وقفہ وقفہ سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ (۲۴) جہاں دیگر عوامل نے ترکوں کو پاکستانیوں سے محبت کرنے کی طرف مائل کیا وہیں اس رسالے میں چھپنے والے مضامین جو زیادہ تر پاکستانی ثقافت، قائداعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے تھے، نے بھی ترکوں کو پاکستانیوں کے نزدیک کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔

یکم۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں پہلا شمارہ شائع ہوا جس کے سرورق پر قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر چھپی ہے جس کے نیچے لکھا ہے ''پاکستان کے معمار'' اور ان کے بارے میں ۴ صفحات کا ایک تفصیلی مضمون بھی شامل ہے۔ جبکہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۵۳ء کو دوسرا شمارہ شائع ہوا جس پر علامہ اقبال کی تصویر دی گئی ہے اور اس کے نیچے جلی حروف میں ''پاکستان کے قومی شاعر اور فلسفی'' لکھا ہے۔ اس رسالے میں اسماعیل حبیب سیوک کا ''اقبال اور ہم'' کے عنوان سے مضمون شامل ہے۔ دو صفحات کے اس مضمون میں اقبال کی ترکوں سے محبت کا ذکر ہے۔ نیز اس کے آخر پر علامہ اقبال کی وہ تصویر بھی دی گئی جس میں اسپین کی مسجد قرطبہ میں نماز ادا کرتے دکھایا گیا ہے۔ (۲۵)

اس رسالے میں دیگر موضوعات کے علاوہ علامہ اقبال پر مضامین بھی شائع ہوئے جن میں سے چند اہم کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ اقبال۔ ترکوں کا عظیم دوست — از ڈاکٹر اونال ایرال تنگ۔ اپریل ۱۹۵۵ء
۲۔ پاکستان کا ملی شاعر۔ ڈاکٹر محمد اقبال — از ظفر حسین ایبک' ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۶ء
۳۔ اقبال کا کلام اور فلسفہ — از عبداللہ انور' ایضاً
۴۔ اقبال — از پروفیسر علی نہاد تارلان' ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۷ء
۵۔ اقبال۔ حیات اور سیاست — از پروفیسر فاخر اوز' ایضاً
۶۔ اقبال' مشرق اور مغرب کے درمیان پل — از عبداللہ انور' مئی ۱۹۶۳ء
۷۔ ڈاکٹر محمد اقبال — از شریف المجاہد' ایضاً
۸۔ اقبال اور رومی کی مماثلتیں — از نیر واسطی' جنوری ۱۹۷۰ء
۹۔ اقبال کی نظر میں مثالی انسان — از ڈاکٹر عابدین اطل' مارچ ۱۹۷۰ء
۱۰۔ محمد اقبال کا فن وفکر — از ڈاکٹر طاہر فاروقی' ایضاً
۱۱۔ علامہ اقبال کا انسان کامل — از ڈاکٹر لیلیٰ کریمن لی' ستمبر ۱۹۷۴ء
۱۲۔ پاکستان کے قومی شاعر اور مفکر' اقبال — از ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان' مئی ۱۹۷۵ء
۱۳۔ اقبال اور مولانا روم — از ڈاکٹر محمد اوندر' جنوری ۱۹۷۶ء
۱۴۔ اقبال اور رزماں — از فوزی بالی جی' جنوری ۱۹۷۶ء
۱۵۔ ڈاکٹر محمد اقبال اور عاکف ارصوئی — از ڈاکٹر نشاط حاطائی' مارچ۔ اپریل ۱۹۷۸ء

ii. پاکستان پوستاسی۔اقبال نمبر۔نومبر ۱۹۷۷ء

سفارت خانہ پاکستان کا یہ ماہوار رسالہ ۱۹۷۷ء کے یوم اقبال کے موقع پر خصوصی طور پر شائع کیا گیا۔اس رسالے میں اقبال کے حالات زندگی، شاعری اور تصورات کے چند نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔رسالہ میں پہلے چار مضامین انگریزی سے جبکہ پانچواں مضمون اردو سے ترجمہ کیا گیا ہے۔آخر پر اقبال کی ایک نظم کا ترکی ترجمہ ہے جو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کا پہلا مضمون محمد امین الدین کے مضمون کا ترکی ترجمہ ''مولانا جلال الدین رومی تن ڈاکٹر اقبال اوزرینده ایتکی سی'' کے عنوان سے کیا گیا ہے۔مصنف نے مولانا جلال الدین رومی کے اقبال پر اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔انھوں نے مضمون میں ذیلی عنوانات بنا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔مصنف ''فلسفہ'' کے زیرعنوان لکھتے ہیں کہ مولانا اور اقبال کے تصوف کے حوالے سے نظریات میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔مولانا کا تصوف زندگی کو اہمیت دے کر انسان کی عزت وعظمت کا داعی ہے جبکہ اقبال بھی انسانی زندگی کی خودی کے ذریعے تربیت کر کے عظمتِ انسانی کا خواہش مند ہے۔مولانا کے ''مردِ حق'' اور اقبال کے ''مردِ مومن'' کی صفات میں بہت مشابہت ہے۔ان دونوں تصورات میں ''مردِ حق'' اور ''مردِ مومن'' وہ ہے جس میں تفکر اور عمل بیک وقت موجود ہوں۔ان دونوں میں معمولی سا فرق یہ ہے کہ اقبال، رومی کی نسبت ''عمل'' کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔(۲۶)

دوسرا مضمون بھی محمد امین الدین کا ''انسانِ کامل'' ہے جس میں مولانا رومی اور اقبال کے ہاں انسانِ کامل کے تصورات پر روشنی ڈالتے ہوئے زندگی اور عمل میں خودی اور بےخودی کے فلسفے کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔اسی مضمون میں مولانا اور اقبال کے ہاں ''تصورِ عشق'' کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔(۲۷)

اس کے بعد بی۔اے ڈار کا مضمون ''اقبال وے انسان لین برلی'' (اقبال اور اتحادِ انسانی) ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اقبال ابتداء میں وطن پرستی کے قائل تھے مگر قیام یورپ کے زمانے میں انھیں محسوس ہوا کہ وطن پرستی دراصل ایک منفی رویہ ہے جس کا عالمِ اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔چنانچہ انھوں نے اس تصور کو رد کر دیا اور اس کی جگہ اتحادِ ملت کی طرف متوجہ ہوئے جس میں رنگ ونسل اور قومیت کی کوئی گنجائش نہیں۔وہ مزید لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک اتحادِ انسانی کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیمات ہیں۔(۲۸)

اگلا مضمون خلیفہ عبدالحکیم کے مضمون کا ترکی ترجمہ ہے جس کا عنوان ''علامہ اقبالن شعرنن اماج'' (علامہ اقبال کی شاعری کا مقصد) ہے مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال کے تصورات اور شاعرانہ خیالات کسی خاص نسل یا قوم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہیں۔مضمون میں عالمانہ انداز سے اقبال کے مختلف تصورات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔(۲۹)

اس مضمون کے بعد اقبال کے پانچویں خطبہ ''اسلامی ثقافت کی روح'' کا ترکی ترجمہ شامل ہے۔یہ ترجمہ مشہور ترک اقبال شناس عبدالقادر قراۃ خان نے سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے سے کیا ہے۔یہ ترجمہ صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۶ کے پہلے اقتباس کے اختتام تک کا ہے(۳۰) ترجمہ قدرے فارسی زدہ ترکی زبان میں ہے۔آخر میں اقبال کی نظم ''ترانۂ ملی'' کا ترکی ترجمہ شاملِ اشاعت ہے جس کا ترجمہ بھی پروفیسر قراۃ خان نے کیا ہے۔

iii. اقبالیات ترکچے۔۱۹۹۳ء

اقبال اکادمی کی طرف سے سہ ماہی ''اقبال ریویو'' کا ترکی ایڈیشن ''اقبالیات ترکچے'' ۱۹۹۳ء میں لاہور سے شائع کیا گیا۔اس کے سرورق پر مولانا جلال الدین رومی اور اقبال کے مزارات کی تصاویر دے کر ان کے نیچے''مرشدا لیے مرید ابدی اوی کودا'' (مرشد اور مرید ابدی نیند میں) لکھا ہے۔اس کے پیش لفظ ''اقبالیات ترکچے ___ ایک خواب کی تعبیر'' میں پروفیسر محمد منور اس جریدے کی اشاعت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اقبال اکادمی کا یہ پرچہ ادارے کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔علامہ اقبال عالم اسلام کے شاعر ہیں ان کی خواہش تھی کہ خدا اُن کے نور بصیرت کو عام کردے لہٰذا انھوں نے زوال پذیر مسلم ملت کو جو درس دیا ہے وہ ان تک پہنچانے کے لیے اقبال اکادمی نے کئی منصوبے ترتیب دے رکھے ہیں۔ان میں سے ایک منصوبے پر عمل کرتے ہوئے جون ۱۹۶۰ء میں سہ ماہی رسالہ ''اقبال ریویو'' کا آغاز کیا گیا جو سال میں دو بار اردو میں اور دو ہی بار انگریزی میں شائع کیا جاتا ہے۔اقبال کی شاعری کا زیادہ تر حصہ فارسی زبان میں ہے۔ جسے سمجھنے والے پاکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے علاوہ تاجکستان، آذربائیجان اور ازبکستان وغیرہ میں موجود ہیں۔اسی بنا پر ''اقبال ریویو فارسی'' کی اشاعت کا آغاز ۱۹۸۶ء میں کیا گیا اس کے علاوہ عربی میں اس کی اشاعت ۱۹۹۱ء میں کی گئی تو ''اقبال ریویو ترکچے'' کی اشاعت کی خواہش زور پکڑتی گئی۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ معنوی طور پر برادر اسلامی ملک ترکی سے ہمارے قلبی اور روحانی مراسم ہیں۔ترکوں نے عالم اسلام کی خلافت کے ذریعے سو سال تک رہنمائی کی ہے۔اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں نے خلافت کو بچانے کے لیے''تحریک خلافت'' کے ذریعے اپنے ترک مسلمان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کی۔اقبال شعری اور روحانی طور پر رومی سے متاثر تھے۔اقبال کے روحانی استاد مولانا جلال الدین رومی کا مزار بھی ترکی (قونیہ) میں ہے۔اس لیے لاہور اور قونیہ کو جڑواں شہر قرار دیا گیا ہے۔اقبال کی تمناؤں اور امیدوں کا محور ترکی رہا ہے جہاں جدید مغربی اور اسلامی افکار برسرِ پیکار تھے۔اقبال نے ترکی میں ہونے والی اجتہادی تبدیلیوں پر نظر رکھی ہوئی تھی۔اس حوالے سے اقبال کی ترک علماء، مفکروں اور دانشوروں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی موجود تھی۔

اس پرچے کی اشاعت کے سلسلے میں انھوں نے تین اصحاب کا خصوصی شکریہ ادا کیا ہے۔انھوں نے''اقبال ریویو' ترکچے کا محرک ڈاکٹر ذوالفقار (جو اس زمانے میں انقرہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے استاد تھے) کو قرار دیا ہے۔جنھوں نے انھیں ترکی زبان کا مواد فراہم کرنے میں مدد کی۔اس کے بعد وہ ترکی زبان کے ماہر اور رسالے کے مدیر کرنل (ریٹائرڈ) مسعود اختر شیخ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسعود صاحب نے رسالے کے مواد کو نہ صرف انتہائی محنت اور عرق ریزی سے پڑھا بلکہ مواد کی علمی شان کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے زبان و بیان میں تبدیلی و اصلاح کی۔ان کی راہنمائی اور محنت کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا۔اس کے بعد وہ سہیل عمر صاحب کو شکریہ کا مستحق قرار دیتے ہیں جو اس منصوبے کو ہر حالت میں مکمل کرنے کے خواہش مند تھے۔پیش لفظ کے آخر پر وہ دنیا کی مختلف زبانوں میں''اقبال ریویو'' کو شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔(۳۱)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے انگریزی مضمون کا ترکی ترجمہ زینب یزجی نے''اقبالن گینچلیے یاشین مساج'' (اقبال کا نوجوانوں کو پیغام) میں اقبال کے نظریہ تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالی ہے۔نیز یہ مضمون نوجوانوں کے ذہنی اور فکری مسائل کو سامنے رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔انھوں نے نوجوانوں کے اس رویے کے خلاف اقبال کی آواز میں آواز ملائی ہے کہ وہ اپنی تہذیب چھوڑ کر مغربی تہذیب کے دیوانے ہو رہے ہیں۔غالباً اس کی بنیادی وجہ مغربی طریقہ تعلیم ہے۔جس کے ہم بلاوجہ دیوانے ہو رہے ہیں۔نوجوانوں میں ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت ہوتی ہے لیکن اگر وہ ہر وقت اپنی ملت اور مذہب کے خلاف شکوہ و شکایت کا رویہ اپنالیں تو یہ بات دیگر

نوجوانوں کا حوصلہ پست کرنے کا باعث ہوگی جس سے وہ بے راہ رو ہو جائیں گے۔ لہٰذا نوجوان اپنے اندر یقین کی قوت پیدا کریں اور محنت سے جدید علم و ہنر حاصل کریں۔ مضمون میں اقبال کے چند اشعار حوالے کے طور پر درج کر کے ان کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ ان اشعار کا ترجمہ سادہ اور خوب ہے مثلاً: اقبال کے اس شعر کا ترکی ترجمہ دیکھیں:

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی

ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

Genclerinin benliği gibi olan

Bir milletin kiliça ihtiyaci kalmaz (32)

(ترکی میں ترجمہ کا مفہوم ہے: نوجوان خوددار ہو جائیں تو اس قوم کو تلوار کی حاجت نہیں رہتی۔)

اقبال کا ایک اور معروف شعر:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

En sevdiğim gençler

Yildizlara kement atanlardir (33)

(ترکی سے ترجمہ کا مفہوم ہے: ستاروں پہ کمند ڈالنے والے نوجوان مجھے بہت پسند ہیں)

ترکی میں پاکستانی سفارتخانے کے کلچرل اتاشی ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے ''اتاترک وے محمد علی جناح'' دو عظیم سیاسی رہنماؤں کی فکری اور عملی مماثلتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے تاریخ ساز کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اتاترک کی طرح جناح نے اپنی ملت کے لیے آزاد ملک کی تشکیل کرتے ہوئے اس کی بنیاد جمہوریت اور سماجی انصاف پر استوار کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مضمون میں دلائل کے ساتھ دونوں سیاسی رہنماؤں کی استعمار کے خلاف مستقل مزاجی سے کی گئی جدوجہد کو خلوص پر مبنی قرار دیا ہے۔ مضمون میں ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے ترکی کی حمایت میں شروع کی گئی ''تحریک خلافت'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ترکی زبان میں لکھا گیا ہے اس لیے عبارت بڑی رواں اور قابل ستائش ہے۔

اگلا مضمون پروفیسر محمد منور کا ''اقبالن ادبیات وے سیاست قاتک'' میں ادبیات اور سیاست کے میدان میں اقبال کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مضمون اردو سے ترکی میں کرنل (ر) مسعود اختر شیخ نے ترجمہ کیا ہے۔ (۳۴) اس مضمون کے آغاز میں حیات اقبال، تصانیف اقبال، اقبال کی انگریزی تصانیف اور مکاتب اقبال کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ پھر ''صاحب بصیرت'' کے عنوان سے اقبال کے کردار و شخصیت کو بیان کیا گیا ہے جو یقیناً ترک قاری کے لیے نئی باتیں ہیں۔ اسی مضمون کے بقیہ حصے میں ''اقبال اور سیاست'' اور ''اقبال اور قائداعظم'' کے ضمنی موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس مضمون کے اختتام پر ۴۰ حواشی دیے گئے ہیں۔

انقرہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر پروفیسر احمد بختیار کے مضمون کا ترجمہ اردو کے ترک استاد شوکت بولو نے ''اقبال وے ترک لر'' کیا ہے۔ یہی مضمون ''بین الاقوامی اقبال کانفرنس'' کیم تا ۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو منعقدہ استنبول میں پڑھا گیا اور بعد میں استنبول میونسپلٹی سے چھپنے والی کتاب ''محمد اقبال کتاب'' ۱۹۹۷ء میں شامل ہوا۔ (۳۵)

اس مضمون میں اقبال کے نظم و نثر میں ترکی اور ترکوں کے بارے میں جو حوالے آئے ہیں ان کا بیان ہے۔ مضمون کے آغاز میں

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان اور ترکی کے حالات کا سیاسی تناظر میں جائزہ لیا گیا۔ ترکوں کی جدوجہد آزادی کے بارے میں اقبال کے خیالات،احساسات اور تمناؤں کو بیان کیا ہے،جن کا اظہار اقبال نے اپنے کلام میں کیا ہے۔

ڈاکٹر ارکان ترکمان نے اقبال کی طویل نظمیں شکوہ اور جواب شکوہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان نظموں کے اہم اشعار کا ترجمہ، مرکزی خیال اور ان کے بعض الفاظ اور ان کے معانی کی وضاحت ترکی نثر میں کی ہے۔ مضمون کے آغاز میں ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا زمانہ اور شان نزول بیان کیا ہے۔ شکوہ کے بند نمبر ۱، ۳، ۷، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۲ اور ۳۱ جبکہ ''جواب شکوہ'' کے بند نمبر ۵، ۶، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۰، ۲۶، ۳۰ اور ۳۶ کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ مضمون کے آخر ''پرسونچ'' یعنی نتیجے میں محمت عاکف ارصوئے کی کتاب ''صفحات'' (۱۹۱۳ء) سے ایک قطعہ اور ایک نظم یہ لکھ کر درج کی گئی ہے کہ مذکورہ اشعار میں اقبال کی طرح محمت عاکف نے بھی خدا سے شکوہ کیا ہے۔

تراجم کلام اقبال کے حوالے سے استنبول یونیورسٹی کے اردو کے ترک استاد ڈاکٹر شوکت بولو (مرحوم) نے منظوم تراجم بہت عمدہ کئے ہیں۔ انھوں نے بال جبریل کی بائیس رباعیات کا ترجمہ ''اقبال دین دورت لک لر'' کیا ہے جو اس رسالے میں صفحہ ۷۱ تا ۷۸ میں دیا ہے۔ رباعیات کے نیچے ترکی زبان میں ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ اقبال کی فارسی نظم ''پیر و مرید'' کا ترکی زبان میں ''مرشد ایلے مرید'' کا عنوان سے برجستہ ترجمہ کیا ہے۔ یہاں بھی فارسی اشعار کے نیچے ترکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ صفحہ ۸۵ تا ۹۹ پر دیا گیا ہے۔

جاوید اقبال کی ایک تقریر ''اقبال و ے روی۔ مکایسلی برعتود'' (اقبال اور رومی ایک موازنہ) جس کا ترجمہ کرنل (ر) مسعود اختر شیخ نے کیا ہے۔ اس مضمون میں جاوید صاحب نے اقبال اور رومی کا مختصر تقابلی جائزہ لیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ رومی اور اقبال نے اپنے اپنے زمانے کے مسلمانوں کی حالت زار اور مسائل بہتر طور پر سمجھ کر ان کی فکری رہنمائی کی ہے۔ (۳۶)

''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' انقرہ کے صدر ڈاکٹر محمت اوندر کا مضمون ''محمت عاکف و ے محمد اقبال'' دراصل علامہ اقبال اور محمد عاکف کا تقابلی مطالعہ ہے جس میں انھوں نے اقبال اور عاکف کی شخصیت اور فن کے مشترکہ اوصاف بیان کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق دونوں عظیم شعراء ایک دوسرے کی شعری تخلیقات سے باخبر تھے۔ اسی مضمون میں انھوں نے عاکف کے ۸ مارچ ۱۹۶۵ء کو حافظ عاصم کے نام خط کا ذکر بھی کیا ہے جو اشرف ادیب نے اپنی کتاب ''محمت عاکف'' کے (استنبول ۱۹۲۸ء) صفحہ ۱۴۳ پر شائع کیا ہے جس میں انھوں نے ہندوستان میں اقبال کی دو کتب ملنے کا ذکر کیا ہے۔ اسی مضمون میں مصنف نے عاکف ارصوئے کا وہ شعر بھی درج کیا ہے، جس کا ترکی ترجمہ عاکف نے اپنی کتاب ''صفحات'' کے ساتویں دیوان ''صنعت گر'' میں شامل کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

دل یاراں از نوائے پریشانم سوخت

من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں (۳۷)

نیز اسی مضمون میں عاکف کے داماد عمر رضا دوغرل نے قونیہ میں ''مولانا اور اقبال'' کانفرنس کے موقع پر اقبال کے عاکف کے نام فارسی میں لکھے گئے خط کو پڑھ کر سنانے کا ذکر بھی کیا ہے جس میں اقبال نے مزار روم پر حاضری کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ عاکف کے دوست ماہر از صاحب کی زبانی اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ عاکف کے پاس ''پیام مشرق'' کا ایک نسخہ تھا جسے وہ ماہر کے ساتھ پڑھنے کے خواہش مند تھے۔ (۳۸) المختصر مصنف نے مضمون کے آخر پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں عظیم اسلامی شعراء بے شک ایک ہی زمانے میں الگ الگ ملکوں میں تھے مگر وہ ایک دوسرے سے واقف تھے۔

آغا افتخار حسین کا ایک مفصل مضمون ''اقبال و ے عقل'' ہے یہی مضمون محمد خان کیانی کی کتاب ''فلسفے، سیاست و ے شعر دنیا سیندا اقبال'' کے صفحہ ۴۷ تا ۶۶ موجود ہے جو استنبول سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ یہاں اس کا عنوان قدرے مختلف ''اقبال دشچے لرینداعقل

ری''(اقبال کے ہاں عشق کا مقام) ہے۔اس مضمون میں انھوں نے عشق اور عقل کے حوالے سے علامہ اقبال کے نظریات پر عالمانہ انداز سے تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اشعار سے ثابت کیا ہے کہ اقبال عقل کی بجائے عشق اور وجدان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اسی رسالے میں اقبال کے فکری نظریات سے متعلق ایک مضمون ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کا''اقبالن فلسفے وشنچے سیندے فن بلگی سی نن اونیمی''(اقبال کے فلسفیانہ تصورات نے سائنسی علوم کی اہمیت) بھی ہے۔جس میں وہ اقبال کے فلسفہ وفکر میں سائنس کی اہمیت' اقبال کی سائنسی سوچ' ان کے ہاں زمان ومکان کا تصور' اقبال عزم وحریت ،اقبال کے ہاں تہذیب اور سائنس کے مقام کو بڑے مدلل انداز سے بیان کرتے ہیں۔یہ مضمون معنوی حوالے سے بڑا وقیع ہے۔

اس رسالے کا آخری مضمون ڈاکٹر غلام علی چوہدری کا''اقبال' جناح وے فلسطین'' ہے۔جس کا ترجمہ اردو کے مایہ ناز ترک استاد خلیل طوق ار صاحب نے کیا ہے۔جس میں ان دو عظیم رہنماؤں کے ہاں فلسطین کی آزاد ریاست کے حوالے سے جو فکری اشتراک تھا اُسے تاریخ کے تناظر میں بیان کیا ہے۔

یہ رسالہ چونکہ ترکی زبان کے ماہر کرنل (ر) مسعود اختر شیخ کی زیرنگرانی شائع ہوا تھا اس لیے مضامین کا ترجمہ بہت معیاری ہے۔ ایڈیٹنگ خوب کی گئی ہے۔چند ایک مقامات پر کمپوزنگ کی غلطیاں نظر آتی ہیں جن سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے مثلاً ٹائٹل پر''مرشد الے مریدابدی اوی کودا'' میں Ebed-Uykuda کے درمیان میں i آتا تھا جو رہ گیا ہے۔یعنی یہ لفظ ابدی او یکودا تھا۔نیز فہرست میں چوتھے مضمون کے عنوان''اقبالن ادبیات وے سیاست کا تک'' میں بھی کمپوزنگ کی غلطی نظر آتی ہے یہاں عنوان میں katkisı کی جگہ kathısi لکھا گیا ہے جبکہ اصل مضمون کے عنوان پر یہ غلطی رفع کر دی گئی ہے۔مجلے میں مجموعی طور پر اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔اسی طرح رسالے میں چند ایک کمپوزنگ کی غلطیاں موجود ہیں جن کی وجہ غالباً پاکستان میں ترکی رسم الخط کی عدم دستیابی ہو سکتی ہے کیونکہ رسالے کی کمپوزنگ صاف چغلی کھا رہی ہے کہ اس کی ٹائپ کے حروف کو ہاتھ سے تیار کیا گیا ہے۔

(ر) ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن (Türkiye Pakistan Kültür Cemiyeti)

i. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔استنبول

۷ اگست ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے پہلے سفیر میاں بشیر احمد اور ترکی میں مجاہدین کے ساتھ ہجرت کرنے والے ظفر حسن ایبک کی کوششوں سے استنبول میں ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' کا قیام عمل میں آیا۔(۳۹) اس انجمن کے قیام میں کئی ترک شخصیات بھی شامل تھیں جن میں سے ایک پروفیسر کاظم اسماعیل گورکن (Kazim Ismail Gürkan)، بہجت کمال چغلر (Behcet Kemal Çaglar) اور ڈاکٹر علی نہاد تارلان وغیرہ بھی شامل ہیں۔

اسماعیل حبیب سیووک کے بقول عمر رضا دوغرل ۱۹۵۰ میں ''انجمن'' کے صدر تھے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اقبال پاکستان کے تصور کے خالق ہیں۔انھوں نے اسی سال انقرہ میں اقبال کے ۱۴ویں یوم وفات پر منعقدہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر کہا تھا کہ ''پاکستان کو اقبالستان'' بھی کہہ سکتے ہیں۔(۴۰)

''پاکستان پوستاسی'' (پاکستان پوسٹ ۱۹۵۸ء) کی اشاعت میں ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کی سالانہ رپورٹ شائع ہوئی جس کے اختتام پر انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کے نئے منتخب اراکین کی فہرست کچھ یوں درج کی گئی ہے۔(۴۱)

صدر:	بہجت کمال چغلر
نائب صدر:	شکوفے نہال (Sckufe Nihal)
جنرل سیکرٹری:	ظفر حسن ایبک
سیکرٹری:	شریف الحسن
خزانچی:	علی رضا جان سو
محاسب:	علاؤالدین جان
نائب محاسب:	حبیب اللہ
ممبر:	نریمان دمچے (Neriman Dimçay)
ممبر:	زیاد گورین (Zeyyad Gören)

۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان انجمن کے صدر تھے (۴۲) وہ کئی سال تک انجمن کی صدارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خاں بھی انجمن کے رئیس رہے ہیں۔

انجمن کے زیر اہتمام ترکی کے اہم شہروں جیسے انقرہ اور بعد میں قونیہ میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔اس انجمن کے تحت تقریباً ہر سال یوم پاکستان، یوم قائداعظم اور یوم اقبال کی تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔جس کے نتیجے میں ترکیہ میں پاک ترک دوستی کے فروغ کے ساتھ ساتھ اقبال شناسی کی روایت کو بھی فروغ حاصل ہوا۔انجمن نے اقبال کے حوالے سے کئی کتب بھی شائع کیں۔ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن نے اقبال پر کئی کتابیں شائع کیں جن میں ''ترکیہ دے ڈاکٹر محمد اقبال'' (Türkiye'de Dr. Muhammad ikbal)، ''محمد اقبال گونو'' (Muhammad ikbal Günü) اور ''اقبال گونو'' (ikbal Günü) شامل ہیں جو بالترتیب ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء میں ترکی سے شائع ہوئیں۔اس کے علاوہ اقبال کے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن) کا صوفی حوری نے ترجمہ کیا جو اسی انجمن

نے ۱۹۵۸ء اقبال اکادمی لاہور کے تعاون سے نشر کیا۔

i۔ ''ترکیہ دے محمد اقبال'' (ترکی میں محمد اقبال)، ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، بسر لرمطبع سی۔ استنبول ۱۹۶۲ء

ii۔ ''شارق تان خبر'' (پیام مشرق کا ترکی ترجمہ) علی نہاد تارلان، ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، استنبول ۱۹۶۳ء

iii۔ ''اسرار و رموز'' (اسرار و رموز کا ترکی ترجمہ) علی نہاد تارلان، ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، استنبول ۱۹۶۴ء

iv. محمد اقبال ''اسلام دا دینی تفکراُن یی دین تشکیولو'' (ری کنسٹرکشن) مترجم: صوفی حوری، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۵۸ء

ii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔انقرہ

ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔ کی ایک شاخ انقرہ میں ۱۹۵۱ء ہی میں قائم کی گئی۔ اس انجمن کے تحت ''پاکستان پوستاسی'' رسالہ جاری کیا گیا جو پاکستانی ایمبیسی کی معاونت سے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۸۹ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ اس کی اشاعت تعطل کا شکار رہی۔ اب یہ وقفہ وقفہ سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ جہاں دیگر عوامل نے ترکوں کو پاکستانیوں سے محبت کرنے کی طرف مائل کیا وہیں اس رسالے میں چھپنے والے مضامین جو زیادہ تر پاکستانی ثقافت، قائداعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے تھے، نے بھی ترکوں کو پاکستانیوں کے نزدیک کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔

۵ فروری ۲۰۱۳ء کو ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن''، انقرہ نے انقرہ یونیورسٹی کے تعاون سے یوم کشمیر منایا۔ اس موقع پر ترک مندوبین کے ساتھ ساتھ پاکستانی سفیر جناب محمد ہارون شوکت نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر ترکیہ بیوک ملی مجلس (قومی اسمبلی) کے رکن اور ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کے صدر جناب برہان قایاترک نے کہا کہ کشمیریوں کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق حق خود ارادیت دینے اور پاکستان کے ساتھ الحاق کا پورا حق حاصل ہے۔ (۴۳) اس ادارہ کے تحت پاکستان اور ترکیہ کے حوالے سے کئی کتب شائع کی گئیں جن میں سے یہ کتاب بڑی اہم ہے۔

Bügünkü Pakistan ve Türkiye-Pakistan Kültür Iliskileri, Türkiye-Pakistan Kültür Dernegi Yayini, Ankara, 19881.

iii. ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔قونیہ

ترکی اور پاکستان کے قدیم برادرانہ تعلقات کو مضبوط تر بنانے کے لیے ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' انقرہ کے صدر محت اوندر اور سیکرٹری فیضی ہل جی کی کوششوں سے اس تنظیم کی ایک شاخ ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء بروز جمعہ کو دوپہر تین بج کر تیس منٹ پر قونیہ میں قائم کی گئی۔ جس کا صدر درویش سینان گل (تاجر) کو بنایا گیا۔ اس موقع پر علامہ اقبال کے بیٹے جسٹس جاوید اقبال، پاکستان سفارتخانہ کے کلچرل اتاشی ڈاکٹر یعقوب مغل کے علاوہ ایسوسی ایشن کے اراکین میں سے سلجوق یونیورسٹی کے ریکٹر پروفیسر ڈاکٹر علی رضا چیتق، محمد علی آپالی (وکیل)، حسن اوزندر (استاد) آئے واج (ٹورزم آفیسر) ڈی۔ حسن یغرق (مولانا ریسرچ انسٹیوٹ کے ڈائریکٹر) کے علاوہ بڑی تعداد میں سول اور فوجی احکام نے شرکت کی۔

تقریب میں قونیہ کی شاخ کے صدر درویش سینان گل نے کہا کہ ترکی اور پاکستان دو برادر اور دوست ملک ہیں۔ دونوں ممالک صدیوں قدیم بھائی چارے اور دوستی کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں ممالک کے لوگ مشترکہ فن، ثقافت، اور روحانی عقائد سے جڑے ہوئے ہیں۔ اقبال نے اپنی تخلیقات میں مولانا روم کو اپنا روحانی مرشد قرار دیا ہے۔ جن سے وہ فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔ رومی کا مزار قونیہ (ترکیہ) میں ہے۔ محبت کے تاریخی رشتوں کی بنا پر ترک قوم اپنے پاکستان بھائیوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔

علامہ اقبال کے برخوردار جاوید اقبال کی موجودگی میں ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کا افتتاح ہونا ہمارے لیے فخر اور خوشی کی بات ہے۔ جاوید اقبال نے اخبار نویسوں کو بیان دیا کہ میرے والد نے دلوں کے سلطان مولانا جلال الدین رومی کو ہمیشہ اپنا مرشد معنوی قرار دیا ہے۔ وہ ساری زندگی مولانا کے دربار پر حاضری کی تمنا لیے تڑپتے رہے۔ اللہ نے یہ موقع مجھے عطا کیا کہ اس شہر کا دورہ کر کے مولانا روم کے حضور اقبال کا ہدیہ تبریک پیش کروں۔ (۴۴)

تقریب کے بعد جسٹس (ر) جاوید اقبال نے رومی انسٹیوٹ میں ''رومی اور اقبال'' کانفرنس میں شرکت کی۔ انھوں نے مولانا روم کے مزار پر حاضری دینے کے بعد مولانا کے مزار کے احاطے میں اقبال کے علامتی مزار کی زیارت بھی کی۔

ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن نے قونیہ میں اقبال کے حوالے سے کئی پروگرام ترتیب دیے۔ ان کے تحت اگلے سال ۱۳ مئی ۱۹۷۹ء کو اقبال کی ایک سوویں برسی منائی گئی جس میں پاکستان کے سفیر جناب الطاف احمد شیخ، کلچرل ایسوسی ایشن انقرہ کے صدر رحمت اوندر اور قونیہ کے سینٹر فیضی ہل جی شریک ہوئے اور انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ اس انجمن کے تحت یوم پاکستان، یوم قائد اور یوم اقبال تقریباً ہر سال منایا جاتا ہے۔ (۴۵)

(س) یوم اقبال / سیمینار

۱۔ علامہ اقبال کے ۱۳ویں یوم وفات پر اپریل ۱۹۵۱ء کو انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ زبان، تاریخ و جغرافیہ میں ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ اس تقریب کا انعقاد ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن انقرہ نے کیا تھا۔

۲۔ ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' استنبول نے علامہ اقبال کا ۱۴واں یوم وفات ۲۱، ۲۲۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو منانے کے لیے استنبول یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے ''مارمرہ لوکل لندے'' میں سیمینار منعقد کیا۔(۴۶) ص ص ۲۱۔ اپریل کو ''اقبال لاہوری'' کے عنوان سے ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے تقریر کی جس میں علامہ اقبال کا مختصر تعارف اور ان کی فکر پر روشنی ڈالی اور اقبال کی چند نظموں، ''مولا نا رومی اور ہیگل، مئے خانہ فرنگ، علم اور عشق کے مابین محاورہ'' وغیرہ کے تراجم پیش کیے۔ اس سیمینار کی دوسری نشست میں اسماعیل حبیب سیوق نے ''اقبال وے ترکیہ'' کے عنوان سے طلباء سے خطاب کیا۔ جس میں انھوں نے علم و آگہی میں عظیم انسانوں کا حصہ، پاکستان سے رابطے کی علامت۔ اقبال، مولانا اور اتاترک، مولانا ہم اور اقبال، اتاترک اور اقبال، اقبال کا عظیم کارنامہ جیسے ضمنی عنوانات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے موضوع کی وضاحت بڑے مدلل انداز سے کی۔ اسی سیمینار میں ۲۲۔ اپریل کو ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان نے ''ڈاکٹر محمد اقبال وے مولانا میز'' (اقبال اور ہمارے مولانا) کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی کہ ترکیہ میں اقبال کا تعارف کیوں ضروری ہے؟ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی گفتگو میں مولانا جلال الدین رومی سے اقبال کی ارادت اور دونوں کے نظریات کا تقابل پیش کیا نیز اپنی گفتگو میں اقبال کو پاکستان کا نظریاتی بانی قرار دیا۔

یوم اقبال (۱۹۵۸ء)

۲۱۔ اپریل ۱۹۵۸ء میں ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن استنبول کے زیر اہتمام ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ اس موقع پر استنبول یونیورسٹی کے سابقہ ریکٹر اور انجمن کے صدر پروفیسر کاظم اسماعیل گورکن، ڈاکٹر علی نہاد تارلان اور بہجت کمال چاغلر وغیرہ نے اقبال کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ (۴۷) ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے اس تقریب میں جو گفتگو کی اس کا متن ''پاکستان پوستاسی'' جنوری ۱۹۵۹ء کے شمارہ: ۱۶۱ میں صفحہ ۶۔۷ پر شائع ہوا ہے۔

یوم اقبال (۱۹۶۲ء)

''پاکستان ثقافتی انجمن'' استنبول کی جانب سے ۲۱۔ اپریل ۱۹۶۲ء کو اقبال کے چوبیسویں یوم وفات کی تقریب ''ایسکی خلق ایوی'' (پرانے عوامی گھر) میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے آغاز پر انجمن کے رئیس پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے ''شاعر اقبال'' کے عنوان سے مدلل علمی گفتگو کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان نے ''اقبال کا دنیا کو پیغام'' کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تقریب کے اختتام پر حسین حاتمی نے ''حیات اقبال'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تقریب میں استنبول کی علمی و ادبی شخصیات کے ساتھ ساتھ طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ چند طلباء نے کلام اقبال کے ترکی تراجم پیش کیے۔ نیز ریڈیو پاکستان کی طرف سے ایک ٹیپ کے ذریعے ''مثنوی رومی'' کا انتخاب سنایا گیا اور پاکستان کے فن مصوری پر حاضرین کو ایک دستاویزی فلم بھی دکھائی گئی۔

یوم اقبال (۱۹۶۵ء)

۳ مئی ۱۹۶۵ء کو ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، استنبول کے زیر اہتمام ''یوم اقبال'' منایا گیا۔

یوم اقبال (۱۹۷۰ء)

۲۱۔ اپریل ۱۹۷۰ء کو انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ زبان، تاریخ و جغرافیہ میں ''یوم اقبال'' منعقد کیا گیا۔ اس تقریب کا اہتمام ترکیہ

پاکستان ثقافتی انجمن، انقرہ اور پاکستانی سفارت خانے کے تعاون سے کیا گیا۔

کتب اقبال کی نمائش (۱۹۷۳ء)

۷ مئی ۱۹۷۳ء کو علامہ اقبال کے یوم پیدائش کے موقع پر نیشنل لائبریری انقرہ میں علامہ اقبال اور پاکستان کے حوالے سے کتب کی ایک نمائش منعقد کی گئی۔

یوم اقبال (۱۹۷۴ء)

۱۔ ۹ مئی ۱۹۷۴ء علامہ اقبال کے ۳۶ ویں یوم وفات کے موقع پر انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ زبان، تاریخ وجغرافیہ میں ''یوم اقبال'' کا اہتمام ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن انقرہ اور ترکیہ پاکستان (دوستی) انجمن برائے خواتین نے کیا۔

۲۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں ہی علامہ اقبال کے ۳۶ ویں یوم وفات کے موقع پر ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' استنبول کے زیر اہتمام جنرل اسمبلی میں ''یوم اقبال'' منایا گیا۔

یوم اقبال (۱۹۷۵ء)

علامہ اقبال کے ۹۸ ویں یوم پیدائش کے موقع پر ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵ء کو ترک تاریخ انسٹیٹیوٹ انقرہ میں ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' انقرہ اور پاکستانی سفارت خانے کے اشتراک سے ''یوم اقبال'' کی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔

شب اقبال (۱۹۸۴ء)

علامہ اقبال کے ۱۰۷ ویں یوم پیدائش کے موقع پر پاکستان ایمبیسی انقرہ میں ۲۸ نومبر ۱۹۸۴ء کو ''اقبال نائٹ'' منائی گئی۔

اقبال کانفرنس (۱۹۸۷ء)

۲۷۔ اپریل ۱۹۸۷ء کو ادبیات فیکلٹی استنبول یونیورسٹی استنبول میں علامہ اقبال کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا انعقاد ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' استنبول نے کیا تھا۔

بین الاقوامی اقبال ڈیز (۱۹۹۵ء)

۳۰ نومبر تا ۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو استنبول میونسپلٹی کے زیر اہتمام ''الوسلر آراسی محمد اقبال گُن لری'' (بین الاقوامی اقبال ڈیز) منائے گئے۔ ۳۰ نومبر کو ''محمد اقبال سرگسی'' کے تحت اقبال سے متعلقہ تصاویر و کتب کی نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ یکم تا ۲ دسمبر کو اقبال پر بین الاقوامی سمپوزیم منعقد ہوا۔ جس کے تحت یکم دسمبر کو صبح ''محمد اقبال گُن لری'' اور شام کو ''شعر گجے سی'' (محمد اقبال ڈے اور نظم اقبال نائٹ) منعقد ہوئی۔ ۲ دسمبر کو محمد اقبال گُن لری کونسر (محمد اقبال ڈے اور کنسرٹ) کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کے غیر ملکی مندوبین میں پاکستان اور ایران کے علاوہ کئی اسلامی ممالک کے سکالرز نے شرکت کی۔

یوم اقبال (۱۹۹۶ء)

مارمرہ یونیورسٹی اور استنبول یونیورسٹی کے اشتراک سے استنبول کے شعبہ الٰہیات میں ۲۶۔۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو منعقدہ اسلامی فکر پر پہلے سمپوزیم میں اور خان ولی نے ''محمد اقبالن بن لک فلسفے ہسند ے تھنر۔ ایورن ایلشکی سی'' (اقبال کا فلسفۂ خودی، خدا اور کائنات میں تعلق) کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔

یوم اقبال (۱۹۹۸ء)

۲۵ مارچ ۱۹۹۸ء کو یلدز پیلس استنبول میں ''یوم اقبال'' کی تقریب کا انعقاد ہوا۔ یہ تقریب اسلامی تاریخ، آرٹ اور ثقافتی ریسرچ سنٹر (IRCICA) اور ترکیہ پاکستان دوستی انجمن برائے خواتین و پاکستان ایمبیسی استنبول کے اشتراک سے منعقد ہوئی۔

(ص) ترک اقبال شناس ______ ایک مختصر تعارف

1. احسان علی آچق (ihsan Eliaçik)

۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء کو قیصری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قیصری اور قرشہر میں حاصل کی۔ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء کے دوران میں اسلامی یوتھ گروپ میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انھیں ''میمق عسکری جزا ایوندے'' میں ایک سال قید رکھا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں عدالت کی پہلی پیشی پر رہائی ملی۔ ۱۹۸۴ء میں لازمی فوجی سروس انجام دینے کے بعد ۱۹۸۵ء میں ارجیسی یونیورسٹی کے شعبہ الہیات' قیصری میں داخلہ لیا مگر ۱۹۸۸ء میں تعلیم مکمل کیے بغیر استنبول چلے گئے۔ احسان علی آچق نے ۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۳ء میں ''بیاضد'' کی کاروائیوں میں حصہ لیا۔ انھوں نے نوجوانوں کی تعلیم کے لیے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ انھوں نے ہی قیصری میں ''ایف ایم'' ریڈیو کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد پہلے ڈائریکٹر بھی رہے۔ (۴۸) انھوں نے ایک لکھاری کے طور پر عملی زندگی کا آغاز کیا اور کئی اخبارات اور رسائل مثلاً ''گن دیم'' گرجیق حیات' بلغی و دشو نجے'' اوز گن ارادے' بلغی آرم' سوزوے عدالت وغیرہ میں مضامین لکھے۔ وہ عربی' انگریزی اور ترکی زبانیں جانتے تھے۔ وہ دانشور اور تجزیہ نگار تھے۔ مجلہ ''یارن'' کے بند ہونے تک وہ اسے ۴ سال بڑی محنت سے نکالتے رہے۔ رسالہ'' گرجیق حیات'' میں وہ دو سال تک مختلف سیاسی اور سماجی موضوعات پر مضامین لکھتے رہے۔ وہ ''سوزوے عدالت'' میں بھی دو سال تک مسلسل لکھتے رہے۔ انھوں نے ۲۰ کے قریب علمی ادبی کتب تصنیف کیں۔ انھوں نے اقبال کی شخصیت اور افکار پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

کتاب:

''محمد اقبال'' آر. احسان علی آچق ، ایلتے یاین لری، استنبول ۲۰۰۴ء صفحات ۱۱۲

2. احمد البائراق' ڈاکٹر (Dr. Ahmed Al-bayrak)

ترک اقبال شناس احمد البائراق برصہ میں ۳۱ جنوری ۱۹۶۷ء کو پیدا ہوئے انھوں نے علوداغ (Uludag) یونیورسٹی شعبہ الہیات، برصہ سے گریجوایشن مکمل کی۔ انھوں نے اسی یونیورسٹی شعبہ الہیات کی شاخ ''سائیکالوجی آف ریلیجین'' سے ۱۹۹۵ میں ''گنجلک' دین وے دعا لرپسکالوجی سی'' (نوجوان اور دعا کی نفسیات) کے موضوع پر تھیسس لکھ کر ایم۔اے کیا۔ پھر اسی یونیورسٹی سے ۲۰۰۱ء میں ''محمد اقبالن کھیشے لک یپ سی وے آن کھوردوانسان ماڈلی'' (محمد اقبال اور اس کا انسان کامل) کے موضوع پر پی۔ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔

انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز مدانیہ، برصہ کے ہائی اسکول میں بطور دینیات کے استاد سے کیا۔ جہاں انھوں نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۳ تک خدمات سرانجام دیں۔ پھر ۱۹۹۵ میں قارہ تکنیک یونیورسٹی، ریضے میں ۲۰۰۴ء تک ریسرچ اسسٹنٹ الیکچرر کام کیا۔ وہ آج کل قارہ یونیورسٹی، ریضے میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ (۴۹) انھوں نے اقبال پر کئی مضامین لکھے ہیں اور کچھ مضامین انگریزی سے ترکی زبان میں ترجمہ کیے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اقبال کے خطبہ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

مضامین:

۱۔ ''اقبال دے دائنا مک انسان انلائش'' (اقبال کا متحرک انسان) 'دیوان درگسی' شمارہ ۵، فروری ۱۹۸۲ء' صفحہ: ۲۳۱ تا ۲۵۴

۲۔ ''اقبال دے انسانن یاراتللش'' (اقبال کے ہاں تخلیق آدم)'' کرتن قیلے درگسی'' شمارہ: ۵' ۲۰۰۲ء' صفحہ: ۱۶۲ تا ۱۶۶

کتب:

۱۔ گنجلک، دین و ے دیغرلر پسکالوجی(نوجوان، دین اوراقدار کی نفسیات) ، مرتب حیاتی ہوک ایلیکلی (Hayati Hokelekli)،انقرہ ادکل پبلیکیشنز ،انقرہ ۲۰۰۲۔

۲۔ ''اقبالن دشنجے دنیاسی''(اقبال کی فکری دنیا) مرتب احمد البائراق ،انسان یاین لری ،استنبول ۲۰۰۴ء اور پھر ۲۰۰۶ء صفحات: ۳۵۲

۳۔ محمد اقبال سوزلوغ (لغتِ محمد اقبال) لمحور کتاب' استنبول ستمبر ۲۰۰۵ء صفحات: ۲۴۷

۴۔ محمد اقبال' کائنات یاین لر' استنبول ۲۰۰۷ء صفحات ۲۵۳

تراجم:

۱۔ ''قرطبہ جامی: وژیون یاد ایکلیش'' (مسجد قرطبہ وژن یا پے ریش) مقالہ ،مصنفہ شیلا میکدہ ونو کا ترجمہ مجلّہ ''یدی اکلیم'' شمارہ:۹۴: جنوری،۱۹۹۸ء صفحہ ۵۳۔۵۶

۲۔ ''جیمس وے اقبال (دین پسکالوجی سی نے ینی بریگ لاشم)'': جیمس اور اقبال مذہبی نفسیات میں نئے خیالات) مصنف آصف اقبال از اقبال ریویو شمارہ ۳۰ نمبر ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء شائع شدہ'' محمد اقبالن دشنجے دنیاسی' استنبول ،۲۰۰۴ء

۳۔ ''اقبال کا خطبہ الٰہ آباد''۔

3. احمد متین شاہین (Ahmet Matin Şahin)

شاعر اور مترجم اقبال احمد متین کی پیدائش ۱۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو توطاق میں ہوئی۔ ان کے والد اصغر حاں آغا دوغو بیاضد عسکری خانے میں کام کرتے تھے۔اصغر آغا دو بیاضد سے توطاق میں رہائش پذیر ہو گئے اسی دوران توطاق کے مفتی محمت شکرو بلجہ کی بیٹی زہراہ خانم سے ان کی شادی ہوئی۔ مفتی صاحب حافظ اور ایک اچھے شاعر اور عالم تھے۔وہ مثنوی نویس خان شفق جان کے چچا ہیں۔انھوں نے فارسی زبان اپنے دادا' ماموں سلیم اور اسکول کے اساتذہ سے سیکھی۔انھیں شاعری کا شوق تھا اور بہت کم عمری میں انھوں نے شعر گوئی کی ابتدا کی۔

۱۹۵۰۔۱۹۵۱ء میں انھوں نے تدریس کا آغاز کیا۔توطاق غازی پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے کہ ان کی انقرہ ٹرانسفر ہوئی۔ انھوں نے'' کارتل تپے'' پرائمری اسکول میں ایک سال مدرس کے فرائض سرانجام دیے۔اس کے علاوہ انھوں نے یہاں اسسٹنٹ ڈائریکٹر اسکول کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔اسی اسکول سے وہ ۱۹۷۷ء میں ریٹائر ہو گئے۔ برصہ میں ایک کتابوں کی دکان کھولی۔انھوں نے رسالہ'' حصار'' میں طویل مدت تک ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔اس رسالے کے لیے انھوں نے شاعری بھی کی۔اس کے علاوہ انھوں نے معروف رسائل''ترک ادبیات، باہچے ،افلاطون'' کے لیے اشعار بھی لکھے ہیں۔(۵۰)ان کی شاعری اناطولیہ کی تاریخ کے موضوع پر ہے۔ ابتدا میں انھوں نے اقبال کی مختلف فارسی کتب کا منظوم ترجمہ کیا جو اب کلیات کی شکل میں استنبول سے شائع ہو چکا ہے۔

کتب:

۱۔ محمد اقبال کلیات'' ترجمہ: احمد متین شاہین' ارماق یاین ایوی' استنبول' ۲۰۰۰ء۔

4. اسماعیل حبیب سیووک (ismail Habib Sevuk)

ترک مصنف اور ادبی تاریخ نویس اسماعیل حبیب ۱۸۹۲ء میں اورنہ میں پیدا ہوئے۔ قاستاموتو کے لاء اسکول سے گریجوایشن کرنے کے بعد ازمیر اور انقرہ میں ادبیات کے استاد رہے۔ اورنہ میں نیشنل ایجوکیشن کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۷ء میں اناطالیہ اور ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۱ء کے دوران میں اورنہ میں ڈائریکٹر نیشنل ایجوکیشن رہے۔ اس کے بعد ۱۹۳۱ء تا ۱۹۴۳ء تک غلطہ اسکول میں مدرس کے طور پر کام کیا۔ سینوپ سے ۱۹۴۳ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ (۵۱)

مضامین:

۱۔ ''اقبال وے ترکیہ'' کے عنوان سے اسماعیل حبیب نے علامہ اقبال کے چودھویں یوم وفات کے حوالے سے ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۲ء کو ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کے زیر اہتمام منعقدہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر اقبال اور ترکیہ کے حوالے سے ایک سیر حاصل گفتگو کی۔ جس کا متن ثقافتی انجمن کے تحت شائع ہونے والی کتاب'' پاکستان بیوق ملی شاعر اقبال حق اندا کانفرنس لر'' (پاکستان کے عظیم شاعر علامہ اقبال کے حوالے سے تقاریر) ۱۹۵۲ء کے صفحہ ۲۳ تا ۳۴ شامل اشاعت ہے۔

۲۔ ''اقبال وے ترک لر'' اخبار'' جمہوریت'' جلد ۲۷، شمارہ نمبر: ۲۴،۹۹۶۲۔ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

5. ایس۔ محمت آئدن (S. Mehmet Aydin)

فلسفے کے ماہر اور اقبال شناس محمت آئدن ۱۹۴۳ء میں ایلازغ (Elaziğ) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۶۶ء میں انقرہ یونیورسٹی کی الٰہیات فیکلٹی سے بی۔اے کیا اور ۱۹۶۷ء میں شعبہ فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کے لیے وزارت تعلیم کی سکالرشپ پر برطانیہ گئے۔ ۱۹۷۶ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اتاترک یونیورسٹی کی فیکلٹی آف اسلامک سائنسز میں فلسفہ کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا۔ لازمی فوجی سروس کے بعد انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات سے منسلک رہے اور ۱۹۷۸ء میں انھیں اسی یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ اور منطق میں ایسوی ایٹ پروفیسر مقرر کیا گیا۔

وہ انقرہ یونیورسٹی اور مڈل ایسٹ ٹیکنیکل یونیورسٹی (Metu) کے شعبہ فلسفہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں انھیں دوقوز علول (Dokuz Eylul) یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات میں بطور پروفیسر متعین کیا گیا۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کو اسی شعبے کا ڈین مقرر کر دیا گیا۔ وہ ترکی میں فلاسفی ایسوسی ایشن کے بانی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کئی علمی اداروں کے رکن ہیں۔ وہ ترکی، انگریزی اور جرمن زبانیں جانتے ہیں۔ انھوں نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت بھی کی ہے۔ انھوں نے کئی ملکی اور غیر ملکی رسائل اور اخبارات کے لیے مقالے بھی لکھے ہیں۔ (۵۲) ترک اقبال شناسوں میں محمت آلیس آئدن بڑے معروف سکالر ہیں۔ انھوں نے اقبال پر کئی مضامین لکھے ہیں۔ ''ڈاکٹر محمت الیس آئدن'' (Dr. Mehmet S. Aydin) کی تصنیف کردہ کتابوں ''عالم دین اللہ''(Alemden Allaha) اور ان کی کتاب ''اسلام فلسفے سی یزلر''(Islam Felsefesi Yazilari) میں ان کے اقبال پر لکھے گئے مقالات شامل ہیں۔ یہ کتابیں بالترتیب ۱۹۹۸ء اور ۱۹۹۹ء میں استنبول سے شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ترک اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے لیے اقبال پر ایک تفصیلی مضمون بھی لکھا ہے۔

6. بشیر آئے واز اوغلو (Beşir Ayvazoğlu)

مصنف، صحافی اور شاعر بشیر آئے واز اوغلو کا اصل نام بشیر آئے واز ہے۔ وہ ۱۱ فروری ۱۹۵۳ء سیواس کے ''زارا'' ضلع میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سیواس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر برصہ ایجوکیشن انسٹیٹیوٹ کے شعبہ ادبیات سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کئی اسکولوں میں ترکی زبان وادب کے مدرس کے فرائض سرانجام دیے۔۔ اسی دوران میں انھوں نے ترکیہ کے مختلف اخبارات میں مضامین لکھے۔ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۱ء کے دوران انھوں نے ترکیہ کے معروف اخبار ''ترجمان'' میں ''فنون وثقافت'' کے صفحات کی ادارت کی۔ اس کے بعد انھوں نے اخبار ''ینی اُفق'' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ انھوں نے ترکیہ کے کئی معروف مجلوں ''درگا'، حرکت' حصار' ترک ادبیات' گن لوغ' وغیرہ میں کئی تنقیدی مضامین اور مقالے بھی لکھے۔ کچھ عرصہ وہ ''وزارت ثقافت'' میں ایڈوائزر بھی رہے۔ (۵۳)

7. بصری گوجل (Basri Gocul)

ترک شاعر بصری گوجل ''چھورلو'' میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم ''ادرنہ زراعت'' اسکول میں مکمل کی۔ ''نغ'' (-Nig) میں مدرس رہے پھر برصہ میں میوزیم کے نگران بنے اور برصہ ہی میں ۹ جنوری ۱۹۷۶ء کو وفات پائی۔ ان کا مزار 'امیر سلطان'' قبرستان میں ہے۔ انھوں نے ملی احساسات کے حوالے سے اشعار لکھے ہیں۔ ان کے اشعار ترکیہ کے معروف رسائل میں چھپتے رہے ہیں۔ انھوں نے ترکی کی مشہور ملی داستان ''دیدے کورکت'' (۵۴) کے قصوں کو نظم میں منتقل کیا ہے اس کا عنوان ''اوغوزلما'' ہے جو دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ کام انھوں نے ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۶ء کے دوران میں مکمل کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے چند شعری مجموعے لکھے اور بیس کے قریب منظوم تراجم کیے ہیں۔ انھوں نے ''شاہنامہ اسلام'' کی طرح ''ترک شاہنامے سی'' بھی لکھا ہے۔ (۵۵) انھوں نے ''پیام مشرق'' کے حصہ ''لالہ طور'' کی ۱۶۳ رباعیات میں سے ۱۴۱ رباعیوں کا ترکی زبان میں ترجمہ ''طورلا لے سی'' کے عنوان سے کیا اور ۱۹۷۰ء میں برصہ سے شائع کیا۔ انھوں نے ''پیام مشرق'' کے حصہ ''افکار'' کی تقریباً ۲۱ نظموں کے ترجمے پر مشتمل کتابچہ کو ''اقبالن حکمت لی شعرلر'' کے عنوان سے ترجمہ کر کے اسی سال شائع کرایا۔

تراجم کتب:

۱۔ ''پاکستان ملی شاعری اقبالن حکمت لی شعرلری'' (پاکستان کے شاعر اقبال کے حکیمانہ اشعار) ۱۹۷۰ء

۲۔ ''طرلا لے سی'' (لالۂ طور۔ اقبال) ۱۹۷۰ء

8. جلال سوئیدان (Cilal Soydan)

انقرہ یونیورسٹی کے اردو کے استاد اور کلام اقبال کے مترجم جلال سوئیدان نے انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ وجغرافیہ سے اردو ادب میں ۱۹۸۸ء میں گریجوایشن کی۔ اورینٹل کالج لاہور کے شعبہ اردو سے پہلے ڈپلومہ کیا۔ پھر اسی شعبہ سے ۱۹۹۴ء میں اردو میں ایم۔ اے کیا۔ انھوں نے ایم۔ اے میں ''ترکی میں مطالعۂ اقبال'' کے موضوع پر پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی نگرانی میں مقالہ لکھا۔ اس کے بعد انھوں نے انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ وجغرافیہ زبان وادب سے ۱۹۹۹ء میں ''اردو وجہ منظوم وے منثور راثرلری اشند اعلامہ محمد اقبال'' (علامہ محمد اقبال اپنی اردو نظم ونثر کی تصانیف کی روشنی میں) مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل اسی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے نظم ونثر پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ (۵۶) ان کی کتاب ''محمد اقبال اشق وے طُست کو'' کے عنوان سے ۲۰۰۰ء میں انقرہ سے شائع ہوئی جس میں اقبال کے اردو کلام کی دس طویل نظموں کا ترکی ترجمہ شامل ہے۔ انھوں نے اقبال کے حوالے سے کئی مضامین بھی لکھے ہیں۔

کتب:

''محمد اقبال عشق و ے ملت کو'' (عشق اور جوش) اکیا یا ین لر، انقرہ، ۲۰۰۰ء

اردو مضامین:

۱۔ ''اقبالیات (ترکش) پر ایک نظر''، جلد۴، شمارہ ۳، ۳۳، جنوری ۱۹۹۳۔

۲۔ ''علامہ اقبال اور ترک'' مشمولہ رسالہ ''اقبال'' بزم اقبال، جلد۴۲، شمارہ: ۲، اپریل ۱۹۹۵ء۔

ترکی مضمون:

۳۔ ''اقبال کے ہاں عورت کا مقام'' مجلہ ''اورینٹل سٹڈی'' جلد۳، شمارہ: ۹، بہار ۲۰۰۳۔

مقالہ:

۱۔ ''اقبال شناسی کے حوالے سے اور عاکف کا حصہ'' مارچ ۱۹۹۸ء

9. جودات قلیچ (Cevdat Kiliç)

ترک ماہر تعلیم اور اقبال شناس جودات قلیچ ارطوین' سوشات گاؤں دیبرجی میں ۱۹۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور مڈل تعلیم اسی گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد ری زے ہائی اسکول میں ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انقرہ یونیورسٹی کی الٰہیات فیکلٹی سے ۱۹۹۱ء میں گریجویشن کی۔ اسلامی فلسفہ کے اسی شعبے سے ۱۹۹۴ء میں ''محمد اقبال کے فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات'' پر مقالہ لکھ کر ایم۔ اے کیا۔ اسی شعبہ سے ۱۹۹۸ء میں ''مذہبی لوگوں کے مذہبی حقوق'' کے موضوع پر پی۔ ایچ ڈی کی۔ ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۹ء کے دوران میں انقرہ کے مختلف اسکولوں میں مدرس اور منتظم کے طور پر کام کیا۔ کچھ عرصہ کے لیے وزارت تعلیم میں شعبہ تعلیم و تربیت کے صدر دفتر میں بھی فرائض انجام دیے۔

۱۹۸۹ء میں فرات یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات کے اسلامی فلسفہ فیکلٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ان کا ایم۔ اے کا مقالہ بعنوان ''ترک دوست اور مولانا کے پرستار محمد اقبالؒ'' اور پی۔ ایچ ڈی کا مقالہ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر ان کے مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ (۵۷) انھوں نے اقبال کی حیات، شخصیت اور تصورات کے حوالے سے ''عظیم مفکر محمد اقبال ۔۔۔ حیات، شخصیت اور تصوارت'' لکھی جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

10. حسین حاتمی (Huseyin Hatemi)

ترک عالم، مصنف اور قانون کے پروفیسر حسین حاتمی ۱۲ دسمبر ۱۹۳۸ء کو استنبول میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد علی اصغر حاتمی ایران کے شہر شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ جبکہ آپ کی والدہ جمیلے خانم استنبول میں پیدا ہوئیں۔ ان کا خاندان آذر بائیجان سے ہجرت کر کے استنبول رہائش پذیر ہوا تھا۔ حسین نے ابتدائی اور پرائمری تعلیم بالترتیب طلعت پاشا اسکول اور شیش لی اسکول استنبول سے حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۵۶ء میں ثانوی تعلیم اتاترک بوائز اسکول سے حاصل کی۔ انھوں نے استنبول یونیورسٹی کے شعبہ قانون سے ۱۹۶۰ء میں گریجوایشن کی اور ۱۹۶۱ء میں انھیں سول لاء کی مسند پر تعینات کیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء میں اپنی ہم پیشہ وکیل ''کازان حاتمی'' سے شادی کی۔ انھیں شعر گوئی کا شوق تھا۔ ان کے اشعار مختلف اسلامی و ادبی رسائل میں شائع ہوئے۔ انھوں نے شاعری کے علاوہ مختلف مضامین اور کالم ''حرکت، ملی گزیتے، زمان، ینی گن دیم، ماورا، ینی ایشیا اور ینی شفق وغیرہ اخبار و رسائل میں لکھے۔ (۵۸)

حسین حاتمی نے اسلامی قانون پر کئی کتب لکھیں اور قانون کے موضوع پر بہت سے لیکچر دیے۔ استنبول یونیورسٹی میں ۱۹۷۳ء میں وہ ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ۱۹۸۱ء میں پروفیسر بنے۔ ۱۹۸۵ء میں مارشل لاء لگنے پر انھیں یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ کچھ عرصہ انھوں نے وکالت بھی کی۔ ۱۹۹۰ء میں یونیورسٹی میں واپس آ گئے۔ وہ عربی، فارسی، جرمن اور فرانسیسی زبانیں آسانی سے بول سکتے ہیں۔ استنبول یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے باوجود وہ کئی دیگر یونیورسٹیوں کے شعبہ قانون اور سیاسی و سماجی علوم میں کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے "جاتیہ خطاب" کے عنوان سے جاوید نامہ کے بعض حصوں کا ترکی میں منظوم ترجمہ کیا جو ۱۹۶۵ء میں استنبول سے شائع ہوا۔

11. خلیل طوق اَر (Halil Toker)

استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو زبان و ادب کی مسند کے سربراہ 'اردو زبان کے ترک پروفیسر اور مترجم اقبال خلیل طوق اَر' باقر گاؤں' استنبول میں ۳۔ اپریل ۱۹۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام صلاح الدین ہے۔ (۵۹) انھوں نے ۱۹۷۸ء میں "یخی اسکول زونگل داق" میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پرائمری تعلیم "بفر اسکول زونگل داق" سے ۱۹۸۱ء میں مکمل کی۔ پھر "زونگل داق انڈسٹری" سے منسلک ہائی اسکول سے ۱۹۸۳ء میں ثانوی تعلیم حاصل کی۔ استنبول یونیورسٹی کے شعبہ سماجی سائنسز، فارسی زبان و ادب سے ۱۹۹۲ء میں گریجوایشن مکمل کی۔ پھر اسی یونیورسٹی میں انھوں نے ایم۔ اے اردو کیا۔ ایم۔ اے میں انھوں نے "مرزا غالب۔ حیات و فن" پر مقالہ لکھا تھا۔ استنبول یونیورسٹی میں انھوں نے ۱۹۹۵ء میں "ہندوستان میں فارسی اردو شاعری کا عہد ثانی اور بہادر شاہ ظفر" لکھ کر پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اسی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ۱۹۹۰ء سے اردو زبان کی تدریس کا آغاز کیا۔ انھیں ۱۹۹۹ء میں اسسٹنٹ پروفیسر پھر ۲۰۰۶ء میں اردو زبان و ادب کی چیئر پر پروفیسر تعینات کیا گیا۔ انھوں نے تقریباً ۲۲ سے زیادہ کتب اور سو سے زائد مقالے لکھے ہیں۔ (۶۰) انھوں نے ترک شاعری کا ایک انتخاب اردو میں ترجمہ کر کے استنبول سے شائع کروایا ہے۔

خلیل طوق اَر نے اقبال کے اردو کلام کے منتخب حصوں پر مبنی ترجمہ "شوسماوی گوک یوزنو کیندی یوردم سانمیشتیم بن" کے عنوان سے کیا اور اسے ۱۹۹۹ء میں استنبول سے شائع کرایا۔ اقبال کے انگریزی میں لکھے ڈائری کے اوراق جاوید اقبال نے "Stray Reflection" عنوان سے مرتب کیے ہیں۔ اس کتاب کا ترکی ترجمہ ڈاکٹر خلیل طوق اَر نے "یانسمالر محمد اقبال۔ گینچلک نوتلر" کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں کیا اور اسے استنبول سے شائع کرایا۔ انھوں نے اقبال کے جناح، عطیہ بیگم اور ضیاء الدین کے نام لکھے خطوط کو ترکی زبان میں "مکتوب لر" کے عنوان سے شائع کروایا ہے۔ انھوں نے اقبال کی کتاب "جاوید نامہ" کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال پر کئی مضامین اردو اور ترکی زبانوں میں لکھے ہیں۔

12. رمضان تونچ (Ramzan Tunç)

شاعر اور مترجم اقبال رمضان تونچ "پالو/ایلازغ" میں یکم مارچ ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور پرائمری تعلیم "سیوے رک" میں مکمل کی۔ ۱۹۷۸ء میں "استنبول وفا" ہائی اسکول سے گریجوایشن کی پھر آپ "دیار بکر" میں رہائش پذیر ہو گئے اور وہاں صوبائی ڈائریکٹوریٹ آف ہیلتھ و سوشل ویلفیئر میں ۱۹۷۴ء میں ملازمت کی۔ وہ ۱۹۷۶ء تک استنبول اور پھر وہاں سے "ازمیت" میں ۱۹۸۸ء تک رہے۔ وہ "ازمیت" کے مقامی لیبر آفس سے ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہو گئے۔ آج کل "کوجہ علی" میں رہائش پذیر ہیں۔ انھوں نے کئی رسائل میں اشعار اور مضامین لکھے ہیں۔ وہ اخبارات میں کالم بھی لکھتے رہے ہیں۔ آج کل وہ مشہور ترک شاعر "نجیب فاضل قصہ کورک" کی طرح

۱۹۷۴ء سے آزاد شاعری کر رہے ہیں۔ان کا شعری مجموعہ ''چھول دے یولُو'' (صحرا اور صحرانورد) ہے۔(٦١)

کتاب:

۱۔ محمد اقبال (سوانح)، ظفر مطبع سی، استنبول ۱۹۸۴ء، صفحات: ٩٦

13. سنائل اوزکان (Senail Özkan)

مترجم اور مصنف سنائل اوزکان ''گومش خانے'' میں ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی اور پرائمری تعلیم گومش خانے ہی میں حاصل کی۔۱۹۷۴ء میں ''حاجی تپے'' یونیورسٹی سے الیکٹرانکس میں انجینئرنگ کی۔پھر ۱۹۷۸ء میں جرمنی گئے یہاں ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۵ء کے دوران میں یونیورسٹی کے شعبہ ''فلسفہ، جرمن ادبیات اور سوشالوجی'' میں تعلیم حاصل کی۔انھوں نے تین سال ٹکسٹائل کی تجارت کی۔انھوں نے کئی سال جرمنی کے شہر بون اور کولون میں بطور مترجم کام کیا۔وہ ۱۹۹۸ء میں ترکی واپس آ گئے۔انھوں نے جرمنی کے قیام کے زمانے میں مشہور مغربی مفکروں اور فلسفیوں کی تصانیف کا مطالعہ ایک متجسس مفکر کی نظر سے کیا۔مغربی و مشرقی فلسفیانہ افکار و نظریات پر بھی اُن کی گہری نظر ہے۔

جرمنی کے قیام میں انھوں نے انا میری شمل سے مسلسل رابطہ رکھا اور شمل کی مولانا رومی اور اقبال کے حوالے سے دو کتابیں بھی جرمن زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیں۔سنائل اوزکان کا اسلوب دلچسپ اور جاندار ہے۔(٦٢) ڈاکٹر انا میری شمل کی اقبال پر جرمن زبان میں لکھی کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ بعنوان ''پیغمبرانِ بر شاعر وے فلوضوف۔محمد اقبال'' کیا ہے۔یہ کتاب ترکی وزارت ثقافت نے ۱۹۹۰ء میں شائع کی۔

14. صلاح الدین یاشار (Selahaddin Yaşar)

صلاح الدین یاشار ''مرسین'' سے ملحق اناموِر ضلع کے کِذلِا گاؤں میں ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اسی گاؤں سے حاصل کی۔مڈل اور ثانوی تعلیم ضلع اناموِر سے حاصل کی۔استنبول یونیورسٹی سے ترک ادبیات کی زبان و ادبیات کی فیکلٹی سے گریجوایشن کی۔استنبول میں ایک مدت تک ادبیات کے استاد کے طور پر کام کیا۔انھوں نے ''ینی آسیہ' بزیم عائلے' کوپرو' جان کاردیش'' وغیرہ اخبارات و رسائل میں کالم اور مضامین لکھے۔ان کا قلمی نام اسلام یاشار ہے۔وہ ایف۔ایم ریڈیو اور دوست ٹی وی پر معروف ادیبوں اور شاعروں سے انٹرویو بھی کرتے رہے ہیں۔آج کل وہ اخبارات میں ہفتہ وار کالم لکھتے ہیں۔ان کی ۳۵ کے قریب علمی و ادبی کتب ترکی میں شائع ہو چکی ہیں۔انھوں نے ''اجتہاد اور مولانا بدیع الزماں' امام ربانی کی سوانح اور مکتوبات' ترکی شاعر یحییٰ کمال بیاتلی کی شاعری اور سوانح' معمار سینان اور اس کی تعمیرات' یونس امرہ کی شاعری کے علاوہ علامہ اقبال کی سوانح اور شاعری پر کتب لکھی ہیں۔(٦٣) یاشار نے اقبال کی سوانح، فن اور جدوجہد پر مبنی کتاب ''محمد اقبال حیاتی، صنعت، مجادلے سی'' کے عنوان سے لکھی جو ۱۹۸۸ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔

کتب:

۱۔ ''محمد اقبال احیات۔صنعت۔مجادلے سی'' (محمد اقبال۔سوانح، فن اور جدوجہد)، نسل یاین لر، ۲۰۰۷ء، صفحات: ١٦٠

15. صوفی حوری (Sofi Huri)

ترکیہ جمہوریہ کی کچھ گم نام شخصیات ایسی بھی ہیں جنہوں نے فن، ثقافت اور ادب میں بڑا تحقیقی و تصنیفی کام کیا ہے ان میں سے ایک شخصیت صوفی حوری کی ہے۔ عرب عیسائی گھرانے سے تعلق رکھنے والی صوفی حوری ۱۸۹۷ء میں حلب میں پیدا ہوئیں۔ نمازی انطب امریکی کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد وہ کیمبرج یونیورسٹی انگلستان چلی گئیں۔ وہ عربی، ترکی، آرمینین، یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھتی تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں وہ امریکی مطبوعات کے ادارے استنبول کے شعبہ تالیف و تصنیف میں ملازم ہو گئیں جہاں انھوں نے بہت سی کتب تالیف و تصنیف کیں۔ وہ مشہور ریڈ ہاؤس (ترکی انگلش) ڈکشنری کی مدیر بھی رہیں۔ انھوں نے ایک یونانی کے ساتھ شادی کی۔ ان کی ایک بیٹی اور بیٹا تھے، جن کے ساتھ انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

وہ ایک عرب عیسائی خاندان کے فاضل، متقی اور روحانی امیر کے ہاں پیدا ہوئیں لہٰذا مشرق کے روحانی صوفیانہ ماحول اور مغربی ثقافت کے زیر سایہ ان کی شخصیت کی تشکیل ہوئی۔ زندگی کا بیشتر حصہ انھوں نے تصوف اور فلسفے کے مطالعہ اور تالیف و تصنیف میں گزار دیا۔ جوانی کے ایام میں انھیں ڈاکٹر فریڈرک میک کیلم (Frederic Maccallum) جیسا مشفق مرشد، دوست استاد میسر آیا۔ جنھوں نے حوری کی زندگی میں صوفیانہ نظریات کی آبیاری کی۔ دوسری شخصیت جس سے صوفی حوری نے فیض حاصل کیا وہ ڈاکٹر رینڈل ہیرس (Dr. Randel Harris)(۶۴) تھے۔ وہ چوبیس کے قریب زبانیں جانتے تھے۔ انھوں نے ہی حوری میں زبانیں سیکھنے کا شوق پیدا کیا۔ مترجم اور مصنف صوفی حوری ۱۹۳۲ء میں برمنگھم (انگلستان) کے قریب ووڈ بروک گروپ کے ایک کالج میں دینیات اور فلسفے کے شعبہ سے وابستہ رہیں (۶۵)۔ صوفی حوری نے اقبال پر کئی مضامین اور ان کے خطبات کا ترکی زبان میں پہلی بار مکمل ترجمہ کیا ہے۔

تراجم:

کتاب:

''اسلام دا دینی تفکرن ینی دین تشکولو'' (تشکیلِ الٰہیاتِ اسلامیہ) صوفی حوری نے اقبال کے انگریزی خطبات کا ترکی ترجمہ ۱۹۶۴ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ اس کتاب کو ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، انقرہ نے بھی شائع کیا۔ اس کتاب کے ۲۲۸ صفحات ہیں۔ یہی کتاب اقبال اکیڈمی لاہور نے ۱۹۸۳ء میں ترکی زبان میں شائع کی۔

نظم:

(i) ''میرحوم انے مّن حاطراسی نا'' (والدہ مرحومہ کی یاد میں) اقبال کی کتاب بانگِ درا کی یہ نظم صوفی حوری نے شریف الحسن کے ساتھ مل کر ترکی زبان میں ترجمہ کی جو رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' فروری ۱۹۶۴ء، جلد ۱۱، شمارہ ۱۱، صفحہ ۱۱ تا ۱۴ اور ۲۲ پر شائع ہوئی۔

مضامین:

(ii) ''اقبال، شارق وے غرب آراسندا کوپروسو'' (اقبال مشرق اور مغرب کے درمیان پل) صوفی حوری نے سید عبدالواحد کے ایک انگریزی مضمون ''دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ'' کا ترکی ترجمہ کیا جو رسالہ ''پاکستان پوستاسی''، مئی ۱۹۶۵ء، جلد ۱۳، شمارہ ۲، صفحہ ۷ تا ۹ پر شائع ہوا۔

(iii) ''اقبالن اسلام رونے سانسینا حزمتی'' (نشاطِ ثانیہ کے لیے اقبال کی خدمات) صوفی حوری نے عبدالحمید صدیقی کے انگریزی مضمون ''کنٹری بیوشن آف اقبال آن اسلامک رینے سانس'' جو رسالہ ''ترک یوردو'' جولائی ۱۹۶۵ء، جلد ۴، شمارہ ۷، صفحہ ۱۸ تا ۱۹ پر شائع ہوا۔

(iv) ''اقبالن حیاتن دان چزگی لر'' (حیاتِ اقبال پر چند لائنیں) پاکستان پوستاسی جلد ۱۳ شمارہ: ۲، مئی ۱۹۶۵ء، صفحہ: ۳ تا ۶، ۹

16. علی علوی قوروجو (Ali Ulvi Kurucu)

شاعر اور مترجم اقبال علی علوی ۱۹۲۲ء میں قونیہ میں پیدا ہوئے۔انھوں نے پرائمری اور ثانوی تعلیم قونیہ سے حاصل کی۔قرآن حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان بھی سیکھی اور انھوں نے ۱۹۳۸ء میں مدینہ ہجرت کی۔قاہرہ کی جامعۃ الازہر سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔مدینہ میں کچھ عرصے تک مختلف سرکاری محکموں میں خدمات سرانجام دیں۔پھر سلطان محمود کے کہنے پر محمودیہ لائبریری کے لیے کچھ عرصہ کام کیا اور ۱۹۸۵ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔انھوں نے تقریباً ساٹھ سال مدینہ منورہ میں بسر کیے۔سال کا کچھ حصہ وہ ترکی میں بھی گزارا کرتے تھے۔وہ قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کے بھی عالم تھے۔انھیں تاریخ سے خاص لگاؤ تھا۔ان کی شخصیت میں شاعری اور موسیقی رچی بسی تھی۔وہ ۳ فروری ۲۰۰۲ء کو مدینہ منورہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔(۶۶) علی علوی قوروجو نے ابوالحسن علی الندوی کی کتاب ''اقبالن حیات کلتر ،شاعرلی وے اثرلری'' (حیات اقبال ،ثقافت ،شاعری اور تصانیف) کا ترجمہ کر کے سعودی عرب ریڈیو سے ۱۹۵۱ء میں اقبال پر اپنی نشری تقریروں میں پیش کیا جبکہ اسی مضمون کو انھوں نے اپنی کتاب ''بیوق اسلام شاعر ڈاکٹر محمد اقبال'' (عظیم اسلامی شاعر محمد اقبال) میں بھی شامل کیا جو ۱۹۵۷ء میں انقرہ سے شائع ہوئی۔

کتب:

۱۔ گیجہ لرن گن دوزؤ معرفت یاین لری استنبول (نثری کتاب)

۲۔ گومشل دے الاؤلر معرفت یاین لری استنبول (شعری کتاب)

ترجمہ:

۳۔ ''بیوق اسلام شاعری ڈاکٹر محمد اقبال'' (عظیم اسلامی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال) علی علوی نے ابوالحسن علی ندوی کی کتاب کے عربی ترجمے ''روائع اقبال'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا جو ہلال یاین ایوی ،انقرہ سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔اس کے صفحات ۸۲ ہیں۔

17. علی گنجلی (Ali Genceli)

اقبال سے عقیدت رکھنے والے ترکوں میں علی گنجلی کا نام نمایاں ہے۔گنجلی علی نہاد تارلان کے شاگرد تھے۔جن کا تعلق آذربائیجان سے تھا مگر انھوں نے ترکی کو اپنا مستقل وطن بنا لیا تھا۔وہ کئی بار پاکستان بھی آ چکے ہیں۔سقوط مشرقی پاکستان سے پہلے ڈھاکہ یونیورسٹی میں کئی سال ترکی زبان کے استاد رہے۔وہ ترکی کے علاوہ فارسی اور اردو زبان بخوبی جانتے تھے۔انھوں نے اقبال کے کلام کا منظوم ترکی ترجمہ کیا ہے۔(۶۷)

تراجم:

کتاب:

''یولجولق خاطراسی'' (مثنوی مسافر) اقبال کی فارسی مثنوی ''مثنوی مسافر'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا جو ''القومطبع'' استنبول سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

نظمیں:

''اقبال دین یدی قطعہ'' (اقبال کے سات قطعات) رسالہ ''سبیل الرشاد'' نومبر ۱۹۵۴ء ،جلد ۸ ،شمارہ: ۱۸۵ ،صفحہ ۱۶۰۔

میں بیس کہانیاں ہیں۔

۲۔ ترکی کے بہترین افسانے۔۲۰۰۲ء ترکی کے ۲۶ ادیبوں کی ۳۴ کہانیوں کے اردو تراجم کا مجموعہ۔۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والے دوسرے ایڈیشن میں ۳۶ کہانیاں ہیں۔

۳۔ ہمارے امریکی مہمان۔۲۰۰۶ء عزیز نہ سن کی ۲۷ منتخب کہانیوں کے اُردو تراجم کا مجموعہ۔

۴۔ دوشرابی۔۲۰۰۸ء ترکی کے نامور مصنف اورخان کمال کی دو کتابوں یں سے ۱۹ منتخب کہانیوں کے اُردو تراجم کا مجموعہ۔

۵۔ جھگڑا روٹی کا۔۲۰۰۹ء اورخان کمال کی پانچ کتابوں میں ۳۰ منتخب کہانیوں کے اردو تراجم کا مجموعہ۔

۶۔ المیزان یا چراغ راہ۔۲۰۰۹ء ترکی کے نامور ادیب فتح گلین کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ۔المیزان کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۷۔ بدیع الزمان سعید نورسی۔۲۰۰۹ء اپنی ساری زندگی اسلام کی راہ پر بسر کرنے والے ترک عالم سعید نورسی کی حیات کے بارے میں مفصل کتاب کا اُردو ترجمہ۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸۔ مردہ گدھے کے خطوط۔۲۰۱۱ء عزیز نہ سن کی طنز و مزاح سے بھرپور کتاب۔

نثار احمد اسرار، ڈاکٹر

ڈاکٹر، اخبار نویس، مصنف، صاحب علم پاکستان ایمبیسی انقرہ کے پریس اتاشی ہندوستان میں یکم فروری ۱۹۴۲ء کو محمد اسمٰعیل کے ہاں پیدا ہوئے۔انھوں نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۴ء میں بی۔اے کیا پھر وہ ترکیہ چلے گئے۔۱۹۷۰ء میں ترکیہ ریڈیو سے منسلک ہو کر یہاں غیر ملکی نشریات کے شعبہ میں مترجم رہے۔استنبول یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم۔اے کیا۔انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے ۱۹۷۸ء میں ''قانونی سلطان سلیمان وے اسلام عالمی'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اخبار ''ترکش ڈیلی'' میں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۴ء تک بطور نیوز ایڈیٹر کام کیا۔۱۹۷۵ء میں پاکستان ایمبیسی سے پریس ایڈورٹائزر کے طور پر منسلک ہو گئے۔۱۹۸۹ تا ۱۹۹۲ء کے دوران میں انقرہ یونیورسٹی کے زبان، تاریخ اور جغرافیہ کے شعبہ ''اردو زبان اور پاکستان'' میں بطور ''عظمان'' (ماہر) خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۹۷ء میں اخبار ''ینی گُن لُک'' میں کالم لکھے۔۱۹۹۵ء میں ترکیہ کے عوامی ثقافتی ریسرچ سنٹر سے بھی منسلک رہے۔ڈاکٹر نثار احمد اسرار کی خدمات کے صلہ میں انھیں ترک ثقافت کی خدمات پر ترکیہ حکومت کی طرف سے میڈل دیا گیا۔اس کے علاوہ ''ایسکی شہر'' کے گورنر، چشمے بلدیہ اور ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، انقرہ کی طرف سے ان کی خدمات پر شیلڈ اور میڈل عطا کیے گئے۔حکومت پاکستان کی طرف سے انھیں ستارۂ امتیاز عطا کیا گیا۔(۸۸) ڈاکٹر صاحب نے اردو، ترکی اور انگریزی زبانوں میں پاکستانی ثقافت اور علامہ اقبال کے بارے میں کئی مضامین بھی لکھے۔انھوں نے اقبال کے کلام اور ان کے انگریزی خطبات کو ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

کتب:

(i) دوغودین ایسنتی لر (مشرق کی ہوائیں) اس کتاب میں اقبال کی اردو شعری تصانیف: بانگ درا، بالِ جبرائیل، ضربِ کلیم اور ارمغان حجاز کا انتخاب شامل کیا گیا ہے)، یہ کتاب دشنجے پبلی کیشن، استنبول سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن ترکیہ ایش بنکاسی، انقرہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔

(ii) اسلام دا دینی دشنجے نن ینی دین دوغوشو (تشکیلِ الٰہیات اسلامیہ) استنبول، ۱۹۸۴ء، اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن برلیشک پبلی کیشنز

فرانسیسی اور فارسی کے سند حاصل کیں۔۱۹۲۰ءکو ادبیات فیکلٹی کے شعبہ ترکی سے فارغ التحصیل ہو کر اسی شعبے سے ۱۹۲۱ءکو پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان '' اسلامی اور ترکی ادبیات میں مثنوی لیلی ومجنوں'' تھا۔انہی دنوں وہ '' سبیل الرشا ''(۶۹) رسالہ میں حسین عادل کے فرضی نام سے اپنی تحریریں شائع کرنے لگے۔

علی نہاد تارلان نے استنبول کے مختلف ۱۱ سکولوں میں ترکی زبان وادب کے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔۱۲۰ اگست ۱۹۳۳ء میں ان کی استنبول یونیورسٹی کی ادبیات فیکلٹی میں شرح متون کے ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر تعیناتی ہوئی۔وہ یکم جولائی ۱۹۴۱ءکو پروفیسر بنے اور ۱۹۷۳ء میں ریٹائرڈ ہونے تک اسی شعبے میں کام کرتے رہے۔ان کی وفات ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔(۷۰) ڈاکٹر علی نہاد عاکف ارصوئی کے قریبی دوست اور اپنے اُستاد فرید کام کے ذریعے اقبال سے متعارف ہوئے تھے۔علی نہاد نے کلام اقبال کے منتخب حصوں کے تراجم کا آغاز ۱۹۵۲ء میں کیا تھا۔اس بات کا ثبوت ان کا پہلا مضمون ''اقبال لاہوری'' ہے جو رسالہ ''اسلام نورو'' استنبول میں ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا اور اسی عنوان پر مبنی ان کی ایک طویل تقریر ''اقبال ھقندا کانفرنسلر'' نامی کتاب میں شامل ہے جو ۱۹۵۶ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔اس میں انھوں نے اقبال کی شخصیت وفن پر اظہار خیال کرنے کے ساتھ ''پیام مشرق'' کی منتخب نظموں ''جلال وہیگل'' ''محاورہ علم وعشق'' ''پند باز با بچہ خویش'' ''اگر خواہی حیات اندر خطر زی'' ''خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا'' کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کے کلام اقبال کے منتخب تراجم ترکی کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے۔ پاکستان سفارت خانے کے ماہوار رسالہ'' پاکستان پوستاسی'' میں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۳ء تک ان کے کلام اقبال کے تراجم اور مضامین بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔اسی رسالہ میں ان کا پہلا مضمون بعنوان ''اقبال'' ۲۰ ۔اپریل ۱۹۵۷ءکو شائع ہوا۔اس میں کلام اقبال سے ''محاورہ مابین خدا وانسان'' اور ''ساقی نامے'' کا ترکی ترجمہ بھی شامل ہے۔ڈاکٹر علی نہاد نے ''جاوید نامہ'' کے سوا علامہ محمد اقبال کے تمام فارسی کلام اور ''ضرب کلیم'' کا ترکی زبان میں ترجمہ خواجہ عبدالحمید عرفانی کے فارسی ترجمے کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔(۷۱)

20. عیسیٰ چیلیق، ڈاکٹر (Dr. isa Çalik)

ترک مصنف عیسیٰ چیلیق ارض روم کے قصبے ''ترمان'' میں ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے۔انھوں نے ابتدائی تعلیم ''کھارس'' میں مکمل کی۔انھوں نے ۱۹۸۸ء میں اتاترک یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات سے تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد انھوں نے پانچ سال دینی ثقافت اور اخلاقیات کے استاد کے طور پر ''منیسا'' کے ضلعی قصبہ ''ترگت'' میں صرف کیے۔

انھوں نے اتاترک یونیورسٹی کے شعبہ سماجی علوم میں ''کریم لی سلیم باباوے برہان العارفینی'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ۱۹۹۷ء میں گریجوایشن کی۔اسی تعلیمی ادارے سے ''عابدین پاشانن مثنوی شرحی وے تصوف دشنجے لری'' (عابدین پاشا کی مثنوی کی شرح اور ان کا فکرِ تصوف) کے موضوع پر ۲۰۰۱ء میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔اسی یونیورسٹی کے شعبہ تصوف میں ۲۰۰۳ء میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔پھر ۲۰۰۵ء میں انھیں ایسوسی ایٹ پروفیسر بنا دیا گیا۔آج کل وہ اسی شعبہ کے سربراہ ہیں۔انھوں نے کئی ترک اخبارات ورسائل میں علمی وادبی مضامین اور کئی کتب تصنیف کی ہیں۔(۷۲) انھوں نے اقبال پر دو کتابیں بھی تصنیف کی ہیں ان میں سے پہلی کتاب ''محمد اقبالن تصوف دشنجے سی'' (محمد اقبال اور تصوف) اور اقبال پر دوسری کتاب ''انسان کامل'' ہے۔

کتب:

۱۔''محمد اقبالن تصوف دشنجے سی'' قاکنوس یاین لری،استنبول،۲۰۰۳ء،صفحات ۲۱۶

۲۔''انسانِ کامل'' قاکنوس یاین لری، استنبول، ۲۰۱۰ء، صفحات ۱۹۲

مضامین:

(i) عیسیٰ چلیق، محمد اقبال: دے عقل وے عشق، مشمولہ رسالہ ''تصوف''، جلد ۹، شمارہ: ۲۲، صفحہ: ۲۲۔۵۷

21. قول سعدی یوکسل (Kul Sadi Yuksal)

ترک مفکر اور مترجم قول سعدی ۳۔اپریل ۱۹۵۷ء میں ''موش، ورتو تارہ'' گاؤں میں پیدا ہوئے۔ پہلی کلاس اپنے گاؤں میں مکمل کی پھر ۱۹۶۴ء میں قونیہ ہجرت کر کے ابتدائی تعلیم فرید پاشا اسکول میں مکمل کی۔ پرائمری اور سیکنڈری تعلیم'' قارہ تائے'' اسکول سے حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء میں سلجوق یونیورسٹی قونیہ کے شعبہ ترکی زبان سے گریجوایشن کی۔ ۱۹۸۲ء میں استنبول چلے گئے۔ وہ آج کل استنبول کے ضلع ''عمرانیہ'' میں رہائش پذیر ہیں۔ انھوں نے تیس سے زائد کتب لکھیں ہیں جن میں نظم ونثر' سوانح' ادبی وعلمی کتب شامل ہیں۔ انھوں نے سیکنڈری تعلیم کے زمانے ہی میں لکھنے اور شعروشاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ''گونل دین'' (قلب سے) ''جبرائیلن صداسی'' (جبرائیل کی صدا) وغیرہ جبکہ تراجم میں مولانا جلال الدین رومی کی رباعیات اہم ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابوالکلام آزاد کی سوانح ترکی میں لکھی ہے۔ (۷۳) انھوں نے اقبال کے فکر وفلسفہ پر ایک کتاب ''مشرق کی بیداری۔ اقبال'' بھی لکھی ہے۔

کتب:

ا۔ دوغونن اویانش۔ اقبال (مشرق کی بیداری۔ اقبال) استنبول ۱۹۸۵ء۔

22. محمت اوندر (Mehmet Önder)

سکالر اور ترکیہ کے آثار قدیمہ کے ماہر پروفیسر ڈاکٹر محمت اوندر یکم مارچ ۱۹۲۶ء کو قونیہ کے ضلع چومرا کے گاؤں کرکن میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے پرائمری اور مڈل کی تعلیم کرکن اور قونیہ کے اسکولوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ زبان، تاریخ اور جغرافیہ سے تاریخ فنون میں گریجوایشن کی۔ اسی سال وہ مولانا میوزیم قونیہ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۶۳ء تک وہ اسی میوزم میں نگران کے طور پر کام کرتے رہے۔ انھیں ۱۹۶۴ء میں آثار قدیمہ اور عجائب گھروں کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۴ء کے دوران میں انھیں ثقافت کا انڈر سیکرٹری بنایا گیا۔ انھیں وزیراعظم کا مشیر برائے ثقافتی امور بھی بنایا گیا۔ انھیں ۱۹۷۷ء میں جرمنی میں ترکی ایمبیسی میں ثقافتی قونصلر تعینات کیا گیا۔ جہاں وہ ۱۹۸۳ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ یہاں سے واپسی پر انھیں وزارت سیاحت وثقافت میں سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے کچھ عرصہ ترک وزیراعظم کے جنرل سیکرٹری کے عہدے پر بھی فائز کیا گیا۔ وہ ۱۹۸۸ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ (۷۴)

محمد اوندر کو کئی بار پاکستان آنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے لاہور میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی اقبال کانفرنس ۲ تا ۸ دسمبر ۱۹۷۷ء میں شرکت کی اور ''مولانا اور اقبال'' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ انھیں ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن' انقرہ کا صدر بنایا گیا۔ (۷۵) محمد اوندر نے ترکی میں تعارف پاکستان اور اقبال کے حوالے سے کافی نام پیدا کیا ہے۔ ادبی حلقوں میں ان کی تصانیف اور مضامین بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے مضامین جو اقبالیات کے موضوع پر ہیں ترکی کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اقبال کو ترکیہ میں متعارف کرانے میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان نے انھیں ''تمغۂ پاکستان'' سے نوازا ہے۔ انھوں نے ۲۴ اگست ۲۰۰۴ء کو انقرہ میں وفات پائی۔ وہ ایک عرصہ تک ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن' انقرہ کے صدر رہے ہیں۔ (۷۶)

محمت اوندر کی تصانیف کی تعداد ۴۰ کے قریب ہے۔ جوترک ثقافت اور ترک آرٹ کے موضوعات پر ہیں۔ انھوں نے مولانا روم پر کئی کتابیں اور مضامین لکھے انھوں نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

مضامین:

(i) ''مولانا دان الہم شاعر اقبال'' (اقبال جو رومی سے متاثر ہے) ترک یردور یویو' نمبر ۲۵۸' مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۸۲۷ تا ۸۲۸۔

(ii) ''پاکستان ملّی شاعر محمد اقبال وے مقام'' (پاکستان کے ملی شاعر محمد اقبال اور ان کا مقام) ترک کلتر' جلد ۳، شمارہ: ۴۰ فروری ۱۹۶۶ء

(iii) ''اقبال یاشم وے مولانا حیران لی'' (حیات اقبال اور رومی کے اثرات) پاکستان پوستاسی' شمارہ: ۲۴ نمبر ۱، جنوری ۱۹۷۶ء، صفحہ ۵۔ ۶، ۱۶

(iv) ''مولانا جلال الدین رومی وے اقبال'' (رومی اور اقبال) یہ مضمون ان کی کتاب ''بوگن کو پاکستان وے ترکیہ۔ پاکستان کلتر الیشکی لری'' (پاکستان اور ترکی کے آجکل کے ثقافتی تعلقات) ترکیہ۔ پاکستان ثقافتی انجمن' انقرہ ۱۹۸۵ء' صفحہ ۵۲ تا ۵۵

(v) ''محمد عاکف وے محمد اقبال'' ملی کلتر ریویو' نمبر ۵۷' مئی ۱۹۸۷ء صفحہ ۵۱ تا ۵۳۔ یہی مضمون ''بوگن کو پاکستان وے ترکیہ۔ پاکستان کلتر الیشکی لری'' کے صفحہ ۶۰ تا ۶۴ میں درج ہے۔ نیز یہی مضمون اقبال اکیڈمی کے رسالہ ''اقبالیات'' ترکی ۱۹۹۳ء میں صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸ پر شامل اشاعت ہے۔

23. محمت علی اوزکان (Mehmet Ali Özkan)

مترجم اور مفکر محمت علی اوزکان ''شان لی عرفہ'' میں ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ بنیادی اور ثانوی تعلیم شان لی عرفہ ہی میں حاصل کی۔ استنبول یونیورسٹی میں شعبہ قانون اور سوشل سائنسز میں گریجوایشن کی۔ سلجوق یونیورسٹی قونیہ سے پبلک لاء میں ماسٹر کیا پھر اسی یونیورسٹی سے آئین اور قانون کے حوالے سے پی۔ ایچ ڈی کی۔

۱۹۸۸ء سے وہ طرابزون، ارزنجان' بالق شہر اضلاع میں ''قائمقام لک'' (ڈپٹی ناظم) تعینات کئے گئے۔ اس کے علاوہ وہ حطائے اور اماسیا میں ڈپٹی گورنر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ آج کل وہ اوردو صوبے کے ڈپٹی گورنر ہیں۔ انھیں ترکی کے علاوہ انگریزی زبان بھی آتی ہے۔ (۷۷) انھوں نے محمد منور کی کتاب ''اقبال اینڈ قرآنک وزڈم'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کے ۲۱۴ صفحات ہیں۔

ترجمہ:

''اقبال وے قرآن حکمت'' (اقبال اینڈ قرآنک وزڈم) محمد منور' انسان پبلشرز' استنبول ۱۹۹۵ء

24. ولی اورخان (Veli Orhan)

فرانسیسی فلسفے کے ماہر ولی اورخان منسیا۔ گوردیس میں ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے انقرہ یونیورسٹی زبان اور تاریخ کے شعبہ فلسفہ سے ثانوی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد انھوں نے آٹھ سال ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۶ء تک مختلف اسکولوں میں فلسفہ پڑھایا۔ پھر دوکوز ایلول یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات کی فیکلٹی آف فلاسفی سے ''طبنز وے اقبال دے تھنز عالم الیشکی سی' طبنز اور اقبال کے ہاں خدا کے ہاں تصور کا تعلق) کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ۱۹۸۶ء میں گریجویشن کی۔ اس یونیورسٹی سے انھوں نے ''فرانسیسز پرسنلزم اندے تھنز تن کھیشلی'' کے

سوضوع پر مقالہ لکھ کر۱۹۹۴ء میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر وہ مزید تحقیقی کام کے لیے ۱۹۹۶ء میں پیرس چلے گئے۔آج کل وہ فرانسیسی فلسفے کے حوالے سے تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔(۷۸)

لیکچر:

مارمرہ یونیورسٹی اور استنبول یونیورسٹی کے اشتراک سے استنبول کے شعبہ الٰہیات میں ۲۶۔۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو منعقدہ اسلامی فکر پر پہلے سپوزیم میں اورخان ولی نے ''محمد اقبالن بن لک فلسفہ سِنہ ے تھز۔ایورن ایلشکی سی'' (اقبال کا فلسفۂ خودی، خدا اور کائنات میں تعلق) کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔

25. محمد فتح اللہ گولین (Muhammad Fatehiullah Güllen)

اسلامی مفکر شیخ محمد فتح اللہ گولن ۱۹۳۸ء میں صوبہ ارضردم کے شہر ''حسن قلعہ'' کے ایک گاؤں ''کورو جک'' میں پیدا ہوئے۔آپ نے ایک دیندار گھرانے میں پرورش پائی۔آپ کے والد علمی، ادبی اور دینی لحاظ سے قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔انھوں نے اپنے بیٹے محمد کو چار سال سے بھی کم عمر میں قرآن کی تعلیم دلانے کا خصوصی اہتمام کیا۔محمد نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔آپ کے والد کے گھر اس علاقے کے معروف علماء اور صوفیائے کرام کا آنا جانا رہتا تھا جس کی وجہ سے فتح اللہ کو ابتدائی عمر ہی میں بڑے بڑے حضرات کی مجالس سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے عربی گرامر، بلاغت، فقہ، اصول فقہ اور عقائد کی تعلیم، عثمان بکتاش سے حاصل کی، آپ نے روایتی اور فلسفیانہ علوم کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔اپنی تعلیم کے دوران آپ نے رسالہ ''النور'' کا مطالعہ کیا۔اسی دوران طلبۂ نور کی تحریک ''نورجو'' (۷۹) سے بھی آپ کا تعارف ہوا جس سے آپ بہت متاثر ہوئے۔

آپ نے مغربی و مشرقی تہذیب، فکر اور فلسفے کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور عصری علوم مثلاً فزکس، کیمیا، فلکیات اور حیاتیات وغیرہ سے بھی واقفیت حاصل کی۔بیس سال کی عمر میں محمد فتح اللہ کی ''ادرنہ'' کی جامع مسجد ''اُچ شرفلی'' میں بطور امام تقرری ہوئی، جہاں انھوں نے اڑھائی سال زہد اور مجاہدۂ نفس میں گزارے۔آپ نے اپنے دعوتی کام کا آغاز ''ازمیر'' شہر کی جامع مسجد ''کستانہ بازاری'' سے ملحق 'مدرسہ تحفیظ القرآن' سے کیا اس کے بعد آپ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور مغربی اناطولیہ کے سارے گرد و نواح کا دورہ کیا۔

۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو اس وقت کی حکومت پر فوجی دباؤ کے نتیجے میں آپ کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ آپ ایک خفیہ تنظیم کے ذریعے موجودہ معاشرتی 'سیاسی اور معاشی نظام تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔آپ چھ ماہ قید رہے۔اس دوران آپ پر مقدمہ چلتا رہا۔ لیکن آخرکار آپ باعزت بری ہو گئے۔شیخ فتح اللہ نے ۱۹۹۰ء کے بعد مختلف جماعتوں' صحافیوں' تعلیم یافتہ طبقوں اور مذاہب و افکار کے درمیان باہمی افہام و تفہیم اور مکالمے کی تحریک کا آغاز کیا۔(۸۰) اس تحریک کے اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پوپ کی دعوت پر شیخ فتح اللہ نے ویٹی کین سٹی میں پوپ سے ملاقات کی، جس میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ ذرائع ابلاغ کی ترقی کی بدولت ساری دنیا ایک عالمی گاؤں بن چکی ہے، اس لیے عداوت پر مبنی کوئی تحریک کسی مثبت نتیجے تک نہیں پہنچ سکتی، لہٰذا دنیا کے تمام دروازے انسان کے لیے کھلے ہونے چاہئیں۔

26. یوسف قاپلان (Yusuf Kaplan)

ترک مصنف اور کالم نگار یوسف قاپلان سواس کے قصبہ ''شارق شیلا'' قیصری میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم قیصری ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں دوقزا ئیلول یونیورسٹی ازمیر کے شعبہ بصری فنون لطیفہ میں ''فلم اور ٹی وی آرٹ'' میں گریجوایشن کی۔ اس کے بعد آپ وزارت تعلیم ترکیہ کی سکالرشپ پر برطانیہ روانہ ہو گئے جہاں سے آپ نے ۱۹۹۱ء میں ''ایسٹ این جلیہ یونیورسٹی'' سے ''سٹوری ٹیلنگ اور میتھ میکنگ میڈیم۔ ٹیلی ویژن'' پر مقالہ لکھ کر ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

۔اپریل ۱۹۹۲ء میں بنڈل اسکس' پولی ٹیکنیک یونیورسٹی لندن میں روئے آرمیز (Roy Armes) کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ انھوں نے ''زمان'' اور ''ملی گزیٹ'' کی طرح کے معروف اخبارات ورسائل میں مختلف سیاسی' سماجی اور اسلامی موضوعات پر کالم اور مضامین لکھے۔ انھوں نے مجلّہ ''اُمران'' کی ۳۰ سال تک ادارت کی۔ یوسف کاپلان نے مائیکل فوکالٹ' میلان کندیرا' جان برگر جیسے دانشوروں کی کتب کے ترکی زبان میں تراجم کئے۔(۸۱ أ لہلا§ لہ لہلا) نے اقبال کی اسلامی فکر کے حوالے سے ان کے انگریزی خطبات ''دی ریکنٹرکشن'' کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

ترجمہ:

''اسلام دشنجے سی۔ محمد اقبال''، کلیات یاین لری۔ استنبول ۲۰۰۸ء صفحات: ۲۲۸

27. یاشار نوری اوزترک (Yaşar Nüri Özturk)

مفکر، قانون دان، کالم نگار، اور ترک اسمبلی کے سابق رکن یاشار نوری اوزترک ۱۲ فروری ۱۹۴۵ء کو طرابزون شہر ''سرمین'' میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم مارمورا یونیورسٹی، الٰہیات فیکلٹی (۱۹۷۲ء) اور استنبول یونیورسٹی لاء فیکلٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے کچھ عرصہ وکیل کی حیثیت سے کام کیا اور پھر ۱۹۷۶ء میں استنبول یونیورسٹی، اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۸۶ء میں مارمورا یونیورسٹی میں الٰہیات فیکلٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پھر بطور پروفیسر تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں استنبول یونیورسٹی، الٰہیات فیکلٹی کے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔

وہ قرآن پاک کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ یہ ترجمہ جو ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۲ء کے درمیان ۱۲۶ مرتبہ شائع ہو چکا ہے اسے ترکی میں سب سے زیادہ چھاپی گئی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ ان کے مضامین اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے جنھوں نے مغرب اور اسلامی دنیا دونوں پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ ترکی' جرمن' انگریزی اور فارسی زبانوں میں ان کی ۳۰ سے زائد کتب چھپ چکی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا شاہکار ''قرآن کا اسلام'' اور ''قرآن کی طرف واپسی'' کتب ہیں۔

اوزترک نے ۲۰۰۲ء میں رکن اسمبلی منتخب ہونے کے بعد عوامی ارتقاء کی تحریک شروع کی جو ۲۰۰۵ء میں عوامی ارتقاء کی پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی شکل اختیار کر گئی۔ ترک اور بین الاقوامی پریس میں اوزترک پر لکھے گئے مضامین ،نظمیں اور انٹرویو بہت قیمتی سمجھے جاتے ہیں اور انھیں کتابی شکل دینے پر کوشش کی جا رہی ہے (۸۲)

یاشار نوری اوزترک نے اقبال پر کئی مضامین لکھے ہیں۔ ان کی کتاب ''حلاج منصور وے اثری'' (Hallac-i-Mansur ve Eseri) میں انھوں نے اقبال پر ایک مضمون ''اقبال ___ عصر حاضر کا مرید حلاج'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ کتاب یئی بیوت استنبول سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ مضمون ۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

(ط) غیر ترک اقبال شناس ــــــــــ ایک مختصر تعارف

اَنا میری شمل، ڈاکٹر

اسلامی تہذیب کی معروف اسکالر اور معروف مستشرق جرمنی کے شہر ایفروت (سیکسنی) میں ۴۔اپریل ۱۹۲۲ء پیدا ہوئیں۔انیس برس کی عمر میں بون یونیورسٹی سے ''مملوک مصر میں خلیفہ اور قاضی کا رتبہ'' کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی۔شمل مغرب کے اُن مستشرقین کے برعکس جو اسلام میں خامیاں اور اس کا مغربی تہذیب سے تصادم تلاش کرتے رہتے ہیں، اسلام اور مشرق کی ایسی اسکالر تھیں جنہوں نے اسلام کا مطالعہ اور تحقیق اُس کے تخلیقی جوہر اور دانش کی جستجو کے لیے کیا۔

اَنا میری شمل ۱۹۵۸ء سے متعدد بار پاکستان آتی رہیں اور پاکستان کو اپنا دوسرا گھر قرار دیتی تھیں۔انھوں نے پاکستان میں اقبالیات، تصوف اور علوم شرقیہ پر متعدد لیکچر دیے۔ان کو جرمن زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی سمیت متعدد مشرقی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔انھیں پاکستان کی علاقائی زبانوں، سندھی، سرائیکی اور پنجابی سے بھی شغف تھا۔

انا میری شمل سو سے زیادہ کتابوں کی مصنف اور ہارورڈ اور بون یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض انجام دے چکی ہیں۔۱۹۵۳ء میں وہ انقرہ یونیورسٹی سے بھی پانچ سال تک وابستہ رہیں۔(۸۳) اس دوران اُنہوں نے ترکی زبان میں کتب لکھیں اور علامہ اقبال کے کلام 'جاوید نامہ' کا ترکی میں ترجمہ کیا۔اُن کی بیشتر کتابیں اور مضامین تصوف کے موضوع پر ہیں۔انھوں نے علامہ اقبال کی شاعری کے مجموعوں بانگ درا، پیام مشرق اور جاوید نامہ کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اس کے علاوہ جرمن زبان ہی میں علامہ کی شخصیت پر دو کتب بھی لکھیں۔

اس کے علاوہ انھوں نے مسلمان مفکروں اور شاعروں کی سینکڑوں کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ان کا گھر اسلام کے نایاب مخطوطوں سے بھرا ہوا تھا جن میں سے بہت سے نسخے انھوں نے بون یونیورسٹی کو دے دیے۔انھوں نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام پر بھی ایک گراں قدر کتاب لکھی۔

اَنا میری شمل نے علامہ اقبال کے مذہبی خیالات کے مطالعہ پر مبنی ایک کتاب ''Gabriel's Wing'' (جبرائیل کے پر) کے عنوان سے لکھی جسے اقبالیات میں ایک اہم کتاب شمار کیا جاتا ہے۔حکومتِ پاکستان نے انھیں اقبالیات پر ان کے کام کے اعتراف میں ۱۹۸۸ء میں عالمی صدارتی اقبال ایوارڈ دیا۔

اَنا میری شمل کے انگریزی اور جرمن شاعری کے دو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں جس سے ان کی تخلیقی اور دانشورانہ تنوع کا پتا چلتا ہے۔

ان کی خدمات کے اعتراف میں دنیا کے بہت سے اسلامی اور مغربی ملکوں نے انھیں لاتعداد انعامات سے نوازا۔حکومتِ پاکستان نے ۱۹۸۲ء میں انھیں ہلال امتیاز اور بعد میں ستارہ امتیاز دیا۔ان کا انتقال ۲۶ جنوری ۲۰۰۳ء میں ہوا۔

جرمن کتب:

1. Muhammad ikbal. Das Buch der Evwigkeit. ubersetzung aus dem Persischen, Munchen (Hueber) ,1957

2. Muhammad iqbal. Botschaft des Osten. (A/s Antwort auf Goethes West-Ostliche Divan

3. Persischer Psalter/Muhammad iqbal. ubersetzungen aus dem Persischen, Urdu und Englischen, Koln (Hegner) 1968..

ترکی کتاب:

4. Muhammad iqbal. Cavidname, Ankara (Turk Tarih Kurumu Basinevi) 1958.

انگریزی کتاب:

5. Gabriel's Wing. A study into the Religious Ideas of Sir Muhammad Iqbal, Leiden 1963.

جاوید اقبال (جسٹس ریٹائرڈ)

قانون داں، دانشور، ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال کے فرزند ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے آنرز کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (انگریزی) اور ایم اے (فلسفہ) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۵۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی۔ایچ ڈی اور لندن سے ۱۹۵۶ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء سے لاہور ہائیکورٹ میں ایڈووکیٹ کی حیثیت سے وکالت شروع کی۔ ۱۹۶۸ء میں لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے رکن اور ۱۹۶۹ء میں پاکستان بار کونسل کے رکن بنے۔ ۱۹۷۱ء میں لاہور ہائیکورٹ کے جج اور ۱۹۸۲ء میں چیف جسٹس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے اور ۱۹۸۹ء اپنی ریٹائرمنٹ تک اس منصب پر فرائض انجام دیے۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کی سنڈیکیٹ کے رکن اور ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۲ء گورنمنٹ کالج لاہور کی مجلس نظماء کے رکن رہے۔ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۴ء اقبال اکادمی کی مجلس نظما کے نائب صدر رہے۔ رباط میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او۔آئی۔سی) کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں ڈاکٹر صاحب کو "مرکز برائے تحفظ اسلامی ورثہ" استنبول کی انتظامی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں اسلامی تہذیبی ریسرچ کے رائل اکادمی اردن کی تاحیات رکنیت دی گئی۔ قذافی انسانی حقوق ایوارڈز (لیبیا) کی بین الاقوامی کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں امریکا کی ویلنوا یونیورسٹی نے آنریزی ڈاکٹر اور ۱۹۹۰ء میں قونیہ (ترکی) کی سلجوق یونیورسٹی نے اسلامی ادب وسائنس کی اعزازی ڈاکٹریٹ عطا کی۔ آپ طالب علمی کے زمانے میں اور بعد میں بھی ڈرامے لکھتے رہے ہیں۔ اقبالیات کے موضوع پر آپ کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ آپ کی زیادہ اہم تصانیف یہ ہیں: مئے لالہ فام، نظریہ پاکستان، میراث قائداعظم افکار۔ پریشان۔ حیات اقبال۔ زندہ رود (تین جلدیں) (۸۴)

جاوید اقبال اپنے والد کی طرح ترکیہ سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ وہ اس برادر ملک کے کئی سرکاری وغیر سرکاری دورے کر چکے ہیں۔ انھوں نے ترکی میں اقبال شناسی کے حوالے سے منعقدہ کئی "یوم اقبال" کی تقریبات میں بھی شرکت کی ہے۔ اقبال کے حوالے سے ان کے کئی مضامین ترکی زبان میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔

محمد خان کیانی

پاکستانی اقبال شناس اور ترکی زبان میں کلام اقبال کے مترجم محمد خان کیانی ۱۹۳۵ء میں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی، پرائمری اور ثانوی تعلیم سکھ واسلامیہ ہائی اسکول روالپنڈی سے حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے 1951ء میں گریجویشن کی پھر پاکستان نیوی اسکول میں چار سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد الیکٹرونکس اور ٹیلی مواصلات میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۶۱ء میں برطانیہ چلے گئے۔ یہاں انھوں نے الیکٹرونکس میں اپنی انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جنرل الیکٹرونکس اور مارکونی جیسی معروف کمپنیوں میں ٹیسٹ انجینئر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ دوران تعلیم وہ اسلامی امور میں دلچسپی لیتے رہے۔ انگلستان میں اسلامی مشن قائم کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ انھوں نے ۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء کے دوران میں آئرلینڈ اور انگلستان کے کالجز میں اسلامی سوسائٹیز قائم کرنے کی تحریک دی۔ انھیں ۱۹۷۵ء میں "فیڈریشن

آف اسلامک سوسائٹیز'' کا صدر بنایا گیا۔اسی فیڈریشن کے تحت جاری ہونے والے رسالے ''دی اُمّہ'' کی کچھ عرصہ ادارت کی۔(۸۵)

۱۹۷۶ء میں انھوں نے ترکی ''ترک الیکٹرونکس انڈسٹری اینڈ ٹریڈ کمپنی'' میں غیر ملکی ماہر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ ۱۹۸۰ء میں وہ استنبول میں مقیم ہو گئے اسی دوران میں انھوں نے مختلف کمپنیوں میں انتظامی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ کچھ عرصہ انھوں نے ''یلدز پیلس'' استنبول میں بطور پرائیویٹ محقق کے طور پر کام بھی کیا۔ وہ اردو، انگریزی اور ترک زبانوں کے ماہر ہیں۔ انھوں نے مولانا مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی سات جلدوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا۔ انھیں ''سیرت انسائیکلوپیڈیا'' ترکی کے مشاورتی بورڈ میں شامل کیا گیا۔ انھوں نے اخبار ''ینی شفق'' استنبول میں کچھ عرصہ کالم نگاری بھی کی۔(۸۶) محمد خان کیانی نے اقبال کی کئی نظموں کے تراجم اور اقبال پر ترکی زبان میں چند مضامین لکھے ہیں۔ اقبال کے تراجم کے حوالے سے ترکیہ میں ان کی دو کتب شائع ہو چکی ہیں۔

نظموں کے تراجم:

(i) محمد خان کیانی کا ترکی ترجمہ ''شکایت وے جواب'' (شکوہ و جواب شکوہ) ''شعرلرا اسنداا قبال'' نامی کتاب میں صفحہ ۲۳ سے ۴۱ پر موجود ہے۔ جو استنبول میونسپلٹی کے زیر اہتمام استنبول سے ۱۹۹۵ میں شائع ہوئی۔ یہی ترجمہ کیانی کی کتاب ''فلسفے' سیاست وے شعر دنیا سندا اقبال'' کے صفحہ ۹۳ تا ۱۱۴ پر موجود ہے جو استنبول ہی سے از پبلشرز نے ۲۰۰۲ میں شائع کی۔

(ii) ''اقبال وے مولانا'' (اقبال اور مولانا روی) رسالہ ''از لیتیم'' شمارہ: ۳۰ فرور ۱۹۹۶ میں صفحہ ۷۳ تا ۷۵ شامل ہے۔

(iii) اے دوغو ملت لرنے یپمالی (پس چہ باید کرد اے اقوام شرق) رسالہ ''یدی اقلیم ریویو'' شمارہ: ۱۴۷۔۱۴۹۔ جون۔ اگست ۲۰۰۲ صفحہ ۱۱۶ اور شمارہ نمبر ۱۵۰ ستمبر ۲۰۰۲ صفحہ ۴۵۔

کتب:

(i) ''شعرلرآئینہ سندا اقبال'' (اقبال اپنی شاعری کے آئینے میں)، استنبول میونسپلٹی، ۱۹۹۵ء، صفحات ۵۶۔

(ii) ''فلسفے' سیاست وے شعر دنیا سندا اقبال'' (اقبال کی فلسفیانہ دنیا' شاعری اور سیاست) از پبلشرز' استنبول کل صفحات: ۱۵۱۔ (اس کتاب کے آخر موضوع کے حوالے سے اقبال کی مختلف نظموں کے نمونے ترجمہ کر کے شامل کیے گئے ہیں۔

مضامین:

(i) ''محمد اقبال: سیاسی وژ نیوادلان بر شاعر'' (محمد اقبال: شاعر جو پالیسی اور وژن رکھتا ہے) ترجمہ ایف۔ مہوش۔ یہ پیپر محمد خان کیانی نے انٹرنیشنل اقبال کانفرنس منعقدہ استنبول ۲۱ دسمبر ۱۹۹۵ء میں پیش کیا۔ جو بعد میں ''اقبالن سیاسی گوروشو'' (اقبال کا سیاسی نقطۂ نظر) کے عنوان سے اضافے کے ساتھ ان کی کتاب ''فلسفے وے شعر دنیا سندا اقبال'' ۲۰۰۲ء، از پبلشرز استنبول کے صفحہ ۶۹ تا ۸۳ میں شامل ہے۔

(ii) ''اقبال وے انسان کامل'' نامی پیپر ''یوم اقبال'' کی تقریبات منعقدہ اسلامی تاریخ' ادب اور کلچر ریسرچ سنٹر کے زیر اہتمام' یلدز پیلس'' میں ۲۵ مارچ ۱۹۹۸ء کو پڑھا گیا۔ یہ مواد محمد خان کیانی کی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۳۳ تا ۴۶ میں شامل ہے۔

اخبارات:

(i) ''اقبالن دشنجے دنیاسی'' (اقبال کی فکری دنیا) اخبار ''ینی شفق'' استنبول میں ۱۷ نومبر ۱۹۹۵ء کو شائع ہوا۔

(ii) ''اسلام شاعر اقبال'' اخبار ''ینی شفق'' میں ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ء کو استنبول کو عیسوی کو شائع ہوا۔

(iii) ''کھورولوشونن ۵۰ یلدونومندے پاکستان وے محمد اقبالن حیات'' (۵۰ واں یوم پاکستان اور حیات اقبال) اخبار ''ینی شفق'' ۱۱۴ اور ۱۱۸ اگست ۱۹۹۷ء۔

(iv) ''شعر، سیاست دے اسلام۔ا'' (شاعری، سیاست اور اسلام) اخبار ''ینی شفق'' میں ۱۶ دسمبر ۱۹۹۷ء کو شائع ہوا۔

مسعود اختر شیخ، کرنل (ر)

کرنل (ر) مسعود اختر شیخ راولپنڈی میں ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ گارڈن کالج راولپنڈی سے بی۔اے (آنرز) کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے صحافت کی تعلیم شروع کی مگر کورس مکمل ہونے سے چند ہفتے پہلے ہی فوج میں کمیشن حاصل کیا اور پھر اٹھائیس سال تک مختلف فوجی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ فوجی ملازمت کے دوران ہی انھیں پاکستان میں اور پھر ترکی میں ترکی زبان کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۶۳ء میں ترکی زبان کے ترجمان کا امتحان (فرسٹ کلاس) پاس کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ترکی کے سٹاف کالج کورس کیلئے منتخب ہوئے۔ کورس کے دوران انھوں نے چند مشہور ادیبوں سے ذاتی تعلقات پیدا کئے جن میں عزیز نہ سن بھی شامل تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے درجنوں کہانیاں اور نظمیں ترکی سے انگریزی، اردو اور پنجابی میں ترجمہ کیں۔ ۱۹۷۲ء میں پھر چار سال کیلئے ترکی بھیج دیئے گئے جہاں انھیں ادبی سرگرمیوں کیلئے ایک اور موقع ہاتھ آیا۔ انھوں نے جی بھر کر ترکی ادبیات کے لامحدود کینوس کا مطالعہ کیا اور ترکی ادب کے کئی شاہپاروں کے اردو اور انگریزی زبان میں تراجم کیے۔ ان کے تراجم پاکستان کے بے شمار اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ (۸۷)

۱۹۷۸ء میں فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد کرنل شیخ کی ادبی سرگرمیوں میں زیادہ پیش رفت ہونے لگی۔ اب تک ان کی بیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں آٹھ اُردو میں اور باقی انگریزی میں ہیں۔ عزیز نہ سن کی چار کتابوں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سب سے پہلی کتاب تماشۂ اہلِ کرم تھی۔ جس کا تیسرا ایڈیشن پریس میں ہے۔ دوسری کتاب انگریزی زبان میں تھی جو کہ ترکی کی وزارتِ کلچر نے شائع کی اور جس کی پانچ ہزار کاپیاں چھ ماہ کے اندر ہی اندر قارئین کے ہاتھوں میں جا پہنچیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی ترکی میں شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ اس کا تیسرا ایڈیشن بھی ترکی میں ہی زیرِ طبع ہے۔ ان کی تیسری کتاب ہمارے امریکی مہمان کے نام سے ۲۰۰۶ء میں پاکستان میں شائع ہوئی تھی۔ مردہ گدھے کے خطوط عزیز نہ سن کی چوتھی کتاب ہے جو پاکستانی قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ عزیز نہ سن کی چبھتی طنز اور ان کا مزاح پاکستان میں ان کے ہر دل عزیز ہونے کا باعث بنا ہے۔ کرنل شیخ نے ترکی کے جن ۳۴ ادیبوں سے پاکستانی قارئین کو متعارف کروایا ہے ان میں سب سے زیادہ پذیرائی عزیز نہ سن کو حاصل ہوئی ہے۔

مسعود اختر شیخ اقبال اکیڈمی لاہور کے رسالہ ''اقبالیات (ترکی) ۱۹۹۳ء'' کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے محمد سہیل عمر صاحب کے کہنے پر نہ صرف رسالے کے ترکی زبان کے مواد کی اصلاح کی بلکہ دو انگریزی مضامین کو ترکی زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا' جو اس رسالے میں موجود ہے۔ پہلا مضمون پروفیسر محمد منور کا بعنوان ''اقبال کی ادبی اور سیاسی خدمات'' جبکہ دوسرا مضمون جسٹس (ر) جاوید اقبال کا مضمون بعنوان ''علامہ اقبال رومی ـــــ ایک مطالعاتی موازنہ'' ہے۔ اس رسالے کے صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔

کرنل شیخ کے اردو اور پاکستان کی علاقائی زبانوں میں کئے گئے تراجم بھی ترکی کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پاکستان اور ترکی کے باہمی روابط کو ادب کی وساطت سے مزید تقویت پہنچانے پر حکومت پاکستان نے انھیں تمغۂ امتیاز سے نوازا ہے۔ انھوں نے پچیس کے قریب اردو انگریزی کتب تصنیف کی ہیں۔ اردو کی فہرست کا مطالعہ یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لہٰذا یہاں ان کی ترکی ادب سے متعلق اردو کتب کی فہرست دی جا رہی ہے۔

اردو کتب:

۱۔ تماشۂ اہلِ کرم۔ ۱۹۸۵ء عزیز نہ سن کی سترہ کہانیوں کے اُردو تراجم کا مجموعہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والے دوسرے ایڈیشن

میں بیس کہانیاں ہیں۔

۲۔ ترکی کے بہترین افسانے ۔۲۰۰۲ء ترکی کے ۲۶ ادیبوں کی ۳۴ کہانیوں کے اردو تراجم کا مجموعہ ۔۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والے دوسرے ایڈیشن میں ۳۶ کہانیاں ہیں۔

۳۔ ہمارے امریکی مہمان ۔۲۰۰۶ء عزیز نہ سن کی ۲۷ منتخب کہانیوں کے اُردو تراجم کا مجموعہ۔

۴۔ دوشرابی ۔۲۰۰۸ء ترکی کے نامور مصنف اورخان کمال کی دو کتابوں یں سے ۱۹ منتخب کہانیوں کے اُردو تراجم کا مجموعہ۔

۵۔ جھگڑا روٹی کا ۔۲۰۰۹ء اورخان کمال کی پانچ کتابوں میں ۳۰ منتخب کہانیوں کے اردو تراجم کا مجموعہ۔

۶۔ المیز ان یا چراغ راہ ۔۲۰۰۹ء ترکی کے نامور ادیب فتح گلین کی مشہور کتاب کا اُردو ترجمہ ۔المیز ان کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۷۔ بدیع الزمان سعید نورسی ۔۲۰۰۹ء اپنی ساری زندگی اسلام کی راہ پر بسر کرنے والے ترک عالم سعید نورسی کی حیات کے بارے میں مفصل کتاب کا اُردو ترجمہ ۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸۔ مردہ گدھے کے خطوط ۔۲۰۱۱ء عزیز نہ سن کی طنز و مزاح سے بھر پور کتاب۔

نثار احمد اسرار، ڈاکٹر

ڈاکٹر، اخبار نویس، مصنف، صاحب علم پاکستان ایمبیسی انقرہ کے پریس اتاشی ہندوستان میں یکم فروری ۱۹۴۲ء کو محمد اسمٰعیل کے ہاں پیدا ہوئے ۔انھوں نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۴ء میں بی ۔اے کیا پھر وہ ترکیہ چلے گئے ۔۱۹۷۰ء میں ترکیہ ریڈیو سے منسلک ہو کر یہاں غیر ملکی نشریات کے شعبہ میں مترجم رہے ۔استنبول یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم ۔اے کیا ۔انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے ۱۹۷۸ء میں ''قانونی سلطان سلیمان وے اسلام عالمی'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۔ اخبار ''ترکش ڈیلی'' میں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۴ء تک بطور نیوز ایڈیٹر کام کیا ۔۱۹۷۵ء میں پاکستان ایمبیسی سے پریس ایڈوائزر کے طور پر منسلک ہو گئے ۔۱۹۸۹ تا ۱۹۹۲ء کے دوران میں انقرہ یونیورسٹی کے زبان، تاریخ اور جغرافیہ کے شعبہ ''اردو زبان اور پاکستان'' میں بطور ''معظمان'' (ماہر) خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۹۷ء میں اخبار ''یی گن لگ'' میں کالم لکھے ۔۱۹۹۵ء میں ترکیہ کے عوامی ثقافتی ریسرچ سنٹر سے بھی منسلک رہے ۔ڈاکٹر نثار احمد اسرار کی خدمات کے صلہ میں انھیں ترک ثقافت کی خدمات پر ترکیہ حکومت کی طرف سے میڈل دیا گیا ۔اس کے علاوہ ''ایسکی شہر'' کے گورنر، چشمے بلدیہ اور ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، انقرہ کی طرف سے ان کی خدمات پر شیلڈ اور میڈل عطا کیے گئے ۔حکومت پاکستان کی طرف سے انھیں ستارۂ امتیاز عطا کیا گیا ۔(۸۸) ڈاکٹر صاحب نے اردو، ترکی اور انگریزی زبانوں میں پاکستانی ثقافت اور علامہ اقبال کے بارے میں کئی مضامین بھی لکھے ۔انھوں نے اقبال کے کلام اور ان کے انگریزی خطبات کو ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

کتب:

(i) دوغودین ایسنتی لر (مشرق کی ہوائیں) اس کتاب میں اقبال کی اردو شعری تصانیف: بانگ درا، بالِ جبرائیل، ضربِ کلیم اور ارمغان حجاز کا انتخاب شامل کیا گیا ہے)، یہ کتاب دشنجے پبلی کیشن، استنبول سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن ترکیہ ایش بنکاسی، انقرہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔

(ii) اسلام دا دینی دشنجے نن یی دین دوغوشو (تشکیلِ الٰہیات اسلامیہ) استنبول، ۱۹۸۴ء، اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن برلیٹنگ پبلی کیشنز

سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ (صفحات: ۲۶۲)

(iii) قانونی سلطان سلیمان وے اسلام عالمی (سلطان سلیمان اور عالم اسلام) استنبول ۱۹۹۴ء

(iv) یونس امرے (عوامی ترک شاعر کے دیوان کا منظوم اردو ترجمہ) اکادمی ادبیات اسلام آباد ۱۹۹۱ء

(v) ترک حکایےلری (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۹۶ء

تراجم:

(i) محمد اقبال دن شعرلر (اقبال کی نظموں سے) رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' جلد ۳۲: نمبر ۱۔۴، جنوری۔ اپریل ۱۹۸۴ء، صفحہ: ۱۲۔۱۳، اور جلد ۳۲، شمارہ نمبر: ۵۔۸، مئی۔ اگست ۱۹۸۴ء، صفحہ ۹

(ii) مولانا دے اقبال (رومی اور اقبال) یہ لیکچر محمد عباس نے قونیہ میں ۱۵ سے ۱۷ دسمبر ۱۹۸۰ء میں منعقد ہونے والا بین الاقوامی سیمینار میں پڑھا جس کا ترکی ترجمہ نثار احمد اسرار نے کیا تھا۔ جو بعد میں رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' جنوری۔ فروری جلد ۲۹، شمارہ نمبر ۱۔۲، صفحہ ۱۰۔۱۱ پر شائع ہوا۔

(iii) ترک ڈیموکراسی سی وے اقبالن ماڈرن اسلام دولتی کاورامی (اقبال کے ہاں جدید اسلامی ریاست اور ترک جمہوریت) یہ لیکچر جسٹس جاوید اقبال نے حاجتے پے یونیورسٹی انقرہ میں ۱۹۸۴ء میں پڑھا جس کا ترجمہ نثار احمد اسرار نے کیا۔ (صفحات ۹) غیر شائع شدہ

(iv) اقبال دشنجے لرینده ترکیہ نن امیج (اقبال کے خیالات میں ترکی کا تصور) یہ لیکچر جسٹس جاوید اقبال نے ۲۷۔ اپریل ۱۹۸۷ء کو علامہ اقبال کانفرنس کے موقع پر ادبیات فیکلٹی، استنبول میں دیا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، استنبول نے کیا۔ اس لیکچر کا ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے کیا۔

(v) اقبال وے مولانا: مکا‌سلی براچے لیے (اقبال اور مولانا) یہ لیکچر جسٹس جاوید اقبال نے ۳۔۵ مئی ۱۹۹۰ء میں منعقد ہونیوالی بین الاقوامی مولانا کانفرنس کے موقع پر دیا۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار کیا۔ جو بعد میں سلجوق یونیورسٹی قونیہ کے مجلہ ۱۹۹۱ء میں صفحہ: ۲۰۱۔۲۰۳ پر شائع ہوا۔

(vi) ''حضرت مولانا جلال الدین رومی وے اقبال'' یہ لیکچر حنیف فوق نے ۷۲۳ ویں مولانا رومی کانفرنس کے موقع پر قونیہ میں ۱۹۹۶ میں دیا۔ اس لیکچر کا ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے کیا تھا۔ جو بعد میں مولانا گلدستے سی۔ ۷ میں صفحہ: ۷۔۲۱ میں شامل ہے۔

(vii) اقبال وے باطہ لی دشنجے (اقبال اور مغربی خیالات) یہ لیکچر محمد حنیف فوق نے ۷۲۵ ویں یوم وفات پر منعقدہ مولانا رومی کانفرنس قونیہ میں ۱۹۹۸ء میں دیا۔ اس کا ترجمہ بھی ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے کیا۔ یہ لیکچر ۱۰ صفحات پر مشتمل اور غیر شائع شدہ ہے۔

مضامین:

(i) ''اقبالن حیات حکایسی & اثرلری'' (حیاتِ اقبال اور تصانیف) یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''دوغودین ایسنتی لر'' کے آغاز میں صفحہ ۱۵۔۴۳ پر درج ہے۔

(ii) ''اقبال وے مولانا'' یہ مضمون بھی ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''دوغودین ایسنتی لر'' کے آغاز میں صفحہ ۴۵۔۴۹ پر درج ہے۔

(iii) ''محمد اقبالن حیاتی، اثرلری وے شعرلرینده سچےلر'' (حیات اقبال، تصانیف اور انتخاب اشعار) یہ مضمون پاکستانی پوستاسی، مئی۔ اگست ۱۹۸۳ء، جلد ۳۱، شمارہ: ۵۔۸ کے صفحہ ۷ تا ۹ شامل ہے۔

(iv) ''محمد اقبال وے مولانا جلال الدین رومی'' یہ مقالہ دوسری بین الاقوامی مولانا رومی کانفرنس، ۳ تا ۵ مئی ۱۹۹۰ میں منعقدہ سلجوق یونیورسٹی قونیہ میں پڑھا گیا اور سلجوق یونیورسٹی کے رسالہ ''تبلیغ لر'' کے صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۷ پر شائع ہوا۔

(v) نثار احمد اسرار نے لیف کوسا (Lefkosa) میں ۷ تا ۱۰ مئی ۱۹۹۳ کو منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار ''احمد یسفی اور ترک عوامی ادب'' میں ایک مقالہ بعنوان ''احمد یسفی وے علامہ اقبال'' پیش کیا۔ جس کے ۷ صفحات ہیں۔

(vi) ''محمد اقبالن اثرلرینده ترکیے وے ترک لر'' (ترکی اور ترک تصانیف اقبال میں) یہ مقالہ بین الاقوامی اقبال سیمینار جو کیم تا دو دسمبر ۱۹۹۵ء میں استنبول میونسپلٹی کے زیر اہتمام منعقد تقریب میں پیش کیا گیا جو بعد میں اسی میونسپلٹی کے تحت شائع ہونے والی ''محمد اقبال کتابی'' ۱۹۹۷ء استنبول کے صفحہ ۷۶ تا ۸۰ پر شائع ہوا۔

(vii) ''پاکستان دے مولانا جلال الدین رومی'' یہ مقالہ بین الاقوامی مولانا رومی کانفرنس ۱۵ تا ۱۷ دسمبر میں پیش کیا گیا۔ یہ کانفرنس وزارتِ ثقافت ترکیہ نے ۲۰۰۰ء میں انقرہ میں منعقد کی۔ یہ مقالہ نظر ثانی کے بعد ''مولانا گلدستے سی۔ ۶'' کتاب کے صفحہ ۶۱۔۶۵ میں شامل ہے جو قونیہ میونسپلٹی کی طرف سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

(viii) ''محمد اقبالے اولان منت بورجوموز'' (ہم اقبال کے مقروض ہیں) یہ مضمون اخبار ''یئی میساج'' میں ۳۔ اپریل ۱۹۹۸ء کو شائع ہوا۔

انٹرویو:

(i) ''اقبال گیلے جین خبرجی سی ایدی'' (مستقبل کی خبر دینے والا اقبال) علامہ اقبال کے حوالے سے یہ انٹرویو ڈاکٹر صاحب سے ''فرحت کوچ'' نے لیا جو اخبار ''ملی گزیتے'' میں یکم دسمبر ۱۹۸۴ء کو شائع ہوا۔

حواشی وتعلیقات

1. Turkey, Directorate General of Press & Information of the Turkish Republic, Ankara 1993, P 136

۲۔ اناطولیہ (Anatolia) ترکی لفظ اناطولو (Anadolu) کا مترادف ہے۔ ترکی زبان میں اناطولو سے مراد "ماؤں سے بھرا" ہے۔

3. Turkey, D.G. of Press & Information, P 25

4. Mukerrem K. Su, Kamil Su: Turkiye Cumhuriyeti Tarihi; Kanaat Yayinlari istanbul 1971, Sayfa 112-117

5. Facts about turkey, Directorate General of Press & Information of the Turkish Republic, Ankara 1998, P 31-32

۶۔ ایس۔ایم شاہد "تاریخ ترکیہ" نیو بک پیلس لاہور س ن، صفحہ: ۳۲۷

7. Facts about Turkey, P 318

۸۔ ترکیہ کے مصنف اورحان پامک (Orhan Pamuk) کو ۲۰۰۶ء میں ادب کا نوبل پرائز دیا گیا۔

۹۔ "اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل" مرتبہ ڈاکٹر اعجاز راہی، مشمولہ فن ترجمہ کے اصولی مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، مارچ ۱۹۶۸ء، صفحہ: ۳۱

۱۰۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۹ء، صفحہ: ۴۰۸

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ظفر حسن ایبک، مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار "خاطرات" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۹ء، صفحہ: ۳۳۴

۱۳۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ: ۴۲۱

۱۴۔ ایضاً، صفحہ: ۴۰۳

15. Mehmet Önder: Mehmet Akif ve Ikbal, Tűrkçe Ikbaliyat 1993; Iqbal Academy Lahore, Sayfa 103-104

16. Mehmet Akif Ersoy: Safahat; Inklab ve Aka Yayinlari, Istanbul 1980, Sayfa 514

۱۷۔ علامہ محمد اقبال "کلیات اقبال۔فارسی" شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء، صفحہ: ۳۳۷

۱۸۔ ڈاکٹر محمد یعقوب مغل "اقبال اور ترکی" مشمولہ "اقبال ریویو" شمارہ ۹ جنوری ۱۹۸۳ء، صفحہ: ۲۱

19. Mehmet Önder: Mehmet Akif ve Ikbal; Tűrkçe-i-Ikbaliyat 1993, Sayfa 104

20. ......do......

21. ......do......Sayfa 107

۲۲۔ ثروت صولت "ترکی اور ترک" صفحہ: ۳۳۷

۲۳۔ فریدکام ترک شاعر وادیب

24. Ismail AKBAS,TARIHIN IÇINDE BIR GÖNÜL KÖPRÜSÜ "PAKISTAN POSTASI"(Pak Turkey. Blog.com dated, 18-02-2013.)

25. =do=

26. Mevlana Celaleddin-i Rumi'nin Dr. Iqbal Üzerindeki Etkisi, Pakistan Postasi, November 1977, Vol. 25, No.11, Page. 5-7, 14.

27. --do--

28. Iqbal ve Insanliğin Birligi, Pakistan Postasi, --do--, page. 8-9, 12

29. Allama iqbal'in Siirinin Amaci, Pakistan Postasi, --do--, page 10-12

۳۰۔ علامہ اقبال: ترجمہ: سید نذیر نیازی: تشکیل الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور، مئی ۱۹۸۶ء

31. Türkçe ikbaliyat 1993, Bir Ruyanin Gerçekleşmesi, prof. Muhammad Munawwar, Syfa 3

32. Türkçe ikbaliyat 1993, ikbal,in Genclige yasayan Mesaji, Dr. Ghulam Hussain Zulfikar, Syfa 13

33. = do =

34. Ahmed Albayrak, Türkçe'de Muhammed ikbal, Divan dergisi, 2003/1, sayi:14, sayfa,273

35. Uluslararsi Muhammad ikbal kitabi, istnabul 1995, Syfa 57-64

36. Türkçe ikbaliyat 1993, ikbal ve Rumi, Mukayeseli bir Etud,

۳۷۔ پیام مشرق، کے حصہ "مے باقی" کی چوبیسویں غزل کا تیسرا شعر، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ:

38. Türkçe ikbaliyat 1993, Mehmet Akif ve Muhammad ikbal, Dr. Mehmet Önder, Syfa 106

۳۹۔ ظفر حسن ایبک (مرحوم) مرتب: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار "خاطرات" ص ۳۳۲ (یا)

ظفر حسن ایبک ۲۶ ستمبر ۱۸۹۵ء کرنال (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں لاہور کے کچھ طلبہ کے ہمراہ ہجرت برائے جہاد کے لیے نکلے۔ افغانستان میں مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ رہے۔ ۱۹۲۲ء میں کابل سے ماسکو پہنچے۔ وہاں دو سال قیام کے بعد ۱۹۲۴ء میں ترکی چلے آئے اور بقیہ ساری زندگی یہیں گزاردی اور یہیں ۵ جنوری ۱۹۸۹ء کو فوت ہوئے (مدفن زنجیرلی کویو استنبول) ان کی تالیف کردہ آپ بیتی سب سے پہلے تین حصوں میں شائع ہوئی۔ بعدازاں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے "خاطرات" کے عنوان سے ازسر نو مرتب کیا اور سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۹۰ء میں اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ترکی اردو لغت (صفحات ۲۱۹) بھی مرتب کی تھی جو وزارت تعلیم اسلام آباد سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

40. Pakistan'in Buyuk Milli Şairi "ikbal Hakkinda Konferanslar", Anil Matbaasi, istanbul 1952, Sayfa 33

۴۱۔ پاکستان پوستاسی جلد: ۵، شمارہ: ۱۳۳، یکم اکتوبر ۱۹۵۸ء

۴۲۔ "یوم اقبال" ۲۱ جون ۱۹۶۲ء

43.Ismail AKBAS,TARIHIN IÇINDE BIR GÖNÜL KÖPRÜSÜ "PAKISTAN POSTASI"(Pak Turkey. Blog.com dated, 18-02-2013.)

۴۴۔ اخبار بیرام، صفحہ ۱، اشاعت ۱۳ مئی ۱۹۷۸ء۔

۴۵۔ ڈاکٹر حسن اوز ندر www.merhabahaber.com.29-12-2001

46. Pakistan'in Büyük Milli Sairi "Iqbal Hakkinda Konferansler, Anil Matbaasi, Istanbul 1952, sayfa 5, 23, 35.

47. Pakistan Postasi, vol: 5, No. 124, 1st june 1958

48.http://tr.wikipedia.org/wiki/%ihsaneliacik.(or)http://www.idefix.com/kitap/muhammed-ikbal-r-ihsan-eliacik

49.Ahmet Albayrak,ikbalin dusunce dunyasi,insan yayinleri,istanbul,2004,sayfa 4

50. Muhammad Ikbal külliyati, çeviri: Ahmed Metin Sahin, Irmak yayinevi, istanbul, 2010, Sayfa 4

51. www.turkceiler.com/ismail-habip-sevuk.html dated,08/06/2013

52. http://tr.wikipedia.org/wiki/S.Mehmet Aydin Dated 02-05-2013 (OR)

www .kimkimdir.gen.tr / kimkimdir.php? id = 5616

53. www.babaminsiirdefteri.com/besir-ayvazoglu/besir-ayvazoglu-hayati-ve-eserleri-10696.html Dated 01-02-2013

۵۴۔ ''دیدے کورکت'' ترکی کی مشہور داستان ہے۔ جس میں ماضی کے بہادر اور عظیم لوگوں کے قصے بیان ہوئے ہیں۔

55. www asmoykusu.com/biyografi-410-Basri-Gocul, dated 05-10-2013.

56. www.humanity.ankara.edu.tr/Celalsoydan.html. Dated: 16-06-2013

57. Dr. Cevdet Kilic: Islam Felsafeside Varlik, Matebeler, Subat 2009, Sayfa 2

58.http://tr.wikipedia.org/wiki/Hseyin_Htemi Dated 02-05-2013

59. www.haliltoker.blogspot.com. Dated 05-05-2013

60. www.istanbul.edu.tr/edebiyat/bolum-syfasi/dogudilleri/dosyalar/toker.htlm Dated: 05-05-2013

61.www.eskieserler.com/Eski/Eserler/Yazar/2081/Ramzan-Tunc-asp?LID=TR, Dated: 05-02-2013

62. www.otuken.com.tr/yazardetay.asp?yazar ID=158,dated 8/6/13

63. www.yeniasyakitap.com/index.p.hp? do = dynamic/view&pid=10, dated 08/06/2013

۶۴۔ ڈاکٹر جیمس رینڈل ہیرس ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ کیمبرج کے گریجویٹ ایک انگریز عالم جنہوں نے کتاب مقدس اور دیگر مذہبی کتابوں پر تحقیق کام کیا۔ وہ ۱۹۳۸ء میں وفات پا گئے تھے۔

65. Mehmet Nuri Yardim,Sofi Huri'nin Mistik Yolculugu, http://mehmetnuriyardim.com/sofi-hurinin-mistik-yolculugu-2/#.UduCBflmxqU

66. www.biyografi.net/kisiayrinti.asp?kisid=2804,dated: 7th jan 2012

67.ikbal,çeveri:Ali Gencel,Yolcul Hatarasi(Masnev-i Misafar)Ulku Matbasi,istanbul1970,Sayfa1

۶۸۔ خلیل طوق ار، ڈاکٹر، اقبال اور ترک، بزم اقبال لاہور، ۲۰۰۳ء، صفحہ: ۱۲۳تا۱۲۵

69. www.eksisozluk.com/sebilurreshad. ,

70. Adnan Siyadet Tarlan: Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan-Hayati Ve Eserleri, T.C.Kultur Bakanligi Yayinlar, Ankara 1995, Yasami-1-8, 9-15

۷۱۔ خالد ندیم، نگران: کرنل (ر) مسعود اختر شیخ ''پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان۔۔۔ بحیثیت اقبال شناس'' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، صفحہ: ۱۱۳

72. www.kaknus.com.tr/new/index.php?q=tr/riode/375

73. www.abdullahadi.com. Dated.16-06-2013

74. http://www.merhabahaber.com.ihsan Kayseri, dated:3/4/2013

75. Turkce ikbaliyat 1993, ikbal akademisi pakistan lahore, syfa 102.

۷۶۔ ترکچے اقبالیات ۱۹۹۳ء میں محمد اونور کا ایک مضمون بعنوان ''محمد عاکف وے محمد اقبال'' کے فٹ نوٹ میں انھیں ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن انقرہ کا صدر بتایا گیا ہے۔

77. www.yasam oykusu.com/biyografi-3698-mehmet ali-ozkan Dated 08-04-2013

78. Veli Urham, Kisiliğin Doğasi, Vadi Yayinlari, Konya, 1998, Sayfa 3

۷۹۔ ''نورجوز'' (Nurcu) تجدید واحیاء کی ایک ہمہ گیر تحریک تھی جس کے بانی و قائد رسائل کے مؤلف علامہ بدیع الزمان سعید نوری تھے۔

۸۰۔ محمد فتح اللہ گولن، المیزان یا چراغِ راہ'' (مترجم)، کرنل (ر) مسعود اختر شیخ، ہارمونیبلی کیشنز، اسلام آباد ۲۰۰۹ء، صفحہ: ۱۳تا۱۵

81.http://tr.wikipedia.org/wiki/Yusuf_Kaplan

82.http://tr.wikipedia.org/wiki/Yasar_Nuri_Öztürk Dated 2-2-2013

83.http://tr.wikipedia.org/wiki/Ana Meri Simal Dated 02-05-2013

۸۴۔ سید قاسم محمود: انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا۔ صفحہ: ۳۱۷

85. www.inkilab.com.tr/yazarlar_urunler.asp?sID=1171,dated,25/6/12

86.Muhammed han kayani,Siirleri Aynasinda ikbal,istanbul Buyuksehir Belediyesi,1995,sayfa 4

۸۷۔ اورخان کمال، ترجمہ: کرنل (ر) مسعود اختر شیخ، ''جگر اروی کا'' مسعود پبلشرز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۰۹ء، صفحہ: (بیک ٹائٹل)

88. "Günümüz, turkiyesinde-KimKimdir" 6th edition, istanbul 1999, Syfa (Asrar, Nisar Ahmed)

﴿باب سوم﴾

نظمِ اقبال کے ترکی تراجم کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

(الف) فارسی کلامِ اقبال کا مختصر تعارف

i. اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء)
ii. رموزِ بیخودی (۱۹۱۸ء)
iii. پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء)
iv. زبورِ عجم (مع گلشن رازِ جدید و بندگی نامہ) (۱۹۲۷ء)
v. جاوید نامہ (۱۹۲۳ء)
vi. پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مثنوی مسافر (۱۹۳۶ء)
vii. ارمغان حجاز (۱۹۳۸ء)

(ب) فارسی کلامِ اقبال کے ترکی تراجم

اسرارِ خودی:

i. اسرار وے رموز (۱۹۵۸ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان ii. اسلامی بن لیعین اِچ یوزو (۱۹۸۶ء) اَز ڈاکٹر علی یوکسل

رموزِ بےخودی:

i. بنلِک وے تُوپلم (۱۹۹۰ء) اَز ڈاکٹر علی یوکسل

پیامِ مشرق:

i. شارق تان خبر (۱۹۵۶ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

ii. پاکستان ملی شاعر اقبالن حکمت لی شعرلری (۱۹۷۰ء) اَز بصری گوجل

iii. ڈاکٹر محمد اقبال طورلا لے سی (رباعیات) (۱۹۷۰ء) اَز بصری گوجل

iv. اقبال دین شعرلر۔ شارق تان خبر وے زبورِ عجم (۱۹۷۱ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

زبورِ عجم:

i. یِنی گلشن راز (۱۹۵۹ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان ii. زبورِ عجم دان سیچے لری (۱۹۶۴ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

جاوید نامہ:

i. محمد اقبال جاوید نامے (۱۹۵۸ء) اَز اَنا میری شمل ii. محمد اقبال جاوید نامے (۱۹۵۸ء) اَز خلیل طوق اَر

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مثنوی مسافر:

i. یولجولک خاطرہ سی (۱۹۶۹ء) اَز علی گینجیلی

ii. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اُچ اثر لری: یولجو۔ اے شارق قو یم لری۔ کھولے لِک (۱۹۷۶ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

ارمغان حجاز:

i. حجاز ارمغانی (۱۹۶۸ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

(ج) اردو کلامِ اقبال کا مختصر تعارف

i. بانگِ درا ii. بالِ جبریل iii. ضربِ کلیم iv. ارمغانِ حجاز

(د) اردو کلامِ اقبال کے ترکی تراجم

i. ضربِ کلیم (۱۹۶۸ء) اَز ڈاکٹر علی نہاد تارلان

(ر) اردو کلامِ اقبال کے ترکی انتخاب

i. ڈاکٹر محمد اقبال وے اثر لریندین سچے لر (۱۹۷۴ء) اَز عبدالقادر قراۂ خان

ii. محمد اقبال۔ دوغودین اشتی لر (۱۹۸۸ء) اَز ڈاکٹر این۔ احمد اسرار

iii. محمد اقبال۔ عشق وے طت کو (۱۹۹۹ء) اَز جلال سوئیدان

(الف) فارسی کلامِ اقبال کا مختصر تعارف

i. اسرارِ خودی

''اسرارِ خودی'' کا سنہ اشاعت ۱۹۱۴ء اور ۸۴ صفحات ہیں۔ کتاب ''اسرارِ خودی'' کی تصنیف سے وابستہ پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال، عطیہ فیضی کے نام خط محررہ ۷ جولائی ۱۹۱۱ء میں فرماتے ہیں:۔

''۔۔۔۔۔۔والد نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں بوعلی قلندر کی مثنوی پر فارسی میں کوئی مثنوی لکھوں ۔ اور اس اہم کام کی مشکلات کے باوجود میں نے ایسا کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

نالہ را اندازِ نو ایجاد کن
بزم را ازہا و ہو آباد کن
آتش استی بزمِ عالم برفروز
دیگراں راہم ازیں آتش بسوز
سینہ را سرمنزلِ صد نالہ ساز
اشکِ خونیں را جگر پرکالہ ساز
پشت پا بوشورشِ دنیا برن
مُوجۂ بیرون ایں دریا بزن(۱)

ان چار اشعار میں سے پہلا اور دوسرا شعر معمولی ترمیم واضافے کے ساتھ اسرارِ خودی (کلیاتِ اقبال، فارسی) میں عنوان ''تمہید'' کے تحت صفحہ دس پر نمبر ۷۰ اور نمبر ۶۶ کے طور پر اس طرح سے درج ہیں۔

آتش استی بزمِ عالم برفروز
دیگراں راہم ازیں آتش بسوز
نالہ را اندازِ نو ایجاد کن
بزم را ہائے و ہو آباد کن(۲)

دیگر دونوں اشعار ترک کردیے گئے ہیں۔ یہ دونوں متروک اشعار باقیاتِ اقبال میں بھی موجود نہیں ہیں۔ اقبال کے ایک اور بیان کے مطابق مثنوی اسرارِ خودی تحریر کرنے کا آغاز تو ۱۹۱۰ء سے ہوگیا تھا مگر ابتداء میں یہ مثنوی یعنی'' حقائقِ حیاتِ فردیہ'' انھوں نے اردو میں لکھنا شروع کی تھی، ایک خط میں فرماتے ہیں۔ ''میں نے خود اسرارِ خودی پہلے اردو میں لکھنا شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا، جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کردیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش کی تقریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔'' (۳)

''اسرارِ خودی'' کے پہلی اشاعت میں ایک پر مغز مقدمہ تھا جس میں علامہ نے اپنے خیالات کے دریا کو کوزے میں بند کردیا تھا۔ اس میں نفی خودی کے نظریہ کی ابتداء اور مسلمانوں میں اس کی اشاعت کے اسباب، نتائج اور اسلامی تحریک کا حقیقی مقصد واضح کیا گیا تھا۔ آخر میں لفظ خودی کی تشریح درج تھی۔ تاہم عامۃ الناس میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کے سبب اس کو دوسرے ایڈیشن میں شامل نہ کیا گیا۔ دراصل علامہ نے حافظ شیرازی کے کچھ نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے ۳۵ اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان اشعار کا لب ولہجہ کافی سخت

تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ کے مداحوں نے اقبال کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ چناں چہ دوسرے ایڈیشن میں مصلحت کی بناء پر علامہ نے ان اشعار کو یکسر حذف کر دیا اور ان کی جگہ ''اصلاح ادبیات اسلامیہ اور حقیقت شعر'' کے عنوان سے نیا کلام شامل کر دیا۔

اقبال کی مذکورہ مثنوی کا مآخذ قرآن کریم اور مثنوی مولانا روم ہیں۔ علامہ کی مثنوی گوسفندی نظریہ روحانیات، عجمی تصوف اور وحدت الوجود کو عین توحید قرار دینے کے نظریات پر کاری ضرب ہے۔ یہ ساری مثنوی اقبال کے تصورِ خودی کی تفسیر و تشریح ہے۔ علامہ کے مطابق خودی ہی وہ عرفانِ ذات ہے جو افراد و اقوام کی زندگی کی ضامن اور انسان کو بلند ترین مادی و روحانی مدارج پر پہنچانے کی کفیل ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کی خودی نہ صرف قائم رہے بلکہ ارتقاء کی منزلیں طے کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائے جو اس کے لیے مقدر ہے اور جس سے بڑا کوئی مقام انسانی تصور میں نہیں آ سکتا۔

اسرارِ خودی میں درج ذیل عنوانات کے تحت علامہ نے اپنے فلسفہ خودی کی تشریح کی ہے۔ ان عنوانات میں، نظامِ عالم کی بنیاد، خودی اور عشق و محبت، خودی اور نظام عالم، مغلوب قوموں کے مخفی حیلے، افلاطون اور مسلکِ گوسفندی، حقیقت شعر اور اصلاح ادبیات، تربیت خودی کی منزلیں وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ نے دیکھا کہ مسلمانانِ عالم، افلاطونی (گوسفندی) فلسفے کی تقلید میں بے عملی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ وحدت الوجود، عجمی تصوف، رہبانیت اور پیر پرستی جیسے باطل نظریات، اسلام کی اصل روح کو کمزور کر رہے ہیں۔ اقبال سے مسلمانوں کی یہ بے عملی، گمراہی اور زبوں حالی برداشت نہ ہو سکی اور انھوں نے اسرارِ خودی لکھ کر ان باطل عقائد کا قلع قمع کرنے کی کاوش کی۔

محی الدین ابن عربی نے نظریہ وحدت الوجود کی بنیاد ڈالی، جس کے مطابق کائنات کی روح میں انسان کا جذب ہونا ضروری ہے۔ یعنی انسانی نجات کے لیے خودی کی نفی ضروری ہے۔ اس نظریے کے مطابق دنیا میں اصل وجود صرف ایک ہے۔ جو کائنات میں مختلف رنگوں اور شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ وجود انسانی کا کمال یہ ہے کہ مادی قیود سے آزاد ہو کر وجودِ مطلق میں فنا ہو جائے۔ فنا کا یہ نظریہ اقبال کو اسلامی تعلیمات کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ علامہ کا اس نوع کی مجہول نفی خودی کے بارے میں خیال اولیت کا حامل نہیں ہے، ان سے پہلے ابن تیمیہ نے اس نظریے پر کاری ضرب لگائی۔ امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ بھی اس نظریے کے برخلاف نظریہ وحدت الشہود کے قائلین میں سے تھے۔

علامہ اقبال نے ''خودی'' کا تصور مسلمان صوفیاء اور حکماء کے افکار سے اخذ کیا۔ (۴) خودی، وجدان کی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسانی روح کو اپنے آپ اور مقصودِ زندگی سے شناسائی حاصل ہوتی ہے اور فطری و دینی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ وہ استقلالِ ذاتی ہے جو ہر مخلوق کے علم و عمل کو ایک مخصوص دائرے میں نمایاں رکھتا ہے۔ خدا، خودی مطلق ہے و رخودی کا سب سے بڑا منبع۔ کائنات کی ہر چیز میں خودی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ چھوٹی خودی والے اجسام بڑی خودی والے اجسام کے گرد گردش کرتے ہیں۔ چاند، زمین کے گرد اور زمین سورج کے گرد حرکت کرتی ہے۔ اس طرح تمام کائنات کا مرکز انسان ہے جسے اشرف المخلوقات کے تابع کر دیا گیا ہے۔ کائنات میں فرمانبرداری کا یہ عمل اطیع اللہ و اطیعو الرسول پر دلالت کرتا ہے۔

عبادت، خودی کی نشو و نما کا قوی وسیلہ ہے۔ وجدان؛ اخلاقی و روحانی تعبیرات و اقدار کی تخلیق کرتا ہے۔ لیکن ان تمام کی بنیاد عشق پر قائم ہے۔ مردِ مومن کا وجود استحکامِ خودی کے بغیر ممکن نہیں۔ اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی کے مراحل طے کرنے کے لیے بے پناہ عشق کی ضرورت ہے۔ انبیائے کرام کی خودی بے پناہ عشق کے سبب مستحکم ہوئی تھی۔ صدقِ خلیل، صبرِ حسین اور معرکۂ بدر و حنین وغیرہ عشق ہی کی مختلف اصوات ہیں۔

خودی، علامہ اقبال کے پیغام کا خلاصہ اور ان کے افکار و تصورات کا مرکز ہے۔ اسرار خودی کے علاوہ شذراتِ فکر اقبال، ڈاکٹر نکلسن کے نام خط، پیام مشرق کی رباعیات، زبور عجم کے گلشن راز جدید، جاوید نامہ کی بعض منظومات، ضرب کلیم کی کچھ نظمیں، بال جبریل کی غزلیات اور ارمغانِ حجاز کی تصویر و مصور نظم اور رباعیات میں خودی کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔ نظم ''ساقی نامہ'' میں خودی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

انسانی شخصیت کی تین حالتیں ہیں۔ بشریت، ملکیت و نورانیت اور مظہریت۔ بشریت، وجودِ خاکی سے عبارت ہے، یہ انسانی شخصیت کا ظاہر ہے۔ اس کی بنیاد پر انسان عالمِ خلق سے متصف ہو جاتا ہے۔ ملکیت و نورانیت ہر شخص کا باطن ہے جو روح سے عبارت ہے۔ اس کی بنیاد پر انسان عالم امر سے متصف ہوتا ہے۔ مظہریت، انسان کے باطن کا بھی باطن ہے۔ اور یہ وہ جلوہ گاہِ حقیقت ہے کہ انسان تمام تعینات کی جہتیں کھو کر ذاتِ مطلق کے حسن میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تین مدارج میں انسان کی ناسوتی، ملکوتی اور لاہوتی شخصیتیں تشکیل پاتی ہیں۔ اس ارتقائی منزل کی آخری کڑی کو اقبال طائرِ لاہوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسانی شخصیت اگر اپنے مقصود و کمال کو حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے بشریت اور ملائکیت کے تعینات سے بھی باہر آنا پڑے گا۔ (۵)

اسرار خودی کے شروع یا آخر میں فہرست مضامین نہیں دی گئی چنانچہ کتاب کے صفحات سے فہرست تیار کر کے دے دی گئی ہے۔

فہرست عنوانات

۱۔ تمہید

۲۔ نظامِ کائنات کی بنیاد خودی پر ہے اور حیات کے پیکروں کی تعینات اور اُن کا ارتقاء خودی کے استحکام پر منحصر ہے۔

۳۔ خودی کی زندگی مقاصد کی تخلیق و تولید سے ہے۔

۴۔ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔

۵۔ سوال کرنے سے خودی میں کمزوری آتی ہے۔

۶۔ جب خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے تو نظامِ عالم کی ظاہری اور مخفی قوتوں کو مسخر کر لیتی ہے۔

۷۔ نفی خودی کا مسئلہ کمزور اقوام نے ایجاد کیا ہے تاکہ اس کی مدد سے غالب اقوام کے اخلاق کو کمزور کریں۔

۸۔ افلاطون جس کے افکار سے تصوف اور مسلم اقوام کے ادب نے اثر لیا، وہ مسلکِ گوسفندی کا پیرو تھا۔ اس کے تخیلات سے بچنا چاہیے۔

۹۔ شعر کی حقیقت اور اسلامی ادب کی اصلاح کے بیان میں۔

۱۰۔ مراحلِ تربیتِ خودی، اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی۔

۱۱۔ اسمائے حضرت علیؓ کے اسرار کی شرح۔

۱۲۔ مرو کے ایک نوجوان کی حکایت جو حضرت علی ہجویری کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا۔

۱۳۔ پرندے کی کہانی جو پیاس سے بیتاب تھا۔

۱۴۔ الماس اور کوئلے کی حکایت۔

۱۵۔ شیخ و برہمن کی حکایت، گنگا و ہمالیہ کا مکالمہ، ملت کی زندگی کے تسلسل کا دارومدار مخصوص روایات پر مضبوطی سے جمے رہنے میں ہے۔

۱۶۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد کلمۃ اللہ ہے۔ جہاد کا محرک محض ملک فتح کرنا اسلام میں حرام ہے۔

۱۷۔ وقت تلوار ہے۔

۱۸۔ دعا۔

ii. رموزِ بےخودی

''رموزِ بےخودی'' علامہ اقبالؒ کی مثنوی ''اسرارِ خودی'' کا دوسرا حصہ ہے۔ رموزِ بےخودی کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام، دیگر مذاہب کی طرح محض پوجا پاٹ کا نظام نہیں اور نہ ہی کسی فرد کا نجی معاملہ ہے، بلکہ یہ ایک ہیتِ اجتمایہ انسانیہ کا نام ہے۔ بدیں وجہ کوئی مسلمان ملت سے جدا ہو کر اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ جب یہ ممکن نہیں تو وہ اپنی خودی کو بھی انفرادی طور پر مرتبہ کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال رموزے بےخودی کی طباعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'' رموزِ بےخودی ۱۱۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ اشاعت اولین کے دیباچے میں اقبال نے اپنے استاد مولانا سید میر حسن اور گرامی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا، کہ ان دونوں سے بعض اشعار کی زبان اور طرز بیان کے متعلق قابل قدر مشورہ ملا۔'' (۶)

کتاب کے موضوع کے بارے میں علامہ فرمایا۔

''افراد کی صورت میں احساسِ نفس کا تسلسل قوتِ حافظہ سے ہے۔ اقوام کی صورت میں اس کا تسلسل و استحکام قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے۔ گویا قومی تاریخ، حیاتِ ملیہ کے لیے بمنزلہ قوتِ حافظہ کے ہے۔ اس کے مختلف مراحل کے حسیات و اعمال کو مربوط کر کے قومی انا کا زمانی تسلسل محفوظ و قائم رکھتے ہیں۔ علم الحیات و عمرانیات کے اسی نکتہ کو مد نظر رکھ کر میں نے ملتِ اسلامیہ کی ہیئتِ ترکیبی اور اس کے مختلف اجزا و عناصر پر نظر ڈالی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ امتِ مسلمہ کی حیات کا صحیح ادراک اسی نقطہ نگاہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔'' (۷)

خودی اپنی ارتقائی منزل میں آگے بڑھتی اور بےخودی کے مقام پر فائز ہو جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں بےخودی سے مقام فنا مراد نہیں ہے بلکہ بےخودی سے ان کی مراد ہے انسان کا انفرادیت کی منزل سے نکل کر اجتماعیت کی زندگی میں آنا ہے۔ انفرادی خودی اور اجتماعی خودی کے سلسلے میں اقبال نے قرآن پاک کا زندگی بھر مسلسل مطالعہ کیا۔ جب سالک زندگی کے ہر شعبہ میں نفس امارا کی بجائے اللہ تعالیٰ کی مرضی پر عمل کرتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد نفس امارا خود بہ خود فنا ہو جاتا ہے، بس یہی مقام فنا ہے اور اس کو مرشد رومی نے اپنی اصطلاح میں بےخودی سے تعبیر کیا ہے، یعنی اگر کوئی اپنی جدوجہد سے مقام بےخودی حاصل کرے تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔

اقبالؒ کے نزدیک ہر فرد کی ذات میں اجتماعیت اور انفرادیت کے عناصر اس طرح پیوستہ ہوتے ہیں کہ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے ہر فرد میں شخصیت کے ان دونوں پہلوؤں کی جانب طبعی میلان پایا جاتا ہے۔ خودی کی تکمیل کے لیے ان دونوں کی آبیاری لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسرارِ خودی کے بعد رموزِ بےخودی تحریر کی۔ اسرارِ خودی میں فرد کی شخصیت کے ذاتی اور انفرادی پہلو کی جبکہ رموزِ بےخودی میں اس کی شخصیت کے اجتماعی اور عمرانی پہلوؤں کی تربیت کا پروگرام قرآن کی روشنی میں یہ پیش کیا ہے، جس کے مطابق افراد کے بغیر جماعت کا وجود ممکن نہیں اور جماعت کے بغیر فرد اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

رموزِ بےخودی کے عنوانات کا ترجمہ حسب ہیں۔

۱۔ پیش کش بحضور ملتِ اسلامیہ
۲۔ تمہید در معنی ربطہ فرد و ملت
۳۔ ملت، افراد کے اختلاط سے وجود میں آتی ہے اور اس کی تربیت کی تکمیل نبوت کرتی ہے۔
۴۔ دین اسلام کے بنیادی ارکان۔ رکن اول توحید
۵۔ ناامیدی، غم اور ڈر سب برائیوں کی جڑ ہیں اور توحید ان امراض خبیثہ کا ازالہ کرتی ہے۔
۶۔ تیر و شمشیر کی گفتگو
۷۔ عالمگیر اور شیر کی کہانی
۸۔ رکن دوم۔ رسالت
۹۔ مقصود رسالت محمدیہ صلعم

۱۰۔ بوصیدؐا ور جاپان کی حکایت
۱۱۔ حکایت سلطان مراد و معمار
۱۲۔ حریت اسلامیہ و سر کربلا
۱۳۔ ملت اسلامیہ کسی خاص ملک سے وابستہ نہیں
۱۴۔ ملت اسلامیہ کی بنیاد وطن نہیں
۱۵۔ ملت اسلامیہ قیامت تک باقی رہے گی
۱۶۔ قرآن حکیم ملت محمدیہ کا آئین ہے
۱۷۔ انحطاط کے دور میں تقلید اجتہاد سے بہتر ہے
۱۸۔ کردار کی پختگی شریعت کے اتباع سے ہے
۱۹۔ حسن سیرت خلق محمدیؐ کے اتباع پر ہے
۲۰۔ ملت اسلامیہ کا مرکز بیت الحرام ہے
۲۱۔ امت کا نصب العین توحید کی حفاظت اور اشاعت ہے
۲۲۔ ملی زندگی کی توسیع عناصر فطرت کی تسخیر سے ہے
۲۳۔ ملت بھی فرد کی مثل احساس خودی پیدا کرے
۲۴۔ نسل انسانی کی بقاء امومت سے ہے
۲۵۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ عورتوں کے لیے کامل نمونہ ہیں
۲۶۔ مسلم عصمت مآب عورتوں سے خطاب
۲۷۔ تفسیر سورہ اخلاص
۲۸۔ عرض حال مصنف

iii. پیام مشرق

پیام مشرق ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے فارسی کلام کا یہ تیسرا مجموعہ ہے جو مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے ''پیام مغرب'' کے جواب میں منظوم و مرتب کیا گیا۔ پیام مشرق نے مغرب میں پہنچ کر وہاں کی علمی فضاء میں ہل چل پیدا کر دی۔ انہی دنوں ڈاکٹر صاحب کے عزیز دوست نواب سر ذوالفقار علی خان نے ایک انگریزی کتاب (Voice from the East of Poetry of Iqbal) شائع کر کے بڑی تعداد میں انگلستان بھجوائی اور اس طرح یورپ میں ڈاکٹر صاحب کے افکار و نظریات کے تعارف، شہرت اور اشاعت کے نئے مواقع ملے۔

پیام مشرق مختلف اوزان و بحور میں مواعظ اور حقائق و معارف کا ایک بحر ذخار ہے۔ ایک ناقد کے خیال میں یقیناً یہ ڈاکٹر اقبال کے قلم کا شاہکار ہے اور شاید اقبال بھی اس سے بہتر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ (۸) یہ کتاب جاوید نامہ کے بعد اقبال کی مشکل ترین کتاب ہے کیونکہ اس میں علامہ نے وہ حقائق و معارف بیان کیے ہیں جن کا تعلق افراد اور اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔

یہ کتاب پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ (لالۂ طور) رباعیات پر مشتمل ہے جس میں فلسفہ کے ادق مسائل اور خاص طور پر وحدت الوجود کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ دوسرے حصے (افکار) میں اقبال نے خدا، انسان اور کائنات سے متعلق علمی نکات، شاعرانہ انداز میں پیش کئے ہیں۔ تیسرا حصہ (مئے باقی) میں غزلیات ہیں۔ یہ حصہ زبان و بیان کے حوالے سے حافظؔ اور نظیری کا رنگ لیے ہوئے ہے اور عالی مضامین میں مخصوص فلسفۂ حیات کی تبلیغ کی گئی ہے۔ چوتھا حصہ (نقش فرنگ) حکمائے مغرب پر تنقید ہے۔ یہ اس کتاب کا سب سے زیادہ مشکل حصہ ہے۔ پانچواں حصہ (خردہ) چند قطعات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں حکیمانہ نکات، ظریفانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال نے اسرار خودی اور پیام مشرق پر اردو میں دیباچہ لکھ کر ناظرین کو اس حقیقت سے متعارف کرایا کہ پیام مشرق کا محرک گوئٹے کا دیوان ہے اور اس تخلیق کا مقصد اُن اخلاقی، ملی اور مذہبی حقائق کو پیش کرنا ہے جن کا تعلق افراد اور اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ گوئٹے؛ خواجہ حافظ، شیخ عطار اور شیخ سعدی سے بڑے متاثر ہوئے خاص طور پر جب ۱۸۱۲ء میں دیوان حافظ کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع ہوا تو ادبیات جرمن میں ''مشرقی تہذیب'' کے مطالعے کا آغاز ہوا۔ گویا دیوان مغرب کا محرک دیوان حافظ ہے اس لیے دیوان میں حافظ کا رنگ جھلکتا ہے۔

''پیامِ مشرق'' کا دیباچہ بہت پر مغز اور بصیرت افروز ہے۔ علامہ نے مغربی تہذیب کا گہرا طالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس تہذیب کی بنیاد مادیت اور الحاد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ نے مغربی تہذیب میں بہہ جانے کی بجائے مشرق اور مغرب دونوں کو عشق کا پیغام دیا ہے۔جس کے بغیر باطنی تربیت ناممکن ہے اور باطنی انقلاب کے بغیر ظاہری انقلاب بے معنی ہو جاتا ہے۔ باطنی انقلاب بندوں سے متعلق ہے اور مقدم ہے، ظاہری انقلاب، خدا سے متعلق ہے اور مؤخر ہے(۹) افکار اقبال کے بموجب اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور انہی لوگوں پر رحم کرتا ہے جو اپنے آپ کو اسکا مستحق بنا لیتے ہیں۔

پیام مشرق ظاہری صورت میں دیوانِ مغرب سے بہت مشابہ ہے کیونکہ دونوں میں چھوٹی چھوٹی نظمیں علیحدہ عنوانات کے تحت مختلف حصوں میں تقسیم کردی گئی ہیں۔ دونوں میں مقصدی مشابہت بھی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں کی نوعیت مضامین میں کوئی تعلق نہیں۔ نظم جلال اور گوئٹے میں اقبال یہ تصور کرتے ہیں کہ فردوسِ بریں میں مولانا جلال الدین رومی اور گوئٹے کی ملاقات ہے۔ مولانا، گوئٹے کی زبان سے فاؤسٹ(۱۰) کو سن کر یہ کہتے ہیں۔

گفت رومی اے سخن راجاں نگار
تو ملک صید استی ویزداں شکار

اور پھر آخر میں فرماتے ہیں۔

''دندآں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی زابلیس وعشق از آدم است'' (رومیؒ)

پیام مشرق کے ایک بڑے حصے کا سمجھنا مشکل ہے اور ترجمہ کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل۔ اقبال اپنے ناظر کو خیال کی جس بلندی پر لے جانا چاہتے ہیں وہ وسیع مطالعے اور گہرے تفکر کا حامل ہے۔ علامہ نے انسانی جذبات کے سارے عالم کی خاک چھانی ہے جس میں اعلیٰ ترین وجدانی کیفیات اور تاریک ترین شکوک بھی شامل ہیں۔ اقبال کی یہ اعلیٰ اور پرزور شاعری اگرچہ سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں مشکلات کا سامنا ہے لیکن مشکلات جھیلنے کے بعد صلہ کافی مل جاتا ہے۔(۱۱)

اقبال کے نزدیک خودشعوری اور انفرادیت ہی سب کچھ ہے۔ زندگی کا مغز عمل ہے۔ زندگی کی تکمیل روحانی، اخلاقی قوت میں ہے جو اطاعت اور تسلیم سے ترقی پاتی ہے۔ مادہ پر فتح پانے سے ہم آزاد ہو جاتے ہیں۔ اقبال سیاسیات میں کسی آسان راستہ کے قائل نہیں۔ مجلس اقوام کے متعلق ان کی نظم ان کے انہی خیالات کو ظاہر کرتی ہے۔ علامہ کچھ فلاسفہ کے خیالات کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں مثلاً ہیگل کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ماکیاں کز زور مستی
خایہ گیر دبے خروش

کہا گیا ہے۔ اقبال نیٹشے کے خیال، خواہش قوت کو تو کھلے دل سے قبول کرتے ہیں لیکن دیوانہ بکار گہ شیشہ گر کو، دہریہ ہونے کی وجہ سے نا قبول کردیتے ہیں۔

آنکہ برطرح حرم بت خانہ ساخت
قلب او مومن دماغش کافراست

تاہم اقبال کو برگساں سے ہمدردی ہے۔ علامہ نے اس کی تعلیم کو اشعار میں پیش کیا ہے۔ آئن سٹائن کے متعلق لکھا ہے کہ روشنی کا مظہر جس نے موسیٰ اور ہارون کی نسل سے زردشتی مذہب کو زندہ کیا۔ کیمونزم کے حوالے سے لینن کی زبان میں قیصر ولیم سے اشتراکیت کی فتح کا ذکر کرتے ہیں اور پھر خود قیصر ولیم کی زبان میں کہتے ہیں کہ لوگوں نے ایک مالک کی جگہ دوسرا مالک بدل لیا۔

نماند نازِ شیریں بے خریدار
اگر خسرو نباشد کو ہکن ہست

منظومات ''محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومٹ و مردِ مزدور''، ''قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور'' اور نوائے مزدور'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مزدور طبقہ کے طرفدار ہیں۔ نوائے مزدور سے نمونہ ملاحظہ ہو۔

زمزدِ بندہ کر پاس پوش و محنت کش
نصیب خواجہ ناکردہ کار رختِ حریر

پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانانِ پاک و ہند چونکہ شاہ ترک کو خدمت حرم کی وجہ سے خلیفہ تسلیم کرتے تھے اسلیے انھوں نے بھی ترکی کا ساتھ دیا۔ جنگ میں ناکامی کے بعد اتحادی چاہتے تھے کہ امت مسلمہ سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لیا جائے۔ تاہم مغرب جانتا تھا کہ مادی ترقی کے غلبہ پر مشرق کو دیر تک مغلوب نہیں رکھا جا سکتا۔ مغرب کا روحانیت سے عاری ہونے کا احساس سب سے پہلے جرمنی کے مفکر گوئٹے کو نصیب ہوا اور انھوں نے مشرق کے روحانی سرمایے سے استفادہ کرنے کے لیے مسلم صوفیا و شعرا کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس حوالے سے وہ خاص طور پر خواجہ حافظ شیرازی سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے پیام مشرق سے سو سال پہلے دیوان مغرب میں جس عقیدت سے خواجہ حافظ اور سعدی شیرازی کے متعلق جو تاثرات بیان کئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے شرق سے روشنی کا تقاضا کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی کی روح گوئٹے میں حلول کر گئی ہے۔ جس نے جرمنی زبان میں زبردست صوفیانہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبال نے سو سال بعد پیام مشرق کی صورت میں جواب دیا ہے۔ جس کا انتساب اعلیٰحضرت امیر امان اللہ خان شاہِ افغانستان کے نام کیا گیا ہے۔

علامہ، امیر اللہ خان کو شرق کے اندرونی جذبات و احساسات کا قومی نمائندہ سمجھتے ہوئے بڑے دردناک الفاظ میں مخاطب کر کے فرمایا۔

''اے نوجوان! اٹھو، اور شرق کی مردہ مٹی میں یہ روح زندہ کر۔ اور مغرب کو پھر صدیقؓ، فاروقؓ، علیؓ، خالدؓ اور سلیمانؓ کی مثال اپنے عمل سے پیش کر۔ اس مردہ مٹی میں علم و اخلاق کا وہ جذبہ پھر زندہ کر جس کی برکت سے مسلمان نے مشعل اسلام کی ضیاء ساری دنیا میں پھیلا دی۔ علم و عمل اور یقین کا ایک نمونہ اور مغرب کو اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے پیغام اقدس کا نتیجہ دکھا۔''

علامہ نے امیر افغانستان کو یہ تلقین کی ہے کہ عدلِ فاروقی اور فقرِ حیدری ایک حاکم کو اعلیٰ مقام پر فائز کراتا ہے۔

سروری در دین ما خدمت گری است
عدلِ فاروقی و فقر حیدری ست

اقبال، میر اللہ خان کو امارت میں فقر کا مفہوم ذہن نشین کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آخر میں ان سے فرماتے ہیں کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام حضرت محمد ﷺ کے ساتھ عشقِ حقیقی پیدا کریں پھر دیکھیں کہ سارے عالم کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کس طرح منور کرتے ہیں۔

iv. زبورِعجم

''زبورِعجم'' علامہ اقبال کا چوتھا فارسی مجموعہ کلام ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ ''زبورِعجم'' کے تین حصے ہیں پہلے حصے میں ''غزلیات'' جبکہ دوسرے حصے میں ''گلشن راز جدید'' اور تیسرے حصے میں ''بندگی نامہ'' کے عنوان سے دو مختصر مثنویاں شامل ہیں۔

زبور حضرت داؤد کا صحیفۂ آسمانی تھا۔ ''حضرت داؤد علیہ السلام کا لحن مشہور ہے۔ انھوں نے انسانوں کو خدا کے نغمے سنائے تھے۔ زبور کے معنی ''ٹکڑوں'' کے ہیں۔ یعنی یہ کتاب اقبال کے نغمے، غزل کے ٹکڑوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اقبال بھی داؤد علیہ السلام کی طرح اپنے دل کے نغمے باری تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔

پہلے حصے میں بخوانندہ کتابِ زبور اور دعا کے عنوان سے ایسی ولولہ انگیز و دلاویز غزلیں ہیں جو شرق کو بیدار کرنے کے لیے لکھی گئیں۔ اور یہ غزلیات دو حصوں میں منقسم ہیں ایک میں حسن مطلق سے خطاب ہے اور دوسرے میں خود انسان سے۔ دونوں میں غزل کی روایتی کلاسیکی زبان اور لب و لہجہ موجود ہے۔ ''زبورِعجم'' کا پہلا حصہ عشق ہے اور دوسرا حصہ دعوت۔ کتاب کے دوسرے حصے میں ''گلشن رازِ جدید'' اسرارِ حیات انسان پروا کرنے والی اقبال کی کتاب ''اسرارِ خودی'' کی یاد تازہ کرتی ہے جبکہ ''بندگی نامہ'' محکومیت کی ذلتوں سے باخبر کرنے والا صحیفہ ہے۔

فہرست مضامین

زبورِعجم

بخوانندۂ کتابِ زبور

زبورِعجم (حصہ اول)

دعا

گلشن رازِ جدید

تمہید

سوال نمبر ۱ تا سوال نمبر ۱۶

خاتمہ

بندگی نامہ

درمیان فنونِ لطیفۂ غلاماں

موسیقی

مصوری

مذہب غلاماں

در فنِ تعمیر مردانِ آزاد

۷. جاوید نامہ

''جاوید نامہ'' علامہ اقبالؒ کے اسلامی تصوف اور حقائق و معارف کے انکشافات پر مبنی تخلیق ہے۔ بہ زبانِ فارسی یہ کتاب فروری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔ ضخامت ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ بلاشبہ فارسی ادبیات میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے اور اگر ادبیات عالم میں اس کی نظیر مل سکتی ہے تو وہ دانتے کی ''طربیہ ایزدی'' (Divine Comedy) ہے۔ یہ علامہ کی وہ لازوال تصنیف ہے جو ان کے شاعرانہ کمالات، فلسفیانہ خیالات کا بہترین نمونہ اور ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ اس کا رنگ ساری تصانیف سے جدا ہے۔ یہ ایک طویل تمثیلی نظم ہے جس میں شاعر نے افلاک اور آں سوئے افلاک دونوں جہانوں کی سیر کی ہے، بلکہ اس روحانی سفر میں وہ خدا سے بھی ملتا ہے۔ یہ تخلیق فلسفیانہ نظم ہونے کے باوجود بھی ادبی لطافتوں سے معمور ہے۔ کلام میں پختگی، شیرینی، روانی اور سوز و گداز ہے۔ فلسفیانہ مباحث میں غزلیات کی چاشنی بھی موجود ہے اور سارا کلام رجائیت کی روح سے معمور ہے۔ اقبالؒ کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ حیات و کائنات کے ان لاتعداد مظاہر کی حقیقت صرف ایک ذات ہے جو واجب الوجود ہے۔

علامہ فراق میں حیات و دوام دیکھتے ہیں، پیام مشرق اور زبور عجم کے علاوہ ''جاوید نامہ'' میں پورا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ شاعر نے عشق اور جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین ہے۔ شاعر مشرق کے مطابق نوجوان ہی کسی انقلاب کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں اس لیے نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اقبالؒ، سنائی، عطار، رومی، جامی اور عراقی کے کلام سے جس قدر مستفید ہوئے، اس کا نچوڑ اس کتاب میں پیش کیا، اس لیے شاعری اور شاعرانہ پیغمبری کی سرحدیں اس کتاب میں مل گئی ہیں۔

''جاوید نامہ'' دراصل معراج نامہ ہے۔ اسرار و حقائق معراجِ محمدیہؐ پر مشتمل یہ کتاب معراج نامہ کی بجائے جاوید نامہ کی صورت میں شائع ہوئی۔ واقعہ معراج کے دنیا میں میں مشہور ہونے سے چھ سو سال بعد دانتے نے اپنے تخیلی معراج کے مشاہدات کی صورت میں اس زمانہ کے علوم و فنون پر تبصرہ کیا۔ دانتے کی موت سے چھ سو سال کے بعد اقبال کا جاوید نامہ شائع ہوا۔ جاوید نامہ کو معراج کا تیسرا ادبی نمونہ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ ابن عربی کی '' فتوحات مکیہ'' پہلا اور ڈیوائن کامیڈی دوسرا نمونہ ہے۔

کتاب کا آغاز مناجات سے ہوا ہے۔ ایک زمینی انسان آسمان کی تسخیر کو روانہ ہونے والا ہے اس لیے ''تمہید آسمانی'' میں آسمان کی زبان سے زمین کو طعنہ دیا گیا ہے کہ

خاک اگر الوند شد جز خاک نیست
روشن و پائندہ چوں فلاک نیست (۱۲)

اس طعنہ کو سن کر زمین شرمندہ سی ہوگئی اور اپنی بے نوری کا شکوہ خدا سے کیا۔ اس کے بعد تمہید زمینی کے موضوع پر لکھا گیا ہے جہاں شاعر آسمان کی تسخیر پر کمر باندھتا ہے۔ اس کے آخر پر مولانا روم کی زبان سے جو سیر افلاک میں ان کے رہنما تھے، اسرارِ معراج کی تشریح کی گئی ہے شاعر، روحِ رومی سے فلسفیانہ سوالات کرتا ہے کہ، موجود اور ناموجود، محمود اور نامحمود کے کیا معنی ہیں؟ رومی کی روح جواب دیتی ہے کہ

بر مقامِ خود رسیدن زندگی است
ذات راہ بے پردہ دیدن زندگی است
مرد مومن در نسازد با صفات
مصطفیٰؐ راضی نشد الا بہ ذات (۱۳)

اس پر شاعر کی روح پھڑک اٹھتی ہے۔ ذوقِ دیدار اسے مضطرب کر دیتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ ذات تک رسائی کیسے ممکن ہو؟ رومی جواب دیتے ہیں کہ پہلی پیدائش سے انسان دنیا میں آتا ہے، اسی طرح ایک اور پیدائش کے ذریعے دنیا سے باہر بھی جا سکتا ہے۔

سوال و جواب کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ عشق کی قوت اور برہانِ مبین کے کرشموں کا ذکر ہوتا ہے۔ زمان و مکان پر قابو پانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ جان و تن کے حقیقی تعلق کا راز بتایا جاتا ہے۔ اس بحث کے بعد شاعر کے جسم کا ذرہ ذرہ پروازِ افلاک کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شاعر کی معراج شروع ہو جاتی ہے۔ شاعر اور پیر رومی دونوں کچھ دور جاتے ہیں تو قمر کے ایک غار میں سب سے پہلے ہندستان کا ایک قدیم عارف وشوامتر ملتا ہے۔ اس کے سوال و جواب کے بعد شاعر اور اس کا رہنما دونوں وادیٔ یرغمید داخل ہو جاتے ہیں۔ فرشتوں کی زبان میں اس وادی کا نام ''وادیٔ طواسین'' بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد شاعر اور اس کا رہنما فلک عطارد میں داخل ہوتے تو یہاں جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی ارواح سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہاں جمال الدین افغانی، اشتراکیت اور ملوکیت کے پردے چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

زندگی این را خراج آں را خراج

درمیان ایں دو سنگ آدم زجاج (۱۴)

سعید حلیم پاشا اہلِ مشرق اور مغرب کے فطری اختلاف پر رائے زنی کے بعد کہتے ہیں کہ افرنگیوں کا شعلہ اب ''نم خوردہ'' ہو چکا ہے۔ ان کی آنکھ تیز ہے مگر دل مردہ ہے۔ خلافتِ آدم، حکومتِ الٰہی، ارض ملکِ خدا است اور حکمت خیر کثیر یہ چار چیزیں بطور حکماتِ اصولِ قرآنی کے پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بعد جمال الدین افغانی نے ملتِ روسیہ کے نام پیغام دیا ہے۔ پھر شاعر فلک زہرہ میں جا نکلتا ہے۔ سوادِ زہرہ میں جو منظر سب سے پہلے نظر آتا ہے وہ خدایانِ اقوامِ کہن کی مجلس ہے۔ ان قدیم خداؤں میں سے ہر ایک اپنے از سرِ نو زندہ ہو جانے کے امکان پر ثبوت لا رہا ہے اس وجہ سے کہ یہ عہد پھر بے خلیل اور بے بت شکن ہو چکا ہے۔

یہاں بعل ایک نغمہ گاتا ہے، یہ نغمہ امید کا نغمہ ہے۔ اس کے بعد مسافر، فرعون اور کچز کی روحوں کو دیکھتے ہیں۔ ان سے سوال و جواب کے بعد دفعتاً درویش سوڈانی (مہدی) کی روح جنت کی طرف سے پرواز کرتی ہوئی اس طرف آنکلتی ہے۔ اس پورے باب میں مہدی سوڈانی کا سب سے اہم پیغام اقوامِ عرب و افریقہ کے نام ہے۔ پھر شاعر اپنے رہنما کے ساتھ فلک مریخ میں آ جاتا ہے۔ یہاں ان کی ملاقات حکیم مریخی سے ہوتی ہے۔ حکیم مریخی دنیا کے تمام بڑے بڑے ملکوں کی سیر کر چکا ہے۔ وہ مسافروں کو بتاتا ہے کہ جہاں وہ آئے ہیں اس شہر کا نام مرغدین ہے۔ فلک مریخ میں ہزاروں کاخ و کوگزرنے کے بعد مسافر منصور حلاج، غالب اور ایران کی مشہور شاعرہ قرۃ العین کی ارواح سے ملتے ہیں۔ نوائے حلاج، نوائے غالب اور نوائے طاہرہ سننے کے بعد شاعر اپنی بعض مشکلات ان ارواح کے سامنے پیش کرتا ہے۔ بعض سوالات کے جواب میں منصور تقدیر کی حقیقت پر بحث کرتا ہے اس کے بعد غالب اور اقبالؒ کے درمیان رحمت اللعالمین کے حقائق و اسرار پر بحث ہوتی ہے، غالب عاجز آ جاتا ہے تو حلاج اس راز کو فاش کرتا ہے

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو

آنکہ از خاکش بروید آرزو (۱۵)

اب ''دیدارِ پیغمبر'' اور ''دیدارِ حق'' کے مسائل زیرِ بحث آتے ہیں۔ اس بحث کے خاتمہ پر ابلیس نمودار ہوتا اور اعلان کرتا ہے کہ عصرِ حاضر کا ابنِ آدم میرا حریف شائستہ نہیں ہے۔ وہ اس لائق نہیں کہ اسے شکار کیا جائے۔ اب مسافر فلک زحل میں چلے جاتے ہیں۔ اس فلک کو شاعر نے ان ارواحِ رذیلہ کا مسکن بتایا ہے جنہوں نے ملک و ملت سے غداری کی۔ اس منزل میں دو طاغوت دکھائے گئے ہیں جنہوں نے ذاتی فوائد کی خاطر ملک و ملت سے غداری کی۔

آخری پرواز حدودِ افلاک سے پرے جانے کے لیے ہے۔ آنسوئے افلاک کی سرحد پر ایک اور شخص نظر آتا ہے جس کے لبوں پر صدائے دردمندی جاری ہے۔ رومی بتاتا ہے یہ شخص نطشے ہے۔ اقبالؒ کا خیال ہے اگر یورپ میں کوئی حکیم اس مجذوب کی وارداتِ قلبی سمجھنے والا ہوتا تو شاید وہ گم گشتہ ہونے سے بچ جاتا۔ یہاں سے مسافر کائنات کی حدود سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس جہاں کی تعریف کے سلسلے میں اقبالؒ زمان و مکان کے مباحث نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ جنت اور دوزخ کی حقیقت رومی کی زبان سے پیش کی جاتی ہے۔ جنت میں شاعر سب سے پہلے شاعر قصر شرف النساء دیکھتا ہے۔ یہاں سید علی ہمدانی اور ملا طاہر علی کشمیری سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔

اس کتاب کی فہرست مضامین حسب ذیل ہیں۔

فہرست مضامین

۱۔ مناجات

۲۔ تمہید آسمانی (نخستین روز آفرینش، نکوہش می کند آسماں زمیں را)

۳۔ نغمۂ ملائک

۴۔ تمہید زمینی (آشکارا می شود روح حضرت رومی و شرح می دید اسرار معراج)

۵۔ زروان کہ روح زمان و مکان است مسافر را بسیاحتِ عالم علوی می برد

۶۔ زمزمۂ انجم

۷۔ فلک قمر

۸۔ عارف ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل ہند او را جہاں دوست میگویند

۹۔ نۂ تاخن از عارف ہندی

۱۰۔ جلوہ سروش

۱۱۔ نوائے سروش

۱۲۔ حرکت بہ وادی یرغمید کہ ملائکہ او لا وادیٔ طواسین می نامند

۱۳۔ طاسین گوتم (توبہ آوردن زن رقاصہ عشوہ فروش)

۱۴۔ طاسین زرتشت (آزمائش کردن اہرمن زرتشت را)

۱۵۔ طاسین مسیح (روائے حکیم طالسطائی)

۱۶۔ طاسین محمدؐ (نوحۂ ابو جہل در حرم کعبہ)

۱۷۔ فلک عطارد

۱۸۔ زیارت ارواح جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشا

۱۹۔ دین و وطن

۲۰۔ اشتراک و ملوکیت

۲۱۔ شرق و غرب

۲۲۔ محکماتِ عالمِ قرآنی

۲۳۔ خلافتِ آدم

۲۴۔ حکومتِ الٰہی

۲۵۔ ارض ملکِ خدا است

۲۶۔ حکمت خیر کثیر است

۲۷۔ پیغام افغانی با ملتِ روسیہ

۲۸۔ غزل زندہ رود

۲۹۔ فلکِ زہرہ

۳۰۔ مجلس خدایانِ اقوام قدیم

۳۱۔ نغمۂ بعل

۳۲۔ فرو رفتن بدریائے زہرہ و دیدن ارواح فرعون و کشنر را

۳۳۔ نمودار شدن درویش سوڈانی

۳۴ فلک مریخ

۳۵۔ اہل مریخ

۳۶۔ برآمدن انجم شناس مریخی از رصدگاہ

۳۷۔ گردش در شہر مرغدین

۳۸۔ احوال دوشیزہ مریخ کے دعویٰ رسالت کردہ

۳۹۔ تذکیر نبیہ مریخ

۴۰۔ فلک مشتری

۴۱۔ ارواح جلیلہ، حلاج، غالب و قرۃ العین طاہرہ کہ بہ نشیمن بہشتی نگر دیدند و بگردش جاوداں گرائیدند

۴۲۔ نوائے حلاج

۴۳۔ نوائے غالب

۴۴۔ نوائے طاہرہ

۴۵۔ زندہ رود مشکلات خود را پیش ارواح بزرگ می گوید

۴۶۔ نمودار شدن خواجہ اہل فراق (ابلیس)

۴۷۔ نالہ ابلیس

۴۸۔ ارواح رذیلہ کہ ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں را قبول نکردہ

۴۹۔ فلکِ زحل

۵۰۔ قلزم خونین

۵۱۔ آشکارا می روح ہندستان

۵۲۔ روح ہندستان نالہ وفریاد می کند

۵۳۔ فریادِ یکے از زورق نشیناں قلزم خونین

۵۴۔ آں سوئے افلاک

۵۵۔ مقام حکیم المانوی نطشہ

۵۶۔ حرکت بجنت الفردوس

۵۷۔ قصر شرف النساء

۵۸۔ زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی وملا طاہر غنی کشمیری۔

۵۹۔ درحضور شاہ ہمدان

۶۰۔ صحبت با شاعر ہندی برتری ہری

۶۱۔ حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق (نادر، ابدالی، سلطان شہید)

۶۲۔ نمودار شود روح ناصر خسرو علوی وغزلے مستانہ سرائیدہ غائب می شود

۶۳۔ پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری (حقیقت حیات ومرگ وشہادت)

۶۴۔ زندہ رود رخصت می شود از فردوس بریں وتقاضائے حوران بہشتی

۶۵۔ غزل زندہ رود

۶۶۔ حضور

۶۷۔ خطاب بہ جاوید (سخنے بہ نژادِ نو)

vi. پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اقبال کی یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ دوسرے ایڈیشن میں مثنوی مسافر بھی اس کے ساتھ شامل کر دی گئی۔ موضوعاتِ کتاب کو حسب ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

فصل اول بخوانندۂ کتاب ہے۔ اس باب کا موضوع پیغامِ عشق ہے۔ جس طرح یہ مثنوی اقبال کی تمام تصانیف کا خلاصہ ہے اسی طرح بخوانندۂ کتاب کے چاروں اشعار اس مثنوی کا خلاصہ ہیں، ان اشعار کی روح یہ ہے، کہ اس دورِ مادیت میں مسلمان، مغربی سائنس سے مرعوب ہو کر عقل کی پیروی کرنے لگے ہیں۔ اقبال ملت کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ عقل صرف ایک حد تک رہنمائی کر سکتی ہے یہ کامل رہنما نہیں۔ یہ مقام صرف عشق کو حاصل ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ عشق کو رہنما بنائیں۔

فصل دوم تمہید ہے۔ تمہید میں اقبال نے چار بند تحریر کئے ہیں اور اپنے خیالات پیر رومی کی زبان سے ادا کئے ہیں۔ فصل سوم خطاب بہ مہر عالمتاب سے ہے۔ اس میں انھوں نے خلافِ معمول آفتاب سے خطاب کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اقوامِ مشرق، آفتاب کو زندگی کا سرچشمہ خیال کرتی ہیں۔ فصل چہارم کا عنوان حکمتِ کلیمی ہے۔ اس فصل میں اقبال نے ابتدائی ۱۲ اشعار میں انبیائے کرام کے طریقِ کار اور ان کی خصوصیاتِ تعلیم بیان کی ہیں۔ آخری ۱۲ اشعار میں مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔ فصلِ پنجم کا عنوان حکمتِ فرعونی رکھا گیا ہے۔ حکمت فرعونی سے مراد مفاسدِ ملوکیت ہے۔ جس طرح ''کلیم'' انبیاء کے نمائندے ہیں اسی طرح ''فرعون'' ایسے بڑے بڑے سلاطین کا نمائندہ ہے جنھوں نے زعمِ جاہ و جلال میں خود ''خدائی'' کا دعویٰ کر دیا اور بندوں کو غلامی پر مجبور کرتے رہے۔ فصل ششم کا عنوان لا الہ الا اللہ دیا گیا ہے۔ یہاں خاص طور پر اقبال نے لا الہ الا اللہ کے معانیٔ کثیرہ اور مفاہیم متعددہ میں سے صرف ایک معنی اور ایک مفہوم واضح کیا ہے کہ جب تک لا الہ کا حقیقی مفہوم قلب و دماغ میں جاگزیں نہ ہو تب تک انسان غیر اللہ کی غلامی سے نہیں نکل سکتا۔ فصل ہفتم کا موضوع فقر ہے۔ اقبال نے اپنے نظریہ فقر پر ایک مستقل باب باندھا ہے تاکہ قارئین کے دلوں میں فقر کی قدر و قیمت اور عظمت جگہ پائے۔

فصل ہشتم مردِ حر کے موضوع کے تحت ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلامی تعلیمات کی غایت یہ ہے کہ انسان میں شانِ فقر پیدا ہو جائے، یہ مقام خودی کی معراج ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسان میں صفاتِ ایزدی منعکس ہو جاتی ہے۔ اقبال نے صاحبِ فقر کو مختلف خطابات سے یاد کیا ہے۔ مردِ حق، مردِ مومن، قلندر، فقیر، درویش خدامست، صاحبِ دل اور مردِ حُر، یہ سب نام انھوں نے صاحبِ فقر کے لیے مختلف اوقات میں تحریر کئے ہیں۔ اس فصل میں انھوں نے حر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مردِ حُر سے ان کی مراد وہ شخص ہے جس نے غیر اللہ سے آزادی حاصل کر لی ہو۔

فصل نہم در اسرارِ شریعت ہے۔ یہ فصل اس کتاب کی روح ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شریعت (دین) طریقت (تصوف) اور حکمت (فلسفہ) تینوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ فصل دہم اشکے چند بر افتراقِ ہندیاں پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں بعض باتیں ایسی ہیں جو آج کے حالات میں خارج از بحث ہیں۔ اس میں دو بند ہیں، پہلے میں اقبال نے مسلمانوں کو انقلاب برپا کرنے کی دعوت دی ہے اور دوسرے بند میں انقلاب برپا کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ گیارہویں فصل سیاستِ حاضرہ کے موضوع پر ہے۔ اس فصل میں چار بند ہیں۔ پہلے بند میں شاعر نے موجودہ مغربی سیاست کی ماہیت اور کیفیت بیان کی ہے۔ دوسرے بند میں ہندی مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں کی مذہبی اور خلاقی حالت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ تیسرے بند میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ غیر طاقتوں کے غلاموں کو حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ چوتھے بند میں مسلمانانِ ہند کی حالتِ زار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بارہویں فصل حرفے چند با امتِ عربیہ پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں دو بند ہیں پہلے بند میں اقبال نے عربوں کو ان کے اسلاف کے بلند مقام اور کارناموں کو یاد دلایا ہے۔ دوسرے بند میں انھوں نے عربوں سے شکایت کی ہے کہ انھوں نے اپنی وحدت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ فصل سیزدہم کا عنوان پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق ہے۔ اور اس سے اقبال نے کتاب کا نام بھی ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' منتخب کیا ہے۔ اقبال نے اس فصل میں اس سوال کا جواب دیا ہے جو اس مثنوی کی تخلیق کا سبب ہے۔ فصل چہاردہم کا موضوع در حضورِ رسالت مآبؐ ہے۔ یہ اس کتاب کی آخری فصل ہے۔ اس باب میں اقبال نے سرکارِ دو عالم کی خدمت میں روحانی طور پر حاضر ہو کر اپنا حالِ دل بیان کیا ہو۔

اس مثنوی کی زبان شیریں اور سلیس ہے لیکن نہایت ادق اور عمیق افکار بہت ہی جامعیت اور اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ اقبال کی نظر میں دینِ اسلام؛ مذہب اور سیاست دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقبال نے ساری عمر کے غور و فکر کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔

فہرست مضامین

۱۔ بخوانندۂ کتاب

۲۔ تمہید

۳۔ خطاب بہ مہر عالمتاب

۴۔ حکمتِ کلیمی

۵۔ حکمتِ فرعونی

۶۔ لا الہ الا اللہ

۷۔ فقر

۸۔ مردِ حُر

۹۔ در اسرارِ شریعت

۱۰۔ اشکے چند بر افتراقِ ہندیاں

۱۱۔ سیاستِ حاضرہ

۱۲۔ حرفے چند با اُمتِ عربیہ

۱۳۔ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

۱۴۔ در حضور رسالت مآبؐ

مثنوی مسافر

۱۹۳۳ء میں اقبال نے نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان کا سفر کیا تھا۔ واپسی پر اپنے تأثرات قلمبند کر کے ''مسافر کے نام سے شائع کئے۔ پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۳۳ء میں جداگانہ شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۳۶ء میں اس کو ''مثنوی پس چہ باید کرد'' کے ساتھ شائع کیا گیا۔

امان اللہ خان کے عہد حکومت تک افغانستان میں قدیم نصاب تعلیم مروج تھا۔ جب نادر شاہ بر سر اقتدار آئے تو انھوں نے چاہا کہ ملک کے باشندے جدید علوم سے بھی شناسائی حاصل کریں اس لیے انھوں نے علامہ اقبال، سر راس مسعود اور مولانا سید سلیمان ندوی کو مدعو کیا تا کہ تدوین نصاب میں مشورہ دیں۔ چنانچہ اقبال افغانستان گئے اور فرض منصبی سے فارغ ہو کر انھوں نے غزنی اور قندھار کی سیاحت بھی کی۔

نادر خان، امان اللہ خان کے عہد حکومت میں سپہ سالار تھے۔ پھر وزیر جنگ ہو گئے۔ جب ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خان کو تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا تو اس وقت وہ فرانس میں تھے۔ ان کے جانے کے بعد ملک میں انتشار پھیل گیا۔ اس لیے ان کے جانشین عنایت اللہ خان نے بھی دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس خلفشار میں ایک معمولی شخص بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا اور حبیب اللہ خان کا لقب اختیار کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

جنرل نادر خان نے موقع سے فائدہ اٹھایا، یورپ سے واپس آ کر کچھ فوج فراہم کی اور اکتوبر ۱۹۲۹ء میں بچہ سقہ کو شکست دے کر، نادر شاہ کے لقب سے عنانِ حکومت سنبھالی۔ بہت جلد ملک میں امن و امان قائم کیا مگر نومبر ۱۹۳۳ء میں ایک افغان نوجوان نے انھیں شہید کر دیا ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ظاہر شاہ تخت نشین ہوا۔ (۱۶)

تمہید میں اقبال نے نادر شاہ کی سیرت بیان کی ہے۔اس کے بعد اپنی دعوت کا تذکرہ کیا ہے اور آخر میں روانگی کا ذکر کیا ہے۔ دوسری فصل اقوامِ سرحد سے خطاب ہے۔اس ضمن میں دینِ اسلام کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور افغانوں کو قرآن و حدیث کے مطالعہ کی دعوت دی گئی ہے، جس کی بدولت غیر اللہ سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔اس فصل میں اقبال نے مسلمانانِ سرحد کو پیغام دیا ہے کہ اگر دنیا میں عزت کی زندگی مطلوب ہے تو اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل کرو۔تیسری فصل میں نادر شاہ سے اپنی ملاقات کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔ پہلے ساتھ اشعار میں اقبال نے کابل اور ساکنانِ کابل کا ذکر کیا ہے۔انداز بیان شاعرانہ ہے اس لیے ہر شعر میں مبالغہ کا رنگ جھلکتا ہے۔چوتھی فصل میں شہنشاہ بابر کے مزار پر حاضری کی جانب اشارہ کیا ہے۔قیام کابل کے دوران اقبال کو بابر کے مزار حاضری کا موقع ملا وہاں جا کر جو جذبات اُن پر طاری ہوئے ان کو غزل کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔پانچویں اور چھٹی فصل میں حکیم سنائی کے مزار پر حاضری اور فقر کا تذکرہ ہے۔حکیم سنائی کی روح بہشت بریں سے جواب دیتی ہے کہ ''فقر کی بدولت میں رازدانِ خیر وشر ہوگیا، مجھے زندگی اور نظر بھی حاصل ہوگئی۔اگر مسلمان ان صفات کے حامل ہونا چاہتے ہیں، تو وہ بھی اپنے اندر شانِ فقر پیدا کریں''۔ساتویں فصل میں سلطان محمود غزنوی کے مزار پر حاضری کے بارے میں تحریر کیا ہے۔سلطان موصوف کے مختصر سوانح حیات اور فتوحات کا ذکر بھی اس باب میں کیا گیا ہے۔آٹھویں فصل میں ''مردشوریدہ'' کے پردے میں مسلمانوں کی حالتِ زار پر ماتم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں پھر عشقِ رسول کا جذبہ پیدا کردے۔نویں فصل میں قندہار کے سفر کی جانب اشارہ ہے۔حضور پاک کے خرقہ مبارک کی زیارت کے بارے میں بیان کیا ہے۔دسویں فصل میں شاہ ابدالی کے مزار کی زیارت کے بارے میں لکھا گیا ہے۔احمد شاہ ابدالی نے افغان کو ایرانی حکومت کی غلامی سے نجات دلا کر ایک مستقل قوم بنایا اس لیے اقبال نے اسے موسسِ ملتِ افغانیہ قرار دیا ہے۔آخری فصل میں ظاہر شاہ سے خطاب کیا ہے اور اسے رموزِ سلطانی سے آگاہ کیا ہے۔مصطفیٰ کمال اور امان اللہ کی طرح اقبال کو ظاہر شاہ سے بھی بہت سی توقعات تھیں۔

vii. ارمغان حجاز (فارسی)

''ارمغانِ حجاز'' علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مرتب کی جو ان کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ حصہ اول فارسی کلام پر مشتمل ہے۔حصہ دوم میں کے سوائے تین اشعار کے ایک فارسی قطعہ کے باقی اردو منظومات درج ہیں۔پہلا حصہ پانچ موضوعات:۔حضورِ حق، حضورِ رسالت، حضورِ ملت، حضورت عالم انسانی، اور بہ یاران طریق پر مشتمل ہے۔نمبرا اور نمبر۲ رباعیات کی صورت میں مسلسل مضامین ہیں۔خدا ور رسول ﷺ کے حضور احوال والتجائیں معروضات کی شکل میں نمایاں ہیں۔نمبر۳ ور نمبر۴، ملت اسلامیہ اور عالم انسانی کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ان میں متعدد ضمنی عنوانات بھی ہیں۔جو بحق دل بند وراہ مصطفیٰ رو، خودی، انا الحق، صوفی وملا، رومی، پیام فاروقؓ، شعرائے عرب، فرزند صحرا، تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد، خلافت وملوکت، ترکِ عثمانی، دخترانِ ملت، عصرِ حاضر، تعلیم، تلاش رزق، نہنگ بابچۂ خویش، خاتمہ، حضورِ ملت پر مشتمل ہیں۔''حضور عالم انسان میں'' تمہید، دل، خودی، جبر واختیار، موت، بکو ابلیس را، ابلیس خاکی وابلیس ناری، پھر نمبر۵ بعنوان ''بہ یاران طریق'' مسلسل خطاب ہے۔

ایک اعلیٰ پایہ کا مفکر وشاعر جہاں پیرانہ سالی میں علم وفکر کی وسعتوں اور تجربات ومشاہدات کی کثرت کی وجہ سے اپنی پختگی فکر اور پرواز تخیل میں منتہا پر پہنچ جاتا ہے وہاں قوت حافظہ اور دیگر قوائے ذہنی انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں اکثر شعراء آخری عمر میں لمبی نظم لکھنا چھوڑ دیتے ہیں اور رباعیات وقطعات پر اکتفا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔علامہ اقبال کے آخری دور کے کلام یعنی پیام مشرق اور ارمغان حجاز میں بھی یہی کیفیت نمایاں ہے۔

ارمغان حجاز کے اول حصہ کی ہر رباعی یا ہر قطعہ گویا چار مصرعوں کی ایک اکائی ہے جو تسلسلِ فکر اور ارتقاءِ معنی کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے۔ اقبال کے معانی کا تحمل دو مصرعوں کا شعر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کو چار مصرعے درکار تھے اور جب ان چار مصرعوں میں خصوص معنی سما گئے تو زائد اور ربط کے اشعار کی ضرورت ہی نہ رہی۔ دیار و روضۂ حبیب کی زیارت کا شوق برسوں سے روحِ اقبال کو جذب کئے ہوئے تھا۔ عشقِ رسول آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اس عمر میں فلسفۂ وخرد سب عشقِ رسولؐ کے تابع ہو چکے تھے۔ آپ رسول اللہ صلعم کی خاکِ پا کو سرمۂ چشمِ بصیرت اور اکسیر و کیمیا سمجھتے تھےان کا دل گداز اور ضمیر بیدار تھا۔ وہ ایک بڑے فلسفی ہوتے ہوئے بھی سیرتِ رسولؐ کو خرد کی کسوٹی پر جانچنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

اقبال کی شاعری کا خلاصہ، جوہر اور لبِ لباب عشقِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ ہے۔ ذاتِ رسالت مآبؐ کے ساتھ انھیں جو والہانہ عقیدت تھی، اس کا اظہار ان کی چشمِ نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ حجازِ مقدس کی مقدس سرزمین پر خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ ان کے لیے خاکِ مدینہ ونجف، سرمۂ چشم ہے۔ وہ ہندوستان سے اڑ کر غبارِ راہِ حجاز بننے کے متمنی تھے۔

کلامِ اقبال جگہ جگہ اس آرزو کی جھلک دکھاتا ہے، خاص طور پر ارمغانِ حجاز اس کیفیت کا موثر و دلکش عکس پیش کرتی ہے۔ علامہ کی آرزو تھی کہ خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ لیکن دیدار کی یہ دیرینہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔ تاہم وہ یہ درس ضرور دیتے ہیں اور یہی درس اس تخلیق کا منبع اور نچوڑ ہے۔

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است(۱۷)

زائرِ مدینہ ہونے ناتے اقبال کو رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر معروضات پیش کرنی تھیں۔ ملتِ مرحوم کی نمائندگی کرنی تھی اور مدینہ جانے سے پہلے مکہ یعنی خدا کے گھر بھی جانا تھا۔ دونوں گھروں سے تحفے بھی قوم و ملت کے لیے لانے تھے۔ اسی پس منظر میں نے یہ صورت اختیار کی کہ پہلے حضورِ حق گزارشات پیش ہوں اور اس کے بعد حضورِ رسالت اور پھر حضورِ ملت۔

بعض اقبال شناس یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اقبال وحدت الشہود کی منزل سے گزر کر پھر واپس وحدت الوجود والے مقام پر آ گئے تھے لیکن پیامِ مشرق، زبورِ عجم، گلشن راز جدید، اور ارمغانِ حجاز میں بظاہر وجودی تصورات کے اشارے موجود ہیں جو سب محض سطحی مشابہتیں ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال فرماتے ہیں۔

''حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے وحدت وجود کو رد کرنے کے بعد نہ تو وحدت الشہود کے مسلک کو اپنایا اور نہ وحدت الوجود کے مسلک کی طرف واپس لوٹے۔ وحدت وجود میں تو قطرہ سمندر میں گر کر فنا ہو جاتا ہے اور وحدت شہود میں خدا تک رسائی کا امکان ہی نہیں۔ مگر اقبال کے ہاں خودیٔ مطلق اور خودیٔ مقید میں من وتو کا امتیاز استغراقی کیفیت کے باوجود قائم رہتا ہے، جیسے آفتاب کی ضیا میں موم بتی کی روشنی یا سمندر کے پانی میں موتی، گو اس سے سطحی مشابہت رکھتی ہے۔''(۱۸)

فہرست مضامین

حضور حق

حضور رسالتؐ

حضور ملت

۱۔ بمصطفیٰؐ دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو
۲۔ خودی
۳۔ انا الحق
۴۔ صوفی و ملا
۵۔ رومی
۶۔ پیام فاروق
۷۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد
۸۔ خلافت و ملوکیت
۹۔ ترک عثمانی
۱۰۔ دختران ملت
۱۱۔ برہمن
۱۲۔ تعلیم
۱۳۔ تلاشِ رزق
۱۴۔ نہنگ با بچۂ خویش
۱۵۔ خاتمہ

حضور عالمِ انسانی

۱۶۔ تمہید
۱۷۔ دل
۱۸۔ خودی
۱۹۔ جبر و اختیار
۲۰۔ موت
۲۱۔ بگو ابلیس را
۲۲۔ ابلیس خاکی و ابلیس ناری

بہ یارانِ طریق

(ب) فارسی کلام اقبال کے ترکی تراجم

i. اسرار وے رموز
Esrar ve Rumuz

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان
اسرار ورموز

ڈاکٹر علی نہاد نے اس کا ترکی میں ترجمہ "Esrar ve Rumuz" کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۵۸ء میں استانبول سے شائع ہوا۔ یہ ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری مرتبہ یہ کتاب ۱۹۶۴ء میں '' ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' استانبول کی طرف سے احمد سعید مطبع سے چھپوائی گئی۔ اس کی طباعت کے اخراجات اقبال اکادمی پاکستان' کراچی نے ادا کیے۔ (۱۹) یہ ایڈیشن ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی اور دوسری اشاعت میں کتاب کا سائز تقریباً ایک جیسا ہے۔ ان دونوں اشاعتوں میں ضخامت کا فرق صرف کتاب کی تقطیع کی بنا پر ہے ورنہ ترجمہ شدہ کلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں تراجم '' اسرار ورموز'' کا مکمل ترجمہ ہیں۔ کتاب میں پیش لفظ' سوانح حیات اور اقبال کی معنوی شخصیت پر مشتمل تحریریں بھی وہی ہیں جو اشاعت اول میں شامل تھیں۔ پہلی اشاعت میں انتساب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان اور صدر اقبال اکادمی جناب سکندر مرزا کے نام ہے جبکہ دوسری اشاعت میں انتساب کی عبارت موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد نے کلام اقبال کے تراجم اور ان کے فکر وفن پر لکھے اپنے مضامین کے ذریعے ترکی میں اقبال شناسی کا اہم کام سرانجام دیا۔ کتاب کے پیش لفظ میں وہ اسے اپنا ایک اہم کارنامہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' پاکستان کے ملی اور عظیم شاعر محمد اقبال کو ترکی کے پڑھے لکھے لوگوں سے متعارف کرانا میری زندگی کے اہم ترین کارناموں میں سے ایک ہے''۔ (۲۰)

اس ترجمے کا دیباچہ دو صفحات کے پیش لفظ اور اقبال پر دو مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلے مضمون میں انھوں نے اقبال کے مختصر سوانحی حالات اور دوسرے میں اقبال کی بلند پایہ معنوی حیثیت وشخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ بقول پروفیسر تارلان ان کا یہ دیباچہ خواجہ عبدالحمید عرفانی کی کتاب '' رومی عصر'' سے ماخوذ ہے۔ (۲۱) جو تہران سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ غالباً سوانحی حالات کے ضمن میں تارلان نے اقبال کا سن پیدائش ۱۸۷۳ء اور دیگر معلومات خواجہ عبدالحمید عرفانی کی کتاب کے مقدمے سے لے کر درج کی ہیں۔ (۲۲)

اس دیباچے کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے انھوں نے اسے جن دیگر کتب کے تراجم میں بھی بلا تامل پیش کیا ہے ان میں ارمغان حجاز' پیام مشرق اور زبور عجم' مثنوی مسافر' پس چہ باید کرد اور بندگی نامہ شامل ہیں۔ یہ دیباچہ علی نہاد تارلان کے خیالات کا بہت حد تک غماض ہے۔ وہ اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :

'' پاکستان کے ملی شاعر محمد اقبال کو ترکی کے تعلیم یافتہ افراد سے متعارف کرانا میری زندگی کا اہم کارنامہ ہے اور پیام مشرق کے پہلے ترجمے نے اقبال کو ترکی کے اہل فکر طبقے میں دلچسپی کی حد تک متعارف کرایا''۔ (۲۳)

بقول پروفیسر علی نہاد تارلان کہ پیام مشرق سوچنے والے دماغوں کے لیے واقعی ایک نئی دنیا پیدا کر دینے والی تصنیف ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ہوسکتا ہے میرے تراجم میں کچھ اغلاط ہوں تاہم یہ ترکی کے مسلمانوں کو اقبال سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ پاک ترک مسلم برادری میں پہلے سے موجود روحانی تعلق کو مضبوط تر بنا دیں گے۔ (۲۴)

وہ سوانح اقبال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال بہت سادہ شخص تھے۔ میں نے ان کا گھر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو بہت ہی سادہ تھا۔ اقبال ایک سادہ سے کمرے میں رہتے تھے۔ ہر شخص بلا تکلف ان سے ملاقات کر سکتا تھا۔ ان کی اعلیٰ شخصیت' صفائی قلب اور انسان دوستی ملنے والوں کو بہت متاثر کرتی تھی۔ (۲۵) علاوہ ازیں انھوں نے فکر اقبال پر مبسوط خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کیا ہے :-

(i) سائنس اور مغربی علوم

(ii) عمرانیات

(iii) حب الوطنی

(iv) شاعری' ادب اور تصوف

(i) سائنس اور مغربی علوم:

علامہ اقبال مغربی علوم کی افادیت کا شعور رکھنے والے کسی مغربی مفکر سے پیچھے نہ تھے۔ ان کے نزدیک مادی اشیاء کا علم یعنی سائنس ہی انسانی کمال کا آئینہ دار نہیں بلکہ اس کے لیے روحانی بالیدگی بھی نہایت ضروری ہے۔ انھوں نے پیام مشرق میں اہل مغرب کے سائنس کا اسیر ہو کر روحانیت سے عاری ہو جانے پر کڑی تنقید کی ہے۔ اس کے باوجود وہ تہذیب نو کے مادی فوائد کا انکار نہیں کرتے۔

(ii) عمرانیات:

اقبال کی روحانی بالیدگی انھیں دین اسلام کے فلسفیانہ مسائل اور ایک عالم گیر معاشرے کی طرف راغب کرتی ہے۔ بہر حال وہ اس میدان میں تصوف کو فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے اس ضمن میں مغرب کی کمزوریوں کو اسلام کے روحانی علاج سے شفایاب ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

عمرانیات کی ترقی کے لیے اقبال نے تصوف اور فلسفے کی کافی چھان پھٹک کی ہے۔ اس محنت شاقہ اور قلب مصفا نے انھیں عصر حاضر کا مستند معالج' نباض اور روحانی دنیا کا مرشد بنا دیا ہے۔ وہ ملت اسلامیہ کو جوش عمل اور قوت دست و بازو عطا کرتے ہیں۔ ان کے کلام کا اصل سرچشمہ روحانیت ہے۔ علامہ اقبال کا پیش کردہ حقیقی اسلامی تصوف بنی نوع انسان کی ہمہ گیر فلاح کا آئینہ دار ہے۔

(iii) حب الوطنی:

اقبال اس دور میں پیدا ہوئے جب مسلمانان برصغیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے مغربی استعماریت کے خلاف نہ صرف فکری بلکہ عملی جدوجہد کی اور مسلمانان ہند کے لیے ایک علیحدہ وطن کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں اپنے وطن کی سرزمین سے بھی فطری پیار تھا۔ علامہ اقبال نے حب الوطنی اور آزادی پر زریں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے ادبیات میں ملت کے تصور کو ابھارا جس کا مقصد مسلمانوں کے اسلامی تشخص اور روحانی اقدار کی حفاظت تھا۔

(iv) شاعری، ادب اور تصوف:

پروفیسر نارلان کے مطابق اقبال دین اسلام کے مزاج سے کما حقہٗ آشنائی حاصل کرتے کے لیے رومی سے گہرا تعلق استوار کیے ہوئے تھے۔ مولانا رومی نے اسلامی تصوف کے نقطۂ کمال کو بڑی دانشمندی سے پیش کیا تھا۔ لہذا اقبال کی بیتاب روح اور متجسس نگاہوں نے انھیں فوراً پہچان لیا۔ انھوں نے رومی کے بارے میں جامی کے اس مصرعہ ''نیست پیغمبر ولے دارد کتاب'' پر مہر تصدیق لگا دی اور رومی کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا۔

فکر رومی سے متاثر ہو کر اقبال نے اپنی شاعری میں مردِ مومن کا تصور پیش کیا۔ علامہ نے جہد مسلسل اور اسلامی فلاحی ریاست کا خیال بھی پیش کیا۔ ان کے نزدیک مسلمانانِ برصغیر دنیا بھر کے مسلمانوں کی قسمت پلٹنے کے لیے موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔(۲۶) ڈاکٹر علی نہاد نارلان علامہ اقبال کے صوفیانہ مزاج کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اقبال بہ یک نظر دو عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ دروازے پر کھڑے نہیں رہتے بلکہ پورے گھر کی معلومات فراہم کر دیتے ہیں۔ وہ سو سالہ راستے کو عشق کی ایک جست میں طے کر لیتے ہیں۔(۲۷)

اسی پیش لفظ میں آگے چل کر ڈاکٹر علی نہاد علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رومی کے سب سے بڑے (عصری) مرید اقبال ہیں کیونکہ رومی کو سمجھنے کے لیے جس عالمانہ دماغ، پرسوز اور گداز روح کی ضرورت ہے وہ اقبال میں موجود ہے۔(۲۸) وہ ''اسرار و رموز'' کو اقبال کی شاہکار تصنیف کہتے ہوئے اسے ترکی اور پاکستانی دونوں قوموں کے درمیان روابط میں مضبوطی کا باعث قرار دیتے ہیں۔(۲۹) پیش لفظ کے بعد ''اقبال کی سوانح'' اور ''اقبال کی معنوی شخصیت'' کے عنوان کے تحت اقبال پر ان کے دو طویل مضامین ہیں۔ ''اقبال کی سوانح'' کے فٹ نوٹ میں علی نہاد بتاتے ہیں کہ اقبال کی سوانح اور معنوی شخصیت پر مشتمل حصے پاکستانی اقبال شناس خواجہ عبدالحمید عرفانی کی تصنیف ''رومی عصر'' کے مقدمے کی تلخیص ہیں۔(۳۰) نارلان نے ''اسرار و رموز'' کا ترجمہ سلیس ترکی زبان میں کیا ہے۔ ان کا مقصد چونکہ اقبال کی فکر کو بعینہٖ ترکی زبان میں ڈھال کر ترکوں کو علامہ اقبال سے متعارف کروانا تھا لہذا انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے مطالب و مفہوم میں کسی قسم کی کمی بیشی کیے بغیر اصل متنِ اقبال کو خوبصورتی سے ترکی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر اقبال کے ایک فارسی بند کے آخری شعر کے ترکی ترجمے کو دیکھتے ہیں:

در جہاں روشن تر از خورشید شو
صاحب تابانی جاوید شو (۳۱)

اس شعر کا ترجمہ علی نہاد یوں سلیس ترکی زبان میں کرتے ہیں:

Alemde günesten daha parlak ol;

ebedi bir nura sahip ol. (32)

(علی نہاد کے ترکی ترجمے کا اردو مفہوم:

عالم میں سورج سے بڑھ کر روشن ہو کر صاحبِ نورِ دوام بن جا۔)

ترکی میں ''اسرار و رموز'' کے یوں تو کافی ترجمے ہوئے ہیں مگر مکمل کتاب کے ابھی تک تین تراجم ہی شائع ہوئے ہیں۔ پہلا ترجمہ ڈاکٹر علی نہاد کا ہے، جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے جبکہ دوسرا ترجمہ ڈاکٹر علی یوکسل (Dr. Ali Yuksel) نے بعنوان "Benlik ve Toplum" کیا جو ۱۹۹۰ء میں استانبول سے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ بھی سلیس ترکی زبان میں ہے۔ تیسرا ترجمہ منظوم ہے جو احمد متین شاہین نے کیا ہے۔ انھوں نے ''اسرار خودی'' کا ترجمہ "Benliğin Sirlari" اور ''رموز بے خودی'' کا ترجمہ "Benliğin işaretleri" کے عنوان سے الگ الگ کر کے برصہ (Bursa) سے ۱۹۹۸ء میں شائع کرایا ہے۔

''اسرار و رموز'' کا مرکز اقبال کے خودی و بے خودی کے فلسفیانہ خیالات ہیں۔ اسی بنا پر فکر اقبال کو تمام تر سیاق و سباق کے ساتھ بعینہٖ کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے نثری زبان بہتر واسطہ ہے یا منظوم۔ عام طور پر کسی ادبی شاہکار کا منظوم ترجمہ زیادہ مقبول ہوتا ہے مگر اقبال کے حوالے سے معاملہ کچھ مختلف ہے کیونکہ منظوم ترجمے میں بعض اوقات ردیف و قافیے کی پابندی فکر و خیال کی منتقلی میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ اگر عروضی بحور یا ان میں استعمال ہونے والے ارکین ہی کا خیال رکھا جائے تو بھی کسی ایک رُکن کی پابندی بھی مدعا و مفہوم کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منظوم ترجمے میں یہ پابندی فکرِ اقبال کی تہہ تک پہنچنے میں معاونت نہیں کرتی۔ اگر مترجم تجربہ کار ہو تو نثری ترجمہ کافی حد تک فکرِ اقبال کا عکاس ہو سکتا ہے۔ علی نہاد تارلان جو ایک شاعر بھی تھے انھوں نے ''اسرار و رموز'' کا ترکی میں ترجمہ سلیس زبان میں پیش کیا جس کے پیچھے اُن کا یہی مقصد کارفرما نظر آتا ہے کہ وہ لسانی موشگافیوں سے قطع نظر فکر اقبال کو ترکوں میں متعارف کروانا چاہتے تھے۔

اسرار خودی کی تمہید میں اقبال نے نظیری نیشاپوری کا جو شعر تحریر کیا ہے یہاں اُس کے دو ترجموں کا موازنہ کرتے ہیں۔ پہلا ترجمہ تارلان نے کیا ہے اور دوسرا احمد متین شاہین نے:

نیست در خشک و ترِ بیشۂ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ ''منبر'' نشود دار کنم (۳۳)

علی نہاد تارلان نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

Benim ormanmim yaşinda, kurusunda kusur yoktur.

Minber olmayan her agaç dalini daragaci yaparim.

Naziri Nişaburi (34)

(مندرجہ بالا ترجمے کا اُردو مفہوم:

میرے جنگل میں خشک یا تر ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ درخت کی ہر وہ شاخ جو منبر نہیں بن سکتی اسے میں دار (سولی) بنا لیتا ہوں۔)

اس شعر کا ترجمہ احمد متین نے یوں کیا ہے:

Hic kusursuz ormanim, olsun dilersen yaş kuru,

Minber olmaz dal görürsem, suçda sehba eylerim!

Naziri Nişeburi (35)

(اُردو مفہوم:

میرا جنگل بالکل بے عیب ہے، چاہے تر ہو چاہے خشک۔ اگر کوئی ڈالی ایسی دیکھوں جو منبر نہ بن سکے تو سزا کے طور پر اسے دار بنا دیتا ہوں۔)

احمد متین شاہین نے اپنے ترجمہ میں لکڑی کو سزا کے طور پر دار کا حصہ بنانے کا مفہوم دے کر دار کو کمتر اور حقیر چیز بنا دیا ہے جبکہ علی نہاد اصل فارسی شعر کے مفہوم کے زیادہ قریب ہیں۔

ڈاکٹر علی نہاد چونکہ اُردو سے نابلد تھے لہٰذا انھوں نے اس فارسی کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے اس میں اُردو میں لکھے اقبال کے حواشی کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ جہاں جہاں ضرورت محسوس کی اپنی طرف سے وضاحتی نوٹ درج کئے ہیں مثلاً ''حکایت نوجوانِ از مرو کہ پیش حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ آمدہ از ستم اعدا فریاد کرد'' (۳۶) کا ترکی ترجمہ کرنے کے بعد فٹ نوٹ میں حضرت سید علی ہجویری کے بارے میں وضاحتی نوٹ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ غزنی میں پیدا ہوئے اور لاہور میں ۴۶۵ھ /۱۰۷۲ء میں وفات پائی ''کشف المحجوب'' تصوف پر ان کی اہم تصنیف ہے۔ (۳۷) اسی عنوان کے تحت آنے والے پہلے شعر میں اقبال نے (سید ہجویر مخدوم اُمم...... مرقدِ او پیر سنجر را حرم) ''پیر سنجر'' کا لفظ خواجہ معین الدین چشتی ؒ کے لیے استعمال کر کے فٹ نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی ہے جبکہ علی نہاد نے فٹ نوٹ میں صرف خواجہ معین الدین چشتی کا نام لکھنے کی بجائے اپنا وضاحتی نوٹ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حاجی معین الدین چشتی ہندوستان کے اولیاء میں سے ہیں، راجپوتانہ کی ریاست اجمیر شہر میں ان کا مرقد زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ آپ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں شہرت رکھتے ہیں۔ (۳۸)

''اسرار و رموز'' میں جن اشعار میں قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ آیا ہے علی نہاد نے ترجمے کے حاشیے میں سورۃ اور آیت کا نمبر درج کرنے کے ساتھ ساتھ آیت و حدیث کا ترکی ترجمہ بھی مختصراً درج کر دیا ہے مثلاً ''در شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰؓ '' کے باب کے تحت درج شعر (ذاتِ او دروازۂ شہر علوم... زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم) کا ترجمہ دے کر اس کے پہلے مصرعے میں حدیث مبارکہ کی طرف تلمیح کو واضح کرنے کے لیے حواشی میں لکھا ہے کہ ''میں (یعنی رسولِ کریم ﷺ) علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''۔ (۳۹) اسی طرح اقبال کے اشعار میں موجود دیگر تلمیحات کی وضاحت جلی حروف یا بریکٹ میں کی گئی ہے اور وضاحت طلب حواشی کو فٹ نوٹ کی صورت میں درج کیا ہے جس سے قاری کے لیے اصل متن میں موجود افکارِ اقبال اور اس کے سیاق و سباق کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ii. اسلامی بن لیغین اِچ یوزو

islâmi Benliğinin iç-yüzü

مترجم: ڈاکٹر علی یوکسل

اسرارِ خودی

علامہ محمد اقبال

ڈاکٹر علی یوکسل نے علامہ اقبال کی ''اسرار خودی'' کا یہ ترکی زبان کا ترجمہ ۱۹۸۶ء میں ''فطرت یاین لری'' استنبول سے شائع کرایا۔ کتاب میں آغاز میں ''تقدیم'' کے عنوان کے تحت مترجم نے اپنے زمانے کے اسلامی عارف اور شاعر علامہ اقبال کے لیے مشاہیر کی آراء پیش کی ہے۔

۱۔ اقبال، اسلامی فکر اور حیات اسلامی کو غیر ضروری عناصر سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ (پروفیسر قطب شہید)

۲۔ علامہ نے مغربی فکر پر آغاز ہی سے تنقید کی ان کی شاعری نے اسلام کی جو خدمات کی ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔

(ابوالاعلیٰ مودودی)

۳۔ اقبال ایک عظیم اسلامی مفکر اور فلسفی ہیں۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد قطب)

۴۔ محمد اقبال اسلامی ثقافت سے انسانیت کے عناصر تلاش کرنے والے ایک مفکر ہیں۔ اقبال اسلامی ملت کے عظیم سپوت، فلسفی، سیاست دان، مجاہد، اسلام پسند شاعر اور مشرق و مغرب کی ثقافت کو سمجھنے والے انسان تھے۔ (ڈاکٹر علی شریعتی)

۵۔ محمد اقبال کو یقین ہے کہ عالمِ اسلام غفلت کی نیند سے بیدار ہوگا اور جلد اپنی نئی زندگی کا آغاز کرے گا۔

(ابوالحسن الندوی)

۶۔ اقبال کی عربی دانی زبردست ہے۔ ان کے علم و عرفان اور شاعرانہ قدرت کا میری صلاحیتوں اور شاعرانہ قدرت سے قیاس نہیں کیا جاسکتا وہ بے حد ارفع ہیں۔ (محمت عاکف ارصوئی)

۷۔ آپ کے ہاتھ میں موجود کتاب عظیم شخصیت کی عظیم تخلیق ہے۔ (فطرت)

اس کے بعد مترجم نے ''اقبال وے اثرا وزرینے'' (اقبال اور ان کی کتاب کے بارے میں) میں گیارہ صفحات میں کئی اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا۔

وہ اس کے آغاز میں بیسوی صدی کے اسلامی دنیا کے ابتدائی حالات بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ جو تین براعظموں پر پھیلی ایک عظیم سلطنت تھی وہ اندرونی اور بیرونی سازشی عناصر کے ہاتھوں کمزور ہو چکی ہے۔ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ایک ہوگئی ہیں۔ آزادی کے نام پر اسلامی خطوں کو بندر بانٹ کرنے والی یہ اقوام بظاہر مہذب مگر حقیقت میں وحشی ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں میں قومیت کو ہوا دی ہے، جس سے مسلمان اقوام ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہوگئیں ہیں۔ اس طرح آپس میں لڑائیوں نے مسلمان اقوام کی قوت کو کمزور اور ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان حالات میں کچھ مسلمان مغرب پسندی کی بناء پر مغرب کی ہر چیز کو دوسروں پر فوقیت دینے لگے یہاں تک کہ ان کی حاکمیت کو دل سے قبول کرنے لگے۔ یوں یہ غفلت ان کو غلامی کے طوق سے بچا نہ سکی۔ پھر ہمالیہ کے پہاڑوں سے ایک شخص محمد اقبال اٹھا۔ اس نے ہندوستان سے پورے عالم اسلام کو پکارا۔ اس کی یہ پکار ہمالیہ سے پوری اسلامی اُمہ نے سنی'' یہاں علی نہاد تارلان کے ترکی ترجے'' زبور عجم'' سے چند اشعار درج کئے گئے ہیں جن میں اقبال مسلمانوں کو ایک ملت سے ضم ہوتے گم ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔ (۴۰)

اس کے بعد مترجم نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا کے عظیم انسانوں میں سے ایک اہم شخصیت علامہ اقبال (۹ نومبر ۱۸۷۷ء وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) کی ہے جنہوں نے اسلامی دنیا میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ وہ ایک ہی وقت میں عارف، شاعر اور فلسفی ہیں۔ انھوں نے شاعری کے ذریعے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد وہ اقبال کے بارے میں چند بنیادی معلومات دینے کے بعد فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ہم صرف اس کتاب کے حوالے سے ان کی فکر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ان کی سوانح اور شخصیت کے لیے تول سعدی کی کتاب ''دوغونن او یانش'' ۱۹۸۵ء کا مطالعہ کریں۔ (۴۱) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''تحریک بیداری اور جدو جہد آزادی کے دوران اقبال سے کئی فکری مغالطے لاحق ہوئے ان میں سے کئی قرآنی آیات کی تاویل سے متعلق تھے جنھیں سید قطب نے رفع کیا۔ اس پر مترجم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ خدا نے جلد اقبال کو سیدھا راستہ دکھادیا۔'' مترجم نے حاشیے میں سید قطب کی کتاب ''اسلام دشمنے سیندے صنعت'' مترجم: عاقل نوری' استنبول ۱۹۷۹ء صفحہ نمبر ۳۸۳ درج کیا ہے۔ (۴۲)

اگلے صفحے پر مترجم لکھتے ہیں کہ ''اسرارِ خودی'' دراصل مولانا جلال الدین رومی سے انھیں الہام کی صورت میں ملی ہے۔ علامہ نے ''اسرارِ خودی''، مولانا روم کی ''مثنوی ومعنوی'' کے انداز میں قلمبند کی ہے۔ پھر مترجم خلافت تحریک اور آزادیٔ ہند کے لیے مسلم اکابرین، اقبال، علی برادران، ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی کی جدوجہد کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح ہے کہ ابوالکلام آزاد آزادیٔ ہند کے خلاف تھے۔ اقبال نے جہاں اپنے سیاسی فکر وعمل میں ہندوستانیت سے اسلامیت کی جانب پیش قدمی کی وہاں مولانا آزاد نے اسلامیت سے ہندوستانیت کی جانب مراجعت کا راستہ اختیار کیا۔ اس کے بعد انھوں نے خودی کے حوالے سے چند اشعار درج کئے ہیں۔ پھر وہ خودی کے عناصر ترکیبی اور خودی کو کمزور کرنے والے عوامل کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ ترکیہ کے فکری مسائل کا حل اقبال کے ہاں ڈھونڈتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ قرآن کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں عربی زبان میں قرآن پڑھنے، پڑھانے اور سمجھنے کی طرف لوٹنا ہو گا۔ اس سے ہم اسلام کی اصل روح تک رسائی حاصل کر پائیں گے۔

ان کے نزدیک خودی اللہ کے سوا کسی کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور خودی کی حفاظت کے لیے جہاد سے مسلمان کا قلب منور ہوتا ہے۔ جبکہ جہاد کی اصل غایت ''کلمۃ اللہ'' کے تحت زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا ہے۔ یہاں وہ اسرارِ خودی سے چند اشعار ترکی میں درج کرنے کے بعد اقبال کی ''اسرارِ خودی'' کے دوسرے حصے ''رموزِ بے خودی، کا تعارف اور اہمیت بیان کرتے ہوئے ان دونوں کتابوں کا تعلق مسلمانوں کے ہاں اسلامی خودی اور اتحادِ اسلامی سے جوڑتے ہیں۔

آخر میں انھوں نے حاشیے میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی طرف سے ''اسرار و رموز'' کے ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۴ء میں ترجمہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے کئے گئے تراجم دوبار شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں آخر اُن کے ترجمے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ تاہم مترجم نے اس بات کا کوئی مناسب جواب نہیں دیا۔ صرف حاشیے میں اتنا لکھنے پر اکتفاء کیا ہے کہ'' وہ ''اسرارِ خودی'' کا از سرِ نو ترکی ترجمہ کرنا مناسب خیال کرتے ہیں اور اس کتاب کا ترجمہ ''کلیاتِ اقبال (فارسی)'' سے کر رہے ہیں۔'' (۴۳)

''تقدم'' یعنی پیش لفظ کے بعد اقبال اور ان کی تصنیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد اقبال کی کتاب ''اسرارخودی'' کے ترجمے کا آغاز مولانا روی کے تین فارسی اشعار کے ترجمے سے ہوتا ہے۔ ان اشعار کا بیانیہ انداز میں نثر میں مفہوم دیا گیا۔ اس کے بعد'' اسرار خودی'' کے تمہید کے اشعار'' گریش'' کے عنوان سے دیتے ہوئے پہلے''نظیری نیشاپوری'' کے شعر کا ترکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مترجم نے اقبال کے'' تمہید'' کے تمام اشعار کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ازاں بعد مترجم نے اقبال کی ''اسرارخودی'' کے عنوان ''در بیان اینکہ اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیات و تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد'' کا مختصر عنوان "Kainat Dūzeninin Asli Benliktir" (کائنات کا استحکام خودی سے ہے) دیا ہے۔ اسی طرح پوری ''اسرارخودی'' میں اقبال کے دیے گئے طویل فارسی عنوانات کو مختصر کر کے آسان ترکی زبان میں درج کیا گیا ہے۔ کتاب کے ترجمے میں کہیں کہیں قافیہ کا التزام نظر آتا ہے۔ اقبال کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ دیکھتے ہیں۔

چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست

می کشاید قلزمے از جوئے زیست (۴۴)

Eğer benlik hayat güçlerini

bir araya getirip birleştirirse;

hayat irmağini okyanuslara çevirir. (45)

(اردو مفہوم:

جب خودی زندگی کی قوت وطاقت حاصل کر لیتی ہے تو وہ زندگی کی ندی سے ایک بے کراں سمندر جاری کر دیتی ہے۔)

مترجم نے ''اسرارخودی'' میں اقبال کی طرف سے دیے تقریباً تمام حواشی ترکی زبان میں درج کئے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں اسلامی تعلیمات یا کسی بات کی وضاحت ضروری سمجھی تو اس کا ذکر بھی حاشیے میں کرتے گئے ہیں۔

کتاب میں مترجم نے اسرارخودی کا مکمل ترجمہ دیا ہے۔ ترجمے کے کچھ حصے نثر کے انداز میں ہیں اور کچھ حصے کا، جہاں انھیں اشعار میں گنجائش نظر آئی وہاں وہاں انھوں نے جگر کاوی کرتے ہوئے منظوم ترجمہ پیش کیا ہے۔ جس سے ترجمہ شدہ اشعار پڑھنے میں لطف آتا ہے۔

i. بنلک وے توپلم **Benlik ve Toplum**

مترجم: ڈاکٹر علی یوکسل

ڈاکٹر علی یوکسل نے اقبال کی پہلی مثنوی ''اسرارِ خودی'' کا مکمل ترکی ترجمہ "islami Benliğin ic-Yuzu" ۱۹۸۷ء میں ''فطرت یاین لری'' استنبول سے شائع کروایا تھا۔ اس کتاب کے ۹۹ صفحات ہیں۔ بعد میں انھوں نے اقبال کی دوسری مثنوی ''رموزِ بے خودی'' کا ترجمہ پہلی کتاب کو ملا کرا سے ''آکسن یاین لری'' سے ۱۹۹۰ء میں ''بنلک وے توپلم'' (خودی و معاشرہ) کے عنوان سے شائع کیا۔ کیونکہ اقبال کی یہ دونوں مثنویاں بھی اکٹھی ایک جلد میں ''اسرار و رموز'' کے نام سے ''کلیاتِ اقبال۔ فارسی'' میں شامل کی گئی ہیں۔ راقم کے پاس جو نسخہ ہے وہ "Birleşik Yayincilik" استنبول کی طرف سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔

کتاب کے آغاز میں مترجم نے ''اسرارِ خودی'' کے پہلے ترجمے ''Islami Bnliğin iç-Yüzü'' میں شامل "Takdim" (تقدیم) اور اس کے بعد چند مشاہیر کی آراء اور اقبال کی تصانیف کا دس صفحات میں تفصیلی تعارف پیش کرنے کے بعد ''اسرارِ خودی'' کا عنوان دے کر ۹۱ صفحات میں اپنی گذشتہ کتاب کا ترجمہ دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے حصے میں ''رموزِ بے خودی'' عنوان دے کر اس کا ترجمہ صفحہ ۹۶ سے صفحہ ۲۰۸ پر دیا ہے۔ اقبال کے دیے حواشی و تلمیحات اور دیگر ضروری معلومات کو مترجم نے کتاب کے آخر پر ۱۴ صفحات میں اکٹھا کر دیا ہے۔

کتاب میں اقبال کی دونوں مثنویوں کا مکمل ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے کافی احتیاط برتی گئی ہے۔ ترجمے کی زبان رواں اور قابلِ فہم ہے۔ مترجم نے ''اسرارِ خودی'' کے ترجمے کی طرح ''رموزِ بے خودی'' کے ترجمے میں بھی شعری آہنگ برقرار رکھا ہے۔

i. شارق تان خبر
Sarktan Haber

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان
پیامِ مشرق

ڈاکٹر علی نہاد نے پیام مشرق کا ترکی ترجمہ "Sarktan Haber" کے عنوان سے کیا ہے جو ۱۹۵۶ء میں کیا۔ یہ ترجمہ ایش بنک کی معاونت سے انقرہ سے شائع ہوا۔ ترجمے کے آغاز میں علی نہاد نے ۸ صفحات کا پیش لفظ پھر اقبال کے پیش لفظ کا اردو سے ترکی ترجمہ اور اس کے بعد ۱۴۳ صفحات پر مشتمل اصل کتاب کا ترجمہ دیا ہے۔ کتاب کے کل ۱۵۹ صفحات ہیں۔ یہی ترجمہ دوسری بار ۱۹۶۳ء میں استانبول سے ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس میں علی نہاد نے اپنا گزشتہ اشاعت والا پیش لفظ ۷ صفحات میں اور اقبال کے پیش لفظ کا ترجمہ آٹھ صفحات میں دیا ہے جبکہ شعری متن کا ترجمہ ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ایڈیشن کی ضخامت ۱۳۹ صفحات ہے۔ ان دونوں اشاعتوں میں کتاب کا سائز تقریباً "۶.۵x"۵.۴ ہے اور صفحات کی ضخامت کا فرق کتاب کی کمپوزنگ (اشاعت اول میں "۵x"۳ جبکہ دوم "۵x"۳.۵) کے سائز کی بنا پر واقع ہوا ہے۔ یہی ترجمہ ''زبور عجم'' کے انتخاب کے ساتھ شامل کر کے تیسری بار ۱۹۷۱ء میں بعنوان "Ikbal'den Siirler–Sarktan Haber ve Zebur-u Acem" شائع کیا گیا۔ اس کتاب کا سائز "۶.۵x" ۵ ہے۔ ان تینوں اشاعتوں میں ترجمہ شدہ کلام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی جبکہ پہلی دونوں اشاعتوں میں درج پیش لفظ ازسرِ نو لکھ کر تیسری اشاعت میں شامل کیا گیا ہے اور اقبال کے اُردو پیش لفظ کا ترجمہ اس میں شامل نہیں ہے۔

علی نہاد نے "Sarktan Haber" کی ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں اقبال کی ''پیامِ مشرق'' کے پہلے ایڈیشن ۱۹۲۳ء کے عکس کی نقل دی ہے اس میں پیام مشرق جلی حروف میں لکھنے کے بعد ''وللہ المشرق'' کی عبارت درج کی ہے مگر اس میں وللہ کا ''و'' محذوف ہے۔ پھر اقبال کے اُردو پیش لفظ کا رواں ترکی زبان میں مکمل ترجمہ دیا ہے جس میں فارسی اشعار اور قرآنی عبارات جوں کی توں درج ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ علی نہاد اردو نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف یوسف صالح کراجا (Yusuf Salih Karaca) کے ''بال جبریل'' کے ترکی ترجمے "Cebrail'in Kanadi" کی تقریظ میں کیا ہے۔ (۴۶) چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اردو زبان نہ جاننے کے باوجود انھوں نے یہ ترجمہ کیسے کیا؟ اس سلسلے میں کتاب میں کوئی حوالہ درج نہیں ہے۔ غالباً یہ ترجمہ انھوں نے کسی ترکی جاننے والے پاکستانی یا اردو دان ترک سے کروایا ہوگا۔ ڈاکٹر محمد صابر (علی نہاد تارلان کے شاگرد) نے موصوف کے حوالے سے راقم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ علی نہاد اُردو نہیں جانتے تھے اور ان کے لیے اردو سے ترکی میں تراجم انھوں (ڈاکٹر محمد صابر) نے اور ڈاکٹر محمد یعقوب مغل نے کیے تھے۔ (۴۷) ممکن ہے یہ ترجمہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے کیا ہو۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ ''پیامِ مشرق'' کے اُردو دیباچے کا ترکی زبان میں ترجمہ علی نہاد کا اپنا کیا ہوا نہیں ہے۔ اس رائے کو تقویت اس امر سے بھی پہنچتی ہے کہ اقبال نے ''پیامِ مشرق'' میں جگہ جگہ اُردو میں حواشی لکھے تھے جبکہ علی نہاد نے مذکورہ ترجمہ میں اقبال کے کسی اُردو حاشیے کا ترجمہ نہیں دیا بلکہ موقع محل کے مطابق اپنی طرف سے وضاحتی نوٹ درج کیے ہیں۔

''پیامِ مشرق'' کے ترجمے کے دیباچہ میں علامہ اقبال کے سوانح حیات اور فکر وفن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علی نہاد تارلان نے اقبال کو نظریہ پاکستان کا بانی کہا ہے۔ ازاں بعد وہ فکرِ اقبال اور ان کے فن پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک انسانی کمالات کا جذبہ محرک عشق ہے۔ وہ اپنے قاری کو یگانہ مغرب کا پرستار بننے سے روکتے ہیں اور اسے مجاہدانہ زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ جہاں برصغیر میں وہ ایک آزاد اسلامی ریاست کا نظریہ پیش کرتے ہیں وہاں انھوں نے اپنی شہرہ آفاق نظم ''طلوع اسلام'' میں ترکوں کو بھی فتح کی نوید سنائی ہے۔ (۴۸)

اقبال کی شاعری کے حوالے سے پروفیسر تارلان کہتے ہیں کہ ان کی گہری فکر ایک مضبوط ارادے کی آئینہ دار ہے اور شاعری بھی پیغمبری کی طرح انسان سازی کرتی ہے۔ بقول اقبال:

شعر را مقصود اگر آدم گری است

شاعری ہم وارثِ پیغمبری است(۴۹)

وہ لکھتے ہیں کہ اقبال خود کو شاعر کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ گل و بلبل اور زلف و رخسار کی روایتی شاعری کے قائل تھے۔ ان کے پھول کی پتیوں جیسے نرم و نازک اشعار ہیرے کا جگر چیر سکتے ہیں۔ ان کے اشعار کے پردے میں زندگی کے سربستہ راز پوشیدہ ہیں۔ اگر ان کو انسانوں پر ایک لازوال دنیا کا دروازہ کھولنے والا شاعر کہا جائے تو وہ اس بات پر شرمندگی محسوس نہیں کریں گے۔(۵۰)

ڈاکٹر علی نہاد تارلان اقبال کا موازنہ دیگر استاد شعراء سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال ہند میں پیدا ہونے والے ایک عظیم فارسی شاعر ہیں۔ وہ عرفی (Urfi)' صائب (Saib)' شوکت (Şevket) اور کلیم (Kelim) جیسے شاعر نہیں بلکہ فکر کے اعتبار سے ترک شعراء کے زیادہ قریب ہیں۔ البتہ موضوع کے اعتبار سے وہ بیدل سے مماثلت رکھتے ہیں۔(۵۱) آگے چل کر وہ اقبال کی تمام فارسی تصانیف کا مختصر تعارف کراتے ہیں اور پیام مشرق کو ان کی دیگر کتب پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آتش عشق سے لبریز یہ کتاب اقبال کے باطن سے پھوٹنے والا شاہکار ہے۔ دیباچے کے آخر میں وہ علامہ اقبال کی عظمت کا اعتراف کرنے کے بعد بارگاہ خداوندی سے ان کے لیے رحمت و بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اس دیباچے میں ربط و تسلسل کا فقدان پایا جاتا ہے۔ غالباً اسی لئے اسے پیام مشرق کے بعد کے ایڈیشن میں شامل نہیں کیا گیا۔

پیامِ مشرق کا آغاز اقبال نے ''پیش کش'' سے کیا ہے جو اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان کے نام ہے۔ ڈاکٹر تارلان نے اس کا ترجمہ "ithaf" کے عنوان سے کیا ہے۔ اس میں ۱۸۱ اشعار کا ترجمہ انھوں نے ۸۷ اشعار میں کیا ہے اور آخری ۱۹ میں سے ۱۳ اشعار کو اکٹھا کر کے اس کا رواں نثری ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد حصہ ''لالہ طور'' کی رباعیات کا "Tûr Lalesi (Rubailer)" اور حصہ ''افکار'' کا "Fikirler" کے نام کے تحت سلیس نثری ترجمہ دیا ہے۔ ماسوائے نظم ''جمہوریت'' کے جس کا ترجمہ شامل نہیں ہے۔ ''مے باقی'' کا عنوان "Şarab-i Baki" کیا گیا ہے۔ یاد رہے ترکی میں فارسی لفظ مے کی بجائے شراب استعمال ہوتا ہے۔ ''مے باقی'' کے حصے کی غزلوں کا نثری ترجمہ ہر شعر پر نمبر درج کر کے کیا گیا ہے۔

''پیامِ مشرق'' کے حصہ چہارم یعنی ''نقش فرنگ'' کا ترجمہ "Garpli Ruh" کے نام کے تحت کیا ہے۔ اس میں ''موسیو لینن و قیصر ولیم'' کا ترجمہ شامل نہیں ہے۔ آخری حصہ ''خردہ'' کا ترکی ترجمہ "Sündan Bündan" بہت ہی مناسب ہے۔ اس حصہ میں اقبال کے متفرق اشعار و قطعات کا ترجمہ مصرعوں کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ ہر شعر کے ترجمے پر سیریل نمبر درج کیا ہے اور اشعار کو الگ کرنے کے لیے درمیان میں ستارے کا نشان بنایا ہے۔

علی نہاد نے اقبال کی ۱۶۳ رباعیات کا ترکی زبان میں مقفع نثر میں ترجمہ کیا ہے اور ان کے نزدیک چونکہ اداء مطلب اولیت کا حامل تھا اس لیے وہ ترجمہ کرتے ہوئے لفظ کے معانی اور استعمال کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے (۵۲) مثلاً ''پیام مشرق'' کی رباعی نمبر ۳ کا ترکی ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ اصل رباعی یوں ہے:۔

بباغاں باد فرودیں دہد عشق
براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاع مہر او قلزم شگاف است
بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق (۵۳)

تارلان نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

Aşk, bahçelere bahar rüzgâri hediye eder. Aşk, dağ eteklerine yildiz gibi koncalar serper. Aşk güneşinin ısiği, denizleri deler geçer de baliğa yolunu bulduran bir göz ihsan eder. (54)

اب اس ترجمے کا اُردو مفہوم دیکھتے ہیں:

عشق باغوں کو بہار روزگار کا تحفہ دیتا ہے۔ عشق پہاڑوں کے دامن میں ستاروں کی طرح غنچوں کا چھڑکاؤ کرتا ہے۔
عشق کے سورج کی روشنی سمندروں کو چیرتی ہوئی گزرتی ہے تو مچھلی کو راستہ تلاش کرنے والی آنکھ عطا کرتی ہے۔

علی نہاد کے ترکی ترجمے کا موازنہ ایک اور ترک مترجم بصری گوجل (Basri Gogal) کے اسی رباعی کے ترکی ترجمے سے کرتے ہیں۔ بصری گوجل نے اس رباعی کا یوں ترجمہ کیا ہے:

Aşk, bahçelere bahar yeli bağişlar.. Ve dağ yamaçlarini ülker (yildizi) gibi goncalarla bezer. Onun güneşinin isiği—denizi yarmakla—baliğa yol göesterici göz kazandirir. (55)

اُردو مفہوم:

عشق باغوں کو باد بہاری عطا کرتا ہے---اور پہاڑوں کے دامنوں پر ستاروں کی طرح غنچے جڑتا ہے۔ اس کے سورج کی روشنی سمندر کو چیر کر مچھلیوں کو راستہ دکھانے والی آنکھ بخشتی ہے۔

بصری گوجل نے رباعی کا لفظی ترجمہ کیا ہے جبکہ علی نہاد کا ترجمہ مفہوم کے حوالے سے اصل رباعی کے زیادہ قریب ہے۔

تارلان کے ''پیام مشرق'' کے ترکی ترجمے کی اشاعتِ اول (۱۹۵۶ء) کے بعد بصری گوجل، علی گنجیلی (Ali Genceli) اور ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان (Dr. Abdülkadir Karahan) کے تراجم سامنے آئے۔ تاہم ان میں سے علی نہاد تارلان کے علاوہ کسی نے ''پیام مشرق'' کا مکمل ترجمہ نہیں کیا۔

ڈاکٹر علی نہاد نے ''پیام مشرق'' کا ترجمہ مجموعی طور پر رواں ترکی نثر میں کیا ہے مگر بعض جگہوں پر مقفع نثر کے استعمال سے ترجمہ دلچسپ اور پُر اثر بنا دیا ہے۔ مزید برآں انھوں نے اس ترجمے میں اقبال کی فارسی و عربی اصطلاحات کو آسان ترکی زبان میں منتقل کرتے ہوئے جہاں ضرورت تھی وہاں ان کی مزید وضاحت بریکٹ میں بھی کر دی ہے جس سے قاری کی فکرِ اقبال تک رسائی آسان ہو گئی ہے۔ البتہ ترکی زبان میں وقتاً فوقتاً ہونے والی تبدیلیوں یعنی عربی فارسی الفاظ کے انخلاء کی بنا پر فارسی سے نابلد ترک قارئین کے لیے کتاب سے استفادہ قدرے مشکل ہے۔

ii. پاکستان ملی شاعر اقبالن حکمت لی شعرلری Pakistan Milli Ṣairi ikbalin Hikmetli Şiirleri

مترجم: بصری گوجل

بصری گوجل کا دوسرا کتابچہ ''اقبالن حکمت لی شعرلری'' (اقبال کا حکیمانہ کلام) برصہ سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ اس پر پبلشرز کا نام درج نہیں۔ غالباً یہ کتابچہ بھی "Ozvar Matbaasi" (عوزوار مطبع سی)، برصہ سے شائع ہوا ہوگا۔ اس کتابچے کے ''لالۂ طور'' رباعیات کے ترجمے کی طرح ۱۶ صفحات ہیں۔ اس کتابچہ میں بھی اقبال کی کتاب ''پیام مشرق'' کے کچھ منتخب حصے ترجمہ کر کے شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں اقبال کا سوچنے کے انداز کا سکیچ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد چند سطروں کا پیش لفظ ہے جن میں وہ لکھتے ہیں کہ ''اس کتاب میں شامل اشعار اقبال کی ''پیامِ مشرق'' سے لئے گئے ہیں امید ہے اس سے قارئین مستفید ہوں گے۔'' اس کے بعد کتاب میں ترجمے کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں ''پیامِ مشرق'' کے حصہ ''افکار'' سے مندرجہ ذیل منظومات کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے:

''الملک للہ''، ''زندگی''، ''عشق''، ''کرمکِ شب و تاب''، ''حقیقت''، ''محاورہ مابین خدا و انسان''، ''اگر خواہی حیات اندر خطرزی''، ''کرمِ کتابی''، ''افکار انجم''، ''پند باز بچہ خویش'' اور ''نقش فرنگ'' کے تحت، ''آزادیٔ بحر''۔

''محاورہ مابین خدا و انسان'' کا ترکی ترجمہ پر مترجم نے "Yaradan ile insan arasinda kònüşma"(۵۶)

(ڈائی لوگ کے نیچے ''یارادان ایلے انسان آراسندا کونشمہ'') یعنی ''یار اور انسان کے درمیان گفتگو'' مترجم نے ''خدا'' کے لفظ کا ترجمہ ''یار'' فارسی کے لفظ سے کیا ہے۔ مترجم نے اقبال کی اس نظم کے پہلے فارسی شعر کا ترکی میں ترجمہ یوں دیا ہے۔

جہاں را یک آب و گِل آفریدم
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی(۵۷)

Tanri

Ben, cihani ayni su ve topraktan yarattim. Sen ise Acem, Tatar, Zenci gibi isimlerle insanlari cesitlendirdin.(58)

(اردو مفہوم:

میں نے دنیا کو ایک ہی مٹی اور پانی سے بنایا۔ تو نے عجمی، تاتار اور حبشی جیسے ناموں کے انسان بنالئے۔)

مذکورہ ترکی ترجمہ اقبال کی کتاب کے فارسی متن کے قریب ہے اور یہ اس شعر کا نثر میں ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں نظموں کے تراجم بصری گوجل کی پہلی کتاب ''طور لالۂ سی'' کی طرح ہی فارسی متن سے کئے گئے ہیں۔ مگر ان دونوں تراجم میں فارسی الفاظ تراکیب استعمال کی ہیں۔ ایسا لگتا ہے مترجم نے اصل فارسی متن کے مفہوم کو اہمیت دیتے ہوئے اشعار کے فارسی الفاظ کو استعمال کر کے ترکی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اشعار کا ترجمہ قدرے پیچیدہ ہو گیا ہے۔

iii. ڈاکٹر محمد اقبال — Dr. Muhammad ikbal

طورلالےسی (رباعیات) — Tûr Lalesi (Rubailer)

مترجم: بصری گوجل

بصری گوجل نے اقبال کی ''پیامِ مشرق'' کے حصہ ''لالۂ طور'' کی ۱۶۳ میں سے ۱۴۱ منتخب رباعیات کا ترکی میں ترجمہ کر کے ''عوزوار مطبع سی'' استنبول سے ۱۹۷۰ء میں شائع کروایا۔ اس کتابچہ کے ۱۶ صفحات ہیں۔ سرورق پر مترجم نے ترک شاعر باقی کا ایک شعر درج کیا ہے۔

Söz guherdir, nebilir

Kadrini nadan guherin?!

(اردو مفہوم:

لفظ گوہر ہے، نادان گوہر کی قدر نہیں جانتا۔)

اگلے صفحہ پر علامہ اقبال کے چند کوائف ''والد کا نام شیخ نور محمد، تاریخ پیدائش: ۱۸۷۷ء، کیمبرج سے تعلیم اور اس کے بعد میونخ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ پھر اقبال کی تاریخ وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء درج کی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک اقتباس میں اقبال کی تصانیف کا مختصر اتعارف کراتے ہوئے ان کا نام اور زبان بتائی گئی ہے۔ اگلے صفحہ پر مترجم نے ایک نوٹ دیا ہے کہ ''مذکور رباعیات اقبال کی فارسی کتاب ''پیامِ مشرق'' کے حصہ ''لالۂ طور'' سے ترکی زبان میں ترجمہ کی جا رہی ہیں۔'' اس کے بعد مترجم نے درج ذیل رباعیات کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔ رباعی نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۰، ۴۳، ۵۳، ۵۵، ۱۰۸، ۶۶، ۶۲، ۶۷، ۶۸، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۱ اور ۱۴۶ شامل ہیں۔

مذکورہ رباعیات کا ترجمہ فارسی زدہ ترکی زبان میں دیا گیا ہے۔ مترجم نے اپنی کتاب میں اقبال کی رباعی نمبر ۲ کا ترجمہ سب سے پہلے دیا ہے۔ اقبال کی رباعی اور ترجمہ درج ذیل ہے۔

دلِ من روشن از سوزِ درون است

چشمِ من از اشکِ خون است

ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد

کسے کو عشق را گوید جنون است(۵۹)

بصری صاحب کا ترکی ترجمہ:

Gönlümün olusu, içimin yanişindan dir

Gözümün Cihani görmekligi, doktaluğu göz yaşi sayesindedir.

Her kim "Aşk" a "Çilginlik" derse dilerim ki, dirilik

remzine asiri kertede yabanci Kalsin! (60)

(ترکی ترجمے کا اردو مفہوم:

میرا دل اندرونی آنچ سے جل کر عشق ہوا؛ اپنے آنسوؤں کے باعث دنیا کو دیکھ سکتا ہوں جو ''عشق'' کو ''جنون'' کہے تو میری خواہش ہے کہ وہ زندگی کے گہرے رازوں سے نا آشنا رہے)

جبکہ فارسی رباعی کا ترجمہ یوں ہے۔

''میرا دل سوز دروں کی آنچ سے روشن ہے میری آنکھ خون کے آنسوؤں کے باعث دنیا کے اسرار دیکھنے والی ہے۔زندگی کے بھید سے اور بھی بے خبر ہے وہ (شخص) جو عشق کو پاگل پن کہتا ہے۔''

مذکورہ ترکی ترجمے میں مترجم نے ''عشق کے خون'' کا ترجمہ شامل نہیں کیا بلکہ "Göz yaşi" یعنی آنسوؤں سے ہی اس کا مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے۔دوسرے یہاں "derse" اور "remz" جیسے فارسی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اب بصری گوجل کی کتاب کی آخری رباعی (۴۱) جو اقبال کی رباعی نمبر ۱۴۶ ہے' کا ترکی ترجمہ کا فارسی متن سے موازنہ کرتے ہیں۔

خیالم کو گُل از فردوس چیند
چو مضمونِ غریبے آفریند
دلم در سینہ می لرزد چو برگے
کہ بروے قطرۂ شبنم نشیند(۶۱)

(Hayalim, Cennet Bahçesin'den mazmunlar devşirdiğinde,

gönlüm, bağrimda, üzerine şebnem düşen bir yaprak gibi titrer.) (62)

(ترکی ترجمے کا مفہوم:

میرا خیال جنت کے باغ سے مضامین باندھنے پر یوں پکارتا ہے جیسے شبنم گرتی پنکھڑی لرزتی ہے۔)

فارسی متن کا ترجمہ:

''میرا تخیل جو جنت سے پھول چنتا ہے جب کوئی انوکھی بات پیدا کرتا ہے۔میرا دل سینے میں پنکھڑی کی طرح لرزنے لگتا ہے جس پر اوس پڑی ہو۔''

مذکورہ بالا رباعی میں مترجم نے فارسی رباعی کے خیال کو ترکی الفاظ کا لبادہ پہناتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے۔اس ترجمے میں انھوں نے رباعی کے الفاظ ''خیال، جنت، باغ، شبنم'' جیسے عربی اور فارسی الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ان دو مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بصری گوجل نے ''لالۂ طور'' کی رباعیات کا ترجمہ فارسی متن سے کیا ہے۔یہ تراجم فارسی اور عربی الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے قدرے پیچیدہ ہو گئے ہیں جنھیں سمجھنا قدرے آسان نہیں۔مترجم نے کتاب میں کچھ رباعیات کا منظوم اور کچھ کا صرف مفہوم درج کیا گیا ہے۔

iv. اقبال دین شعرلر۔ شارق تان خبر و ے زبور عجم   پیامِ مشرق وزبورِ عجم

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان ikbal'den Şiirler – Şarktan Haber ve Zebur-u Acem

ڈاکٹر علی نہاد نے ''پیامِ مشرق اور زبور عجم'' دونوں کے ترکی ترجے کو اکٹھا کر کے ۱۹۷۱ء میں ترکیہ ایش بنک کے تعاون سے استنبول سے شائع کروایا۔ ترکی میں اس کا عنوان "Ikbal'den Şiirler – Şarktan Haber ve Zebur-u Acem" تھا۔ تارلان نے اس مجموعہ میں ''پیامِ مشرق'' کے اسی ترجے کو کسی کمی بیشی کے بغیر شامل اشاعت کیا ہے۔ جس کی دو اشاعتیں ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۳ء میں سامنے آ چکی تھیں۔ جہاں تک ''زبورِ عجم'' کا تعلق ہے۔ اگر چہ وہ اس کی منتخب غزلوں کا ترجمہ کر کے ۱۹۶۴ء میں انقرہ سے شائع کرا چکے تھے مگر انھوں نے اقبال کی اس کتاب کے حصہ اول اور دوم کی تمام غزلوں کا از سرِ نو ترجمہ کر کے اسے مذکورہ مجموعے میں شامل کیا۔

کتاب کے پہلے صفحے پر اتاترک کی رنگین تصویر اور ایش بنک کے متعلق ان کا فرمان شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل کی پشت پر اقبال کا کیری کچر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۸۷ صفحات پر مشتمل ہے جس کے ابتدائی بیس صفحات میں پیش لفظ کے علاوہ سوانح اقبال اور اقبال کی شخصیت پر تارلان کے مضامین شامل ہیں جو اس سے پیشتر ''پیامِ مشرق'' ''ارمغان حجاز'' اور ''اسرار و رموز'' کے تراجم میں شائع ہو چکے تھے لیکن ''پیامِ مشرق'' کے ترکی ترجے کی اشاعت اول میں علامہ اقبال کے اُردو دیباچے کا جو ترجمہ کتاب میں شامل تھا وہ اس تصنیف میں موجود نہیں ہے۔ کتاب کا سائز "۸x"۵.۵ ہے۔ ''پیامِ مشرق'' کا ترجمہ ۱۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ترجے کا جائزہ پہلے لیا جا چکا ہے۔ چنانچہ کتاب کے دوسرے حصے کا جائزہ پیش ہے جس میں ''زبورِ عجم'' کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد نے ''زبورِ عجم'' کا پہلا ترجمہ ۱۹۶۴ء میں شائع کیا تھا جو منتخب غزلوں پر مبنی ہے۔ اس میں ترجمے کی ترتیب اصل متن کی ترتیب کے مطابق نہیں تھی۔ انھوں نے اس ترجمے میں اصلاح اور اضافہ کر کے شائع کروانے کی بجائے ''زبورِ عجم'' کے سرورق کے پشت پر درج اشعار ''بخوانندۂ کتاب زبور'' سے لیکر حصہ اول و دوم کی تمام غزلوں کا دوبارہ ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً گزشتہ ترجمے میں نظم ''دعا'' کا ترجمہ بغیر عنوان دیا گیا تھا (۶۳) جبکہ اس کا دوبارہ شعری ترجمہ ''دعا'' (Dua) کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ گزشتہ ترجمے سے فکر اور اسلوب کے لحاظ سے ایک جیسا ہی ہے۔ یہ حقیقت اسی نظم کے مصرع اول کے دونوں ترجمے دیکھ کر ہی سامنے آ جاتی ہے :

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ

در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ (۶۴)

علی نہاد نے پہلی مرتبہ اس شعر کا ترجمہ یوں کیا تھا:

Yarabbi sineme sen şöyle bir gönül ver ki... her şeyi

duyabilsin, her şeyi görebilisin.

Öyle bir nazar ver ki; şarabin içind'deki neş'eyi sezebilsin. (65)

(اُردو مفہوم:

یا میرے رب! میرے سینے میں ایک ایسا دل عطا کر جو ہر شے کو محسوس کر سکے، ہر شے کو دیکھ سکے۔

ایسی نظر عطا کر جو شراب کے اندر کے نشے کا بھی احساس کر سکے۔)

ترجمہ ثانی:

DUA

Ya Rabbi, göğşume sen uyanik bir gönül ver

Bir nazar ver ki derin,

Şarabin içindeki

Neş'eyi sezebilsin (66)

(اُردو مفہوم: یا میرے رب! میرے سینے میں ایک جاگتا دل عطا کر
ایسی گہری نظر عطا کر جو شراب کے اندر کے نشے کا بھی احساس کر سکے۔)

اس کے ترجمۂ اول میں ڈاکٹر تارلان نے سینہ کے لیے لفظ "Sine" استعمال کیا ہے جو فارسی لفظ ہے جبکہ ترجمہ ثانی میں انھوں نے وقت کے تقاضے کے مطابق اس کی جگہ جدید ترکی لفظ "Göğüş" استعمال کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے پہلے ترجمہ میں "زبورِ عجم" کے حصہ دوم کی نظم نمبر۱۹ (ترجیع بند) کا ترجمہ کر کے اسے "Uyan" کا عنوان دیا تھا اور نظم کے مصرع "از نالۂ مرغِ چمن، از بانگِ اذاں خیز" میں "از بانگِ اذاں خیز" کا ترجمہ نہیں دیا تھا۔ اسی نظم میں تیسرے بند کا ترجمہ دوسرے بند سے پیشتر درج کیا تھا نیز پانچویں بند کا ترجمہ بھی موجود نہیں تھا۔ (۶۷) ڈاکٹر تارلان نے دوسرے ترجمہ میں مذکورہ بالا خامیاں دور کرتے ہوئے نظم کو اس کے اصل فارسی متن کے مطابق ترتیب میں رکھ کر ترجیع بند کی ہیئت ہی میں از سرِ نو ترجمہ کیا ہے۔ (۶۸)

تارلان اچھے فارسی دان تھے لہٰذا انھوں نے علامہ اقبال کے فارسی کلام میں موجود فکر و فلسفہ میں غوطہ زن ہو کر ان کے فکری موتیوں کو خوبصورت لڑی میں پرو دیا ہے۔ چونکہ وہ خود بھی شعر کہتے تھے لہٰذا اس ترجمے میں ان کی شاعرانہ صلاحیت کا بھرپور اظہار ہوا ہے۔ انھوں نے اس ترجمے میں ردیف و قافیے اور مصرعوں کو چھوٹا بڑا کر کے شعری تجربے کیے ہیں۔

i. ینی گلشن راز

مترجم: علی نہاد تارلان

Yeni Gülşen-i Raz

گلشن راز جدید

''گلشن راز جدید'' اقبال کی کتاب ''زبور عجم'' کی ایک مثنوی ہے جو حضرت سید محمود شبستری (متوفی ۷۲۰ھ) کی مثنوی ''گلشن راز'' کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ روایت کی جاتی ہے کہ ۷۱۷ھ میں ایک علم دوست بزرگ میر حسینی ابن حسن میر سادات حسینی نے خراسان سے ۱۷ سوالات علمائے تبریز کی خدمت میں روانہ کئے تھے۔ انھوں نے سید محمود شبستری سے بھی ان کے جواب لکھنے کی درخواست کی تھی چنانچہ شیخ نے بیک نشست ان کے جوابات لکھوا دیئے۔ مرور ایام سے آخری دو سوال اور ان کے جوابات تلف ہو گئے۔ مطبوعہ نسخوں میں عموماً پندرہ سوال ملتے ہیں۔ اقبال نے ان پندرہ سوالات میں سے صرف گیارہ کے جوابات شیخ شبستری کی پیروی میں نظریہ وحدۃ الوجود ہی کی روشنی میں لکھے ہیں۔ (۶۹)

ڈاکٹر علی نہاد نے ''زبور عجم'' کی اس مثنوی کا ترجمہ الگ سے "Yeni Gülşen-i Raz" کے عنوان کے تحت کیا اور اسے ۱۹۵۹ء میں کاروان مطبع کی طرف سے شائع کروایا تھا۔ اس کتاب کا سائز "۹.۵"x"۶.۵" ہے اور یہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ترجمے میں کوئی پیش لفظ یا مقدمہ شامل نہیں ہے بلکہ ترجمہ شدہ کتاب کے صفحہ اول پر گلشن راز کے تمہیدی اشعار کا ترکی زبان میں ترجمہ دے کر اس کے حاشیے میں وضاحت کر دی ہے کہ یہ کتاب علامہ اقبال نے مشہور ایرانی صوفی محمود شبستری کی تصنیف ''گلشن راز'' کو مد نظر رکھ کر لکھی ہے۔ (۷۰) علی نہاد نے اس کتاب کا انتساب اپنے دوست ذکی کرداوغلو (Zeki Kurdoğlu) کے نام کیا ہے اور ''گلشن راز جدید'' کے سرورق کی دوسری طرف درج ۱۲ اشعار کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا مکمل ترجمہ دیا گیا ہے۔ تارلان نے ترجمہ اس خوبصورت اور شاندار اسلوب میں کیا ہے جیسے کوئی معلوماتی کتاب لکھی جا رہی ہو۔ وہ ساری باتیں جو ہر سوال کے جواب میں کئی کئی اشعار میں بیان ہوئی ہیں انھیں رواں ترکی نثر میں دو سے چار اقتباسات کی صورت میں ڈھال دی ہیں البتہ کہیں کہیں شعر کا منظوم ترجمہ درج کر کے کتاب کو مزید دلچسپ اور اہم بنا دیا ہے۔ مثلاً سوال نمبر ۴ کے اختتام پر اقبال نے یہ فارسی شعر درج کیا ہے:

خودی اندر خودی گنجد محال است!

خودی را عین خود بودن کمال است! (۷۱)

اس کا ترجمہ علی نہاد نے شعر ہی میں کیا ہے:

Benliğin benliğe sığmasi muhaldir

Benliğin ta kendisi olmak kemaldir. (72)

اس ترجمے میں مترجم نے اپنی طرف سے ۶ جگہوں پر حواشی دیئے ہیں جن میں قرآنی آیات و احادیث کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی تلمیح کے علاوہ فرید الدین عطار اور نصیر الدین طوسی پر تعارفی نوٹ شامل ہیں۔

اس ترجمے کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ مترجم نے تصوف کی ادق فارسی اور اصطلاحات کی جگہ متبادل ترکی اصطلاحات استعمال کر کے ترجمے کو آسان اور عام فہم بنا دیا ہے جس سے آج کے ترک قاری کے لیے بھی کتاب کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ اگر اس کتاب کے سرورق پر "Ikbal-i Lahori" نہ لکھا ہوتا تو یہ ترجمہ کی بجائے علی نہاد تارلان کی طبع زاد تصنیف لگتی۔

ii. زبورِ عجم دان سچمے لری — زبورِ عجم (انتخاب)

مترجم: علی نہاد تارلان

''زبورِ عجم'' ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔اس کے حصہ اول میں ۵۶ اور حصہ دوم میں ۷۵ مختلف غزلیات وقطعات شامل ہیں۔ان کے علاوہ دو مثنویاں ''گلشن رازِ جدید'' اور'' بندگی نامہ'' بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر علی نہاد نے''زبورِ عجم'' کی مثنوی''گلشن رازِ جدید'' کا ترجمہ ۱۹۵۹ء میں اور مثنوی'' بندگی نامہ'' کو'' مسافر'' اور''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کے ساتھ اکٹھا کر کے ۱۹۷۱ء میں "Ikbal'in Üç Eseri" کے عنوان سے کیا اور اسے استانبول سے شائع کرایا تھا۔جبکہ انھوں نے زبورِ عجم کے حصہ اول ودوم کی غزلوں کے انتخاب پر مشتمل ترجمہ "Zebur-u Acemden Seçmeler" کے عنوان سے ۱۹۶۴ء میں استانبول سے شائع کرایا۔

اس کتاب کا سائز "۵.۷x"۵.۵ ہے اور یہ ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ۶ صفحات کا پیش لفظ بھی شامل ہے۔جس میں تارلان، اقبال کی سوانح، فلسفۂ فکر اور تصانیف پر روشنی ڈالتے ہیں۔اسی پیش لفظ کے آغاز پر وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کے بارے میں اہم کتابوں کے مصنف خواجہ عبدالحمید عرفانی نے عظیم مفکر اقبال کی تصنیف ''ضربِ کلیم'' کا اُردو زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور اس کے مقدے میں اقبال کے حالات زندگی کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ہم اس مقدے سے مستفید ہوتے ہوئے ہندوستان کی سیاسی صورت حال بیان کرتے ہیں۔(۷۳) تارلان کا یہ پیش لفظ غالباً اس مقدے کا خلاصہ ہے۔

کتاب میں ''زبورِ عجم'' کی ۲۵ منتخب غزلوں اور نظموں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ترجمہ شدہ کلام کی ترتیب اصل کتاب سے مختلف ہے۔غالباً علی نہاد نے ان کی ترتیب صوتی وشعری آہنگ کو مدنظر رکھ کر ترتیب کو بدل دیا ہے۔ترجمہ شدہ کلام کی ترتیب یوں ہے:

ترجمے میں ترتیب	اصل ترتیب	
نمبر شمار	غزل نمبر	حصہ
۱	۱۹ (ترجیع بند نظم)	دوم
۲	۴۷	"
۳	۲۹	اول
۴	۶	"
۵	۴۸	"
۶	۱۶	دوم
۷	۲۷	اول
۸	۳۲	دوم
۹	۳۶	"
۱۰	۵۶	"
۱۱	۳۱	اول

۱۲	۴۴	"
۱۳	۴۶	دوم
۱۴	۵۳	"
۱۵	۴۵	"
۱۶	۴۶(بقیہ تین اشعار)	"
۱۷	دُعا	اول
۱۸	۵۲	دوم
۱۹	۵۴	"
۲۰	۵	"
۲۱	۶۳	"
۲۲	۳۴	"
۲۳	۶۲	"
۲۴	۲	اول
۲۵	۱۳	"

اس ترجمے کے آغاز میں ''زبورِ عجم'' کے حصہ دوم کی ترجیع بند نظم نمبر ۱۹ کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کا ٹیپ کا مصرع ''از خوابِ گراں خیز!'' ہے۔ علی نہاد نے ترکی زبان میں اپنی طرف سے "Ikbal'in islam alemine hitabi" (اقبال کا عالم اسلام کو خطاب) اور "Uyan" (جاگ) کا عنوان دیکر آزاد نظم کی ہیئت میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس نظم کے پہلے بند کے مصرع ''از نالۂ مرغِ چمن از بانگِ اذاں خیز'' کے ترکی ترجمے میں ''از بانگِ اذاں خیز'' کا ترجمہ نہیں دیا گیا جبکہ ''دوسرے بند کا ترجمہ تیسرے بند کے بعد دیا گیا ہے۔ اسی طرح پانچویں بند کا ترکی ترجمہ سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔(۷۴) مزید برآں ''زبورِ عجم'' کے حصہ دوم کی غزل نمبر ۱۶ اور حصہ اول کی غزل نمبر ۲۷ (جو تین اشعار پر مشتمل ہے) کو اکٹھا کر کے ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔(۷۵) حصہ دوم کی غزل نمبر ۴۶ کے پہلے پانچ اشعار کا ترجمہ صفحہ ۲۹ پر اور بقیہ تین اشعار کا ترجمہ صفحہ ۳۳ پر دیا گیا ہے۔ ''زبورِ عجم'' کے حصہ اول میں شامل ''دُعا'' کا ترکی ترجمہ کرتے ہوئے اس کا عنوان درج نہیں کیا گیا۔(۷۶)

ڈاکٹر علی نہاد کے ترجمے سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

''زبورِ عجم'' کے حصہ دوم کی غزل نمبر ۶۴ کے آخری تین اشعار:

بہ پیچ و تابِ خرد گرچہ لذتِ دگر است
یقینِ سادہ دلاں بہ زنکتہ ہائے دقیق
کلام و فلسفہ از لوحِ دل فروشستم
ضمیرِ خویش کشادم بہ نشترِ تحقیق
ز آستانۂ سلطاں کنارہ می گیرم
نہ کافرم کہ پرستم خدائے بے توفیق(۷۷)

ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ترجمہ:

Aklın büklümlerinde ayrı lezzet varsa da

Saf yüreğin imam o ince nüktelerden

Ne Kadar üstündür.

ilm-i kelam, felsefe bunları ben gönlümden

silip süpürdüm artik.

Hakikate irişmek bir nişter olsa dahi ona

gönlümü açtim.

Sultanlar sarayina yanasmiyorum

Kâfir değilim ki ben

Aciz tanri önünde secdeye kapanayım.(78)

(اُردو مفہوم:

اگرچہ عقل کے پیچ وتاب کی اپنی ہی لذت ہے لیکن ایمان سادہ ولاں ان باریکیوں سے کس قدر بلند ہے۔آخر میں نے اپنے دل سے دھو دھا ڈالے ہیں۔علم کلام بھی' فلسفہ بھی حقیقت تک رسائی اگر ایک نشتر بھی ہو تو میں نے (اس کے آگے) اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔میں سلطانوں کے محلوں کے قریب بھی نہیں بھٹکتا۔کوئی کافر تو نہیں ہوں میں کہ عاجز خداؤں کو سجدہ کروں۔)

''زبورِ عجم'' کے حصہ دوم کی غزل نمبر ۵ کے پہلے دو اشعار یوں ہیں:

زمانہ قاصدِ طیّارِ آں دلآرام است

چہ قاصدے کہ وجودش تمام پیغام است!

گماں مبر کہ نصیب تو نیست جلوۂ دوست

درونِ سینہ ہنوز آرزوے تو خام است!(۷۹)

علی نہاد کا ترجمہ:

Zaman o sevgiliden bize haber getirir;

Uça uça getirir.

O, bir haberci değil, sanki bütün varliği,

Baştan başa haberdir.

Sanma ki o sevgili sana tecelli etmez.

Sakin deme bu bana ezelden nasip degil.

Sebebi şu: Gönlümde sevgili ihtirasi henuz hamdir, bunnu bil! (80)

اُردو مفہوم: زمانہ اس محبوب سے ہمارے لئے خبر لاتا ہے' اُڑتے اُڑتے

وہ قاصد نہیں اس کی پوری ہستی خود سر تا پا خبر ہے۔

گمان نہ کر کہ وہ محبوب تجھے تجلی نہیں دکھائے گا

حاشا یہ نہ کہنا کہ یہ ازل سے ہی میرے نصیب میں نہیں

دراصل اس کا سبب ہے، یہ کہ تیرے دل میں ابھی محبوب کی خواہش خام ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد نے ''زبورِ عجم'' کی منتخب غزلوں و نظموں کے دقیق اور فلسفیانہ خیالات کے شعری آہنگ کو مدنظر رکھ کر ان کا منظوم ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کی زبان خوبصورت اور انداز شاعرانہ ہے۔

i. محمد اقبال جاوید نامے
آنا میری شمل

Muhammed ikbal Cavidname
Prof. Dr. Annamarie Schimmel

انا میری شمل نے اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کا ترکی زبان میں ترجمہ "Cavidname" کے نام سے مکمل ترجمہ پیش کیا ہے جو ۱۹۵۸ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے اب تک اس کی کئی اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں۔ اس کتاب میں ۴۹ صفحات کا ''اون سوز'' یعنی پیش لفظ دیا ہے۔ یہ پیش لفظ کم اور ایک تفصیلی مقدمہ زیادہ ہے جس میں مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کی فکری اہمیت بیان کی گئی ہے۔ آنا میری شمل کئی زبانوں پر دسترس رکھتی تھیں لیکن ترکی ان کی مادری زبان نہیں ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے ''جاوید نامہ'' جیسی مشکل موضوعات پر مبنی فارسی کتب کا ترکی میں ترجمہ کیا۔

کتاب کا ''پیش لفظ'' ایک تفصیلی مقدمہ ہے۔ اس کے آغاز میں مصنفہ مشرق میں رونما ہونے والی اسلامی تحریکوں اور ان علماء کا ذکر کیا جنھوں نے برصغیر میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ پھر محمت عاکف کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اقبال کو اپنی کتاب صفحات "Safahat" روانہ کی اور یہاں حافظ عاصم کے خط سے وہ تحریر نقل کی ہے جس میں محمت عاکف نے اقبال کی شاعری کی تعریف کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اقبال کی تاریخ پیدائش کے مسئلے کو یہ کہہ کر حل کیا ہے کہ اقبال نے جو تاریخ اپنے پی۔ ایچ ڈی کے مقالے کے حوالے سے دی ہے اُسے قبول کر لینا چاہیے۔ یہاں انھوں نے تو قوسین میں تاریخ ۱۰ نومبر ۱۸۷۷ء دی ہے۔ اس کے بعد اقبال کی پیدائش سے لے کر یورپ روانگی اور یورپ سے واپسی کے مختصر حالات زندگی دے کر اس سفر کی بناء پر ان کے ہاں پیدا ہونے والے ذہنی ارتقا کو بیان کیا ہے۔ محترمہ نے اس ارتقاء کو اقبال کی شاعری سے مثالیں دے کر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد یہاں اقبال کے مختلف تصورات کا ذکر کرتے ہوئے اس ذہنی ارتقاء کی نشاندہی عطیہ بیگم کے نام ۷ جولائی ۱۹۱۱ء کو لکھے خط کے ذریعے کی ہے۔ اس کے بعد ان کی کتابوں ''اسرار خودی'' اور ''رموز خودی'' میں بیان فلسفۂ خودی پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ آگے چل کر وہ ''پیام مشرق'' کو جرمن شاعر گوئٹے کے دیوان کا جواب قرار دیتی ہے۔ ان کے نزدیک اقبال نے اس کتاب میں مغرب پر سخت تنقید کی ہے مگر گوئٹے کے بارے میں اچھے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے تصور عشق کو گوئٹے سے مستعار قرار دیا ہے اُن کے نزدیک اقبال نے اپنی کتاب ''پیامِ مشرق'' کے حصہ ''لالۂ طور'' کی رباعیات اور ''مئے باقی'' کی غزلوں میں کلاسیک شعراء کی فکر کو مہارت سے سمویا ہے۔

ان کے نزدیک اقبال نے اپنے تصورِ خودی اور تصورِ عشق کو مترنم شعری زبان میں دیا ہے اور ان تصورات کو اقبال نے نطشے، شوپن ہاور، برگساں، ٹالسٹائی، ہیگل کے خیالات سے اخذ کیا ہے۔ شمل کے نزدیک ''پیامِ مشرق'' میں شامل افکار دراصل ''جاوید نامہ'' کی بنیاد ہیں۔

مصنفہ نے ''جاوید نامہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ کتاب اقبال نے اپنے بیٹے کے نام سے منسوب کر کے اس میں اپنے تمام اہم افکار کا نچوڑ بیان کیا ہے۔ (۸۱)

اس کے بعد اقبال کی دیگر کتب کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتی ہیں کہ اقبال کئی اور کتابیں بھی لکھنا چاہتے تھے مثلاً وکالت کے پیشے کی بنا پر اقبال اسلامی قوانین میں دلچسپی لینے لگے تھے اس لئے وہ اسلامی قوانین کی تشکیل کے حوالے سے ایک تصنیف تیار کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اسلام کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے ایک کتاب بعنوان "Islam as I understand it" لکھنے کے خواہش مند تھے مگر یہ کتاب بھی نہ لکھ سکے۔ اس کے علاوہ وہ قرآن پر جو تمام فلسفوں اور نظریوں کی بنیادی کتاب ہے پر "Aid to the

"The book of an unknown شعری تصنیف study of Kuran" لکھنا چاہتے تھے۔ ان علمی کتب کے ساتھ ساتھ ایک شعری تصنیف "(forgotten) Prophet" بھی تصنیف کر تا تھی۔ مذکورہ معلومات انا میری شمل نے عبدالمجید سالک کی کتاب سے لے کر درج کی ہیں۔ کیونکہ انھوں نے یہاں قوسین میں ''سالک صفحہ ۲۱۲ دیکھیں'' کا حوالہ دیا ہے۔ (۸۲)

مصنفہ نے اپنے اس مقدمے میں اقبال کی تقریباً تمام شعری و نثری کتب میں درج ان کے مختلف تصورات کو زیر بحث لا کر اقبال کی فکر کے اہم نکات کی تشریح و توضیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنفہ نے چند باتوں میں اقبال سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ ''پیامِ مشرق'' میں اقبال کی طرف سے کی جانے والی تنقید کہ ''مغرب کے لوگوں کی زندگی عشق سے خالی ہے، درست نہیں ہے۔ دوسرے وہ مشرق میں پائی جانے والی مغرب کی تقلید پر اقبال کی تنقید کو مناسب خیال نہیں کرتیں''۔ خصوصاً ''جاوید نامہ'' میں ترکی کی جدت پسندی کی تحریک کے حوالے سے اقبال کی تنقید کو مبالغہ آمیز قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''اقبال کو ترکیہ کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ لہٰذا اقبال یہ نہیں جان سکے کہ اتاترک کے انقلابات محض ملک میں پائے جانے والے قدیم قوتوں (انتہا پسند) کے خلاف ایک جدوجہد تھی نہ کہ اندھا دھند مغرب کی تقلید پسندی''۔ عظیم شاعر کو اس اہم نکتہ میں فرق کرنا چاہیے تھا''۔ (۸۳)

اس کے بعد اقبال کے ہاں ''توحید'' کا تصور بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''توحید اللہ کی وحدانیت ہے۔ یہ انسانوں میں وحدت انسانیت کی شکل میں پائی جاسکتی ہے۔ جس سے دنیا میں انسانیت صلح سے رہ سکتی ہے۔ ہزار ہا نظروں سے ایک حدف کو دیکھنا ''توحید'' ہے۔ ''توحید'' اور ''عشق'' ایک نقطہ پر اکٹھے ہوتے ہیں یہ اکٹھا ہونا چاہتے ہیں اور اکٹھے ہی رہنا چاہتے ہیں۔ (۸۴) اس کے بعد انھوں نے ''نبوت'' اور شریعت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے ان کے نزدیک یہ سب ملت کے لیے لازم ہیں۔ مصنفہ نے اس سلسلے میں کئی نکات کی وضاحت کی ہے اور آخر پر وہ ملت کے لیے ایک مرکز کا ہونا لازمی امر قرار دیتی ہیں لہٰذا اُن کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کا مرکز ''مکہ معظمہ'' ہے۔ (۸۵)

اس کے بعد انھوں نے اقبال کے خطبہ الٰہ آباد پر روشنی ڈالتے ہوئے پاکستان کے تصور کے پیچھے کارفرما فکرِ اقبال کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مقدمہ کے آخر میں اقبال کے صوفیانہ خیالات زیر بحث آئے ہیں۔ یہاں وہ ''جاوید نامہ'' کی خصوصیات کو احاطہ کرتی ہیں۔ وہ صوفی شعراء کے ہاں سفر اور معراج کے مختلف تصورات کو واضح کرتے ہوئے ان کے کلام سے مثالیں درج کرتی ہیں۔ اس کے بعد وہ ''جاوید نامہ'' میں پیش کیے اقبال کے مختلف افلاک کی سیر کے احوال کا جائزہ لیتی ہیں۔ اس کے بعد اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کا ترکی زبان میں ترجمہ صفحہ ۵۷ سے ۴۴۱ تک دیا گیا ہے۔ یہ اقبال کی کتاب کا مکمل ترجمہ ہے۔

علامہ اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کا آغاز ''مناجات'' سے ہوتا ہے۔ جس کا ترکی ترجمہ انا میری شمل نے "Munacat" سے کیا ہے۔ اس کا پہلا شعر اقبال نے یہ لکھا ہے۔

آدمی اندر جہانِ ہفت رنگ
ہر زماں گرم فغاں مانندِ چنگ! (۸۶)

مترجم نے اس کا ترجمہ یوں دیا ہے۔

insan bu yedi renkli dünyda çenk gibi feryaddan Yanıyor.

Şair, burada Mesnevi'nin ilk Satirlarını telmih ediyor; orada firaktan şikayet eden neyin yerine çenk misalin kullaniyor. (87)

(اردو مفہوم:

انسان اس ہفت رنگ دنیا میں چنگ کی طرح فریاد میں جلتا ہے۔شاعر یہاں مثنوی کے پہلے مصرع میں تلمیحاً چنگ کی نے (بانسری) کو جدائی کی شکایت کرنے کو مصرعے میں مثال کے طور پر استعمال کیا ہے۔)

ترکی ترجمے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں مترجم نے ایک سطر میں فارسی شعر کا ترجمہ دیا ہے جبکہ بقیہ سطور میں اس ترجمے کی وضاحت کی گئی ہے۔اس باب میں انھوں نے علامہ کے ۱۵۷ اشعار کا ترجمہ اسی طرح وضاحت کے ساتھ دیا ہے۔

اس شعر کا ترکی میں زبان میں ترجمہ احمد متین شاہین نے اپنی کتاب "Muhammed ikbal Külliyat" میں یوں کیا ہے۔

Renkli dünyamizda gorsen insan,

Çenk olup feryada kaptirmiş cani (88)

(اردو مفہوم:

ہماری رنگین دنیا میں انسان کو دیکھو جو چنگ بن کر فریاد سے کانپتا ہے۔)

انا میری شمل کا ترجمہ نثر میں تھا جبکہ احمد شاہین کا ترجمہ منظوم ہے۔انا میری شمل اور احمد شاہین کا ترجمہ دونوں مفہوم کے قریب ہیں۔مگر انا میری شمل کا ترجمہ چوں کہ نثر میں ہے دوسرے انھوں نے اس کی مزید وضاحت کر دی ہے لہٰذا اُسے سمجھنا منظوم ترجمے کی نسبت قدرے آسان ہے۔

اقبال کی کتاب کے اگلے موضوع ''تمہید آسمانی۔نخستین روز آفرینش نکوہش می کند آسمان زمیں را'' کا ترجمہ شمل نے یوں دیا ہے۔

Gökte Önoyun, Yaradilişm ilk Gününde Gök, Yer Yuvarliğim Azarliyor. (89)

یعنی ''کائنات کی تخلیق کے پہلے دن آسمان کا زمین کو برا بھلا کہنا'' ہے۔اس کا پہلا شعر یوں ہے۔

زندگی از لذت غیب و حضور

بست نقش ایں جہان نزد و دور(۹۰)

اس باب کا ترکی عنوان دینے کے بعد مترجم نے ایک نوٹ دیا ہے جس کے مطابق یہ تمہید آسمانی گوئٹے کی کتاب ''فاوسٹ'' میں خدا اور شیطان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا عکس ہے۔یہ گفتگو گوئٹے نے عہد نامہ عتیق کے باب ''ایواب'' میں بیان کردہ ''خدا اور شیطان کے مابین مکالمے'' سے لی ہے۔وضاحتی نوٹ کے بعد اقبال کے شعر کا ایک لائن میں ترجمہ ''حیات نے تصویر بنائی ہے غائب و حضور لذتوں کی خاطر اس نزدیکی اور دوری کی تصویر بنائی ہے۔'' دے کر دو طویل اقتباس میں اس کی وضاحت درج کی ہے۔(۹۱)

''جاوید نامے'' کا ترکی ترجمہ کمال ہے۔اس کتاب میں ترجمے کی ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔یہ ترجمہ ۱۹۵۸ء میں کیا گیا مگر یہ آج تک ترکیہ میں مقبول ہے۔اقبال کی ''جاوید نامہ'' کتاب کا نہ صرف مکمل نثری ترجمہ ہے بلکہ ترجمہ کرتے ہوئے انا میری شمل نے اس کے حواشی اور اہم نکات کی وضاحت بڑی عمدگی سے کی ہے یعنی یہ ترجمہ کم اور تشریح زیادہ ہے۔وہ اس میں اقبال کے فلسفیانہ نکات کی وضاحت اس خوبی سے کرتی ہیں کہ اقبال سے متعلق پیدا ہونے والی ضمنی فلسفیانہ سوالات کی وضاحت بھی خود بخود ہو جاتی ہے۔ترکی زبان میں اسے اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کا ''دائرۂ معارف'' کہا جا سکتا ہے۔

Muhammed ikbal

Cavidname

ii. جاویدنامے

مترجم: خلیل طوق اُر

''جاوید نامہ'' کا پہلا ترجمہ مشہور مستشرق اُنا میری شمل نے ۱۹۵۸ء میں کیا تھا جو نثری ترجمہ تھا۔ اس کا دوسرا ترجمہ ترک شاعر احمد متین شاہین نے بھی "Cavidname" کے عنوان سے ۱۹۹۶ء میں ترکیہ کے شہر بُرصہ سے شائع کیا تھا۔ یہ ترجمہ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ اس کا تیسرا ترجمہ استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ترک پروفیسر خلیل طوق اُر نے ۲۰۰۲ء میں "Cavidname" کے عنوان سے ہی ''قانتوس یاین لری'' سے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی منظوم ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں مترجم کا ''پیش لفظ'' ہے۔ اس میں مترجم نے اقبال کے ''جاوید نامہ'' کو اقبال کی فکر کی معراج اور موضوعات کے حوالے سے ایک مشکل کتاب قرار دیتے ہوئے اس کتاب کے ترجمے میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے نام لیے بغیر لکھا ہے کہ پہلے سے ترجمہ شدہ کتاب کو دوبارہ اس طرح ترجمہ کرنا کہ وہ پہلے ترجمے سے منفرد ہو بہت مشکل کام ہے۔ (۹۲)
لہٰذا انھوں نے قدیم تراجم کی نسبت اپنے ترجمے میں کتاب کے مفاہیم کو آسان کر کے جدید ترکی زبان میں پیش کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ (۹۳)

اس کے بعد انھوں نے "Muhammad ikbal 1873-1936" عنوان کے تحت ان ہی خیالات کو دہرایا ہے جو اس سے پہلے وہ اپنی کتاب "Muhammed ikbal Şu Masmavi Gökyüzünü Kendi Yurdum Sanmiştim Ben" میں پیش کر چکے ہیں۔ اس کتاب میں اقبال کی تاریخ پیدائش پر بحث کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے کہ اقبال کے سے ہونے والی آخری تحقیق کے مطابق ۲۹ فروری ۱۸۷۳ ہے۔ (۹۴) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان نے جو تحقیقاتی کمیٹی بنائی تھی اس نے ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (بمطابق ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ) کو اقبال کی تاریخ پیدائش قرار دیا ہے۔ (۹۵)
انھوں نے ''جاوید نامہ'' کے ترکی ترجمے میں بھی یہی تاریخ درج کی ہے۔ اس کے بعد ''جاوید نامہ'' کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ ہے۔ ترجمہ کے آخر پر کتاب کے حواشی اور وضاحت طلب نکات کو کتاب کے آخر میں درج کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ احمد متین شاہین کے ''جاوید نامہ'' کے ترکی ترجمے کی نسبت قدرے آسان ہے کیونکہ اس میں عربی و فارسی کی مشکل تراکیب کم سے کم استعمال کی گئی ہیں۔ دوسرے منظوم ترجمہ کرتے ہوئے شاعر اصل مفہوم و مدعا کو بعض اوقات قافیہ و ردیف کی خاطر قربان کر دیتا ہے مگر اس ترجمے میں مفہوم و مدعا کو ہی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ ترجمہ وقیع ہے۔

i. یولجولک حاطرہ سی — Yolculuk Hatırasi

مترجم: علی گنجیلی — (Mesnevi Misafir)

اقبال کی فارسی ''مثنوی مسافر'' کا ترکی زبان میں ترجمہ ''پروفیسر علی گنجیلی'' نے "Yolculuk Hatirasi" کے عنوان سے ''ڈھاکہ'' (بنگلہ دیش) میں ۱۹۶۹ء میں کیا۔ یہ ترجمہ "Ulku" اُلکو مطبع سی، استنبول سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے ۴۴ صفحات ہیں۔ کتاب کے آغاز میں افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کی فوجی یونیفارم میں تصویر دی گئی ہے۔ اس تصویر کے دوسری طرف ایک اور تصویر موجود ہے۔ اس تصویر میں علامہ اقبال، مولانا سلیمان ندوی اور سر سید کے پوتے سر راس مسعود تینوں کو افغانستان کے شہر کابل میں کھڑے دکھایا گیا ہے۔ مترجم نے اس کتاب کا انتساب افغانستان کے بادشاہ محمد ظاہر شاہ کے نام کیا ہے۔

علی گنجیلی غالباً ڈھاکہ یونیورسٹی میں ترکی زبان و ادب کے استاد تھے۔ وہ فارسی زبان جانتے تھے۔ انھوں نے اقبال کی کئی نظمیں ترجمہ کر کے ترک اخبارات میں شائع کروائیں۔ انھوں نے اقبال کی نظمیں ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا منظوم ترجمہ کیا تھا جو ترکیہ میں بہت مقبول ہوا۔ اور کلامِ اقبال فارسی کے مختلف حصوں کے تراجم ''پاکستان پوستاسی'' میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

علی گنجیلی نے اقبال کی ''مثنوی مسافر'' کا ترجمہ منظوم ترکی زبان میں پیش کیا ہے۔ اس کے آغاز میں ''تقدیم نامے'' یعنی پیش لفظ دیا ہے جو تیرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ ''تقدیم'' بہت دلچسپ'' اور شعری آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس کے آغاز میں وہ کئی اشعار میں افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے بعد مترجم اقبال اور ان کی شعری عظمت بیان کرتے ہوئے انھیں عالم اسلام کا عظیم شاعر قرار دیتے ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ظاہر شاہ کی علامہ اقبال اور ان کے رفقاء کو افغانستان آمد، وہاں کی سیاحت اور ظاہر شاہ سے ان کی ملاقات کا احوال بیان کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس ''منقبت'' میں افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ (۹۶) آخر پر وہ اقبال اور ظاہر شاہ کی حضور اکرم ﷺ سے محبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''انھوں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کا راستہ اپنایا ہے اور میرا راستہ بھی ایک یہیں ہے۔''

Mustafâ yolu tutmakdır bu fakirin işi,

GENCELi nin yolu bu, yok başka bir gidişi. (97)

(اردو مفہوم:

گنجیلی فقیر نے مصطفیٰ ﷺ کا راستہ اپنایا ہے کیونکہ اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راہ (نجات) نہیں ہے۔)

''مثنوی مسافر'' کے ترجمے کے آغاز میں ''نادر شاہ'' لکھ کر اقبال کی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع ہونے والی نظم کا مترجم نے "Nadir Sah" (نادر شاہ) لکھ کر اس کا منظوم ترجمہ دیا ہے جس پر اشعار کے بند نمبر کی ترتیب بھی درج کی ہے۔ اس کے بعد پوری مثنوی کے عنوانات کے تحت منظوم ترجمہ دیا ہے۔

ترجمے میں اقبال کی نظم ''مناجات مردِ شوریدہ در ویرانہ غزنی'' کے اشعار کا ترکی زبان میں ترجمہ دے کر اس پر اگلی نظم کا عنوان "Kandahar Ve Hırkayi Mübarek'in Ziyareti" لکھا ہے۔ (۹۸) جبکہ اشعار ''مناجات۔۔۔۔غزنی'' کے ہی ہیں۔ جبکہ اگلی نظم کا عنوان مثنوی کی عبارت کے مطابق بھی یہی ہے۔ یعنی مترجم سے اقبال کی نظم کا عنوان ''مناجاتِ مردِ شوریدہ در ویرانہ غزنی'' سہواً لکھنے سے رہ گیا اور اس کی جگہ ترکی کا یہ عنوان "Kandahar Ve Hırkayi Mübarek'in Ziyareti" دو بار درج ہو گیا ہے۔ (۹۹)

مترجم نے مثنوی کے فارسی ابواب کے عنوانات اقبال کی مثنوی کی طرح عام فہم اور سادہ رکھے ہیں ۔ مثلاً پانچویں باب کا عنوان ''سفر بہ غزنی وزیارت مزار حکیم سنائی'' کا مترجم نے "Gazne'ye gidip Ve Hekim Senai'nin Turbesini Ziyaret." دیا ہے ۔(۱۰۰)

مترجم چونکہ فارسی دان تھے اس لیے انھوں نے اس میں شعری وزن کے التزام کے لیے فارسی اور عربی تراکیب کو استعمال کیا ہے ۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات — در ضمیرش دیدہ ام آب حیات

می دھد ما را پیام لا تخف — می رساند بر مقام لا تخف

قوت سلطان و میر از لا الٰہ — ہیبت مرد فقیر از لا الٰہ

تا دو تیغ لا و الا داشتیم — ماسوا اللہ را نشاں نگذاشتیم!

علی گنجیلی نے مذکورہ اشعار کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔

Kur'an'dan gel edin, ister isen sen sebât,

Kim, ben, onun içinde gördüydüm âb-i hayât

kur'an verdi bize, La Tuhaf peyğamini,

Hem de bize öğretti La tuhaf makamini.

Emirin, sultanin da kuvveti La İlah'dan,

Fakir kimsenin de, heybeti La İlah dan.

La Ve illa'nin kılıçlari bizde var iken,

Yok ettik Ma Siva'İlah nişanin yer yüzünden, (101)

(ترکی ترجمے کا اردو مفہوم:

اگر تو ثبات چاہتا ہے تو قرآن کی طرف آ

میں نے اس کے اندر آب حیات رکھا ہے ۔

قرآن ہمیں لاتخف (نہ ڈر) کا پیغام دیتا ہے

یہ ہمیں لاتخف کے مقام کا درس دیتا ہے

سلطان اور امیر کی قوت لا الٰہ سے ہے

میر درویش کی ہیبت بھی اسی لا الٰہ سے ہے

لا اور الٰہ کی کی تلواریں ہمیں عطا کیں

ہم نے غیر ماسواء کا نشان ہر جگہ سے مٹا دیا ۔)

درجہ بالا ترکی اشعار کا ترجمہ فارسی اشعار کے مفہوم کے قریب ہے ۔ مذکورہ کتاب کا ترجمہ بہت دلچسپ اور بلند آہنگ ہے ۔ اس میں ''اقبال کا انداز و آہنگ صاف جھلکتا ہے ۔ مترجم نے کتاب کے اختتام پر ۶ صفحات پر مشتمل عربی اور فارسی تلمیحات کی وضاحتی فہرست دے دی ہے جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے ۔

Allama Dr. Muhammad Ikbal'in Uc Eseri:

Yolcu – Ey Sark Kavimleri –Kolelik

ii. علامہ ڈاکٹر محمد اقبالن اچ اثرلری: یولجو۔اے شارق قویم لری۔کھولے لِک

(ڈاکٹر محمد اقبال کی تین مثنویاں: ''مسافر''۔''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' اور ''بندگی نامہ'')

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان

نادر شاہ نے افغانستان میں تعلیمی اور دینی اصلاحات کے لیے برصغیر کے جن ممتاز فضلاء اور ماہرینِ تعلیم کو اپنے ملک آنے کی دعوت دی تھی ان میں علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود شامل تھے۔ علامہ افغانستان پہنچے جہاں ۲۱ اکتوبر سے ۲ نومبر ۱۹۳۳ء تک ان کا رہا۔ مثنوی ''مسافر'' اسی قیام کی یادگار ہے۔ ''پس چہ باید کرد'' کی شانِ تصنیف یہ ہے کہ جس زمانے میں علامہ علاج کے لیے بھوپال تشریف لے گئے تھے، ان دنوں ایک رات سر سید احمد خان نے خواب میں انھیں اپنی بیماری کا ذکر حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرنے کی ہدایت کی۔ اس پر علامہ نے چند اشعار نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیے۔ اس کے بعد علامہ برصغیر اور بیرونی ممالک کے سیاسی اور اجتماعی حالات پر اپنے تاثرات کا اظہار بہ زبانِ اشعار کرتے رہے۔ بالآخر ان اشعار نے ایک مثنوی کی صورت اختیار کر لی جس کا نام ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' قرار پایا۔ مثنوی ''مسافر'' پہلے آرٹ پیپر پر الگ شائع ہوئی پھر یہ اور پس چہ باید کرد دونوں مثنویاں ۱۹۳۶ء میں ''مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر'' کے نام سے چھپیں (۱۰۲) جبکہ مثنوی ''بندگی نامہ'' زبورِ عجم کے آخر میں شامل ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد نے اقبال کی مندرجہ بالا تینوں مثنویوں کے ترکی تراجم کو اکٹھا کر کے ۱۹۷۶ء میں "Allama Dr. Muhammad Ikbal'in Üç Eseri: Yolcu – Ey Şark Kavimleri –Kölelik" کے عنوان سے استانبول سے شائع کرایا۔ اس کتاب کا انتساب بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے نام ہے اور اس میں ان کی ایک تصویر بھی شامل ہے۔ اس کے بعد علی نہاد نے ترکی زبان میں ایک ''حمد'' لکھی ہے جس میں انھوں نے باری تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے جس نے انھیں رومیِ عصر یعنی علامہ اقبال کی تمام فارسی کتب اور اردو کلام ''ضربِ کلیم'' (ماسوائے ''جاوید نامہ'') کے ترجمہ کرنے کا شرف بخشا۔ (۱۰۳) ''جاوید نامہ'' کا ترکی زبان میں ترجمہ پہلے این میری شمل ۱۹۵۸ء میں کر چکی تھیں، ورنہ شاید اس کا ترجمہ بھی علی نہاد تارلان ہی کرتے۔ تارلان نے تراجمِ کلامِ اقبال کے سلسلے میں جو کام کیا وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ (۱۰۴) ان کے نزدیک اقبال صرف ملتِ اسلامیہ ہی کے نہیں بلکہ پورے عالمِ انسانیت کے مفکر اور شاعر ہیں۔ (۱۰۵) مذکورہ کتاب کے آغاز میں سوانحِ اقبال اور اقبال کی معنوی شخصیت پر مشتمل ان کے مضامین شامل ہیں جو اس سے پیشتر ان کے تراجم ''پیامِ مشرق'' ''اسرار و رموز'' ''ارمغانِ حجاز'' اور ''پیامِ مشرق و زبورِ عجم'' میں شامل ہیں۔

اس کتاب کا سائز "۸x"۵.۵ ہے اور یہ ۱۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مثنوی ''مسافر'' دوسرے میں مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' اور تیسرے حصے میں مثنوی ''بندگی نامہ'' کا ترجمہ شامل ہے جبکہ آخری پچپن صفحات پر ترکی زبان میں تارلان کے تین مضامین درج ہیں۔

ان میں سے پہلا مضمون دراصل ان کی فارسی نظم ''در آرام گاہِ اقبال... قونیۂ ثانی'' کا ترکی ترجمہ ہے۔ دوسرے مضمون کا عنوان "İkbal ve Aşk" ہے جو اس سے پہلے سفارتِ پاکستان کی طرف سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہونے والے "Muhammad İkbal" نامی کتابچے میں شائع ہو چکا تھا۔ اس مضمون میں اقبال کی شان میں تارلان کے فارسی اشعار کا ترکی ترجمہ و تشریح کے علاوہ اقبال

کے نظریۂ عشق کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسرے مضمون کا عنوان "Aşk Sevinçten Nara Attı" ہے۔ یہ عنوان اقبال کے مصرع ''بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق'' کا ترجمہ ہے۔ اس میں بھی اقبال کے نظریۂ عشق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں دو فارسی نظمیں ہیں جن میں اقبال کو شعری خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک ''درآرامگاہِ اقبال --- قونیۂ ثانی'' ہے جبکہ دوسری نظم کا عنوان ''مولانا اور اقبال'' ہے۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۵۷ء میں علی نہاد تارلان کے دورۂ پاکستان کے دوران کھینچی گئی ان کی چھ تصاویر ہیں۔ ان میں سے ایک تصویر میں وہ مزارِ اقبال پر احباب کے ہمراہ دکھائی دے رہے ہیں جبکہ ایک دوسری تصویر میں مزارِ رومی کے احاطے میں نصب اقبال اور نفعیؔ کی علامتی الواح مزار نظر آ رہی ہیں۔

کتاب میں شامل مثنوی ''مسافر'' کا مکمل ترجمہ چونتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آغاز میں ایک مختصر پیش لفظ بھی دیا گیا ہے جس میں ڈاکٹر علی نہاد نے اقبال کی عظمت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گزشتہ تراجم کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثنوی کے عنوانات کے تحت درج اشعار کا ترجمہ دو، دو سطروں میں رواں نثر میں کیا گیا ہے اور ہر عنوان کے تحت آنے والے اشعار پر سیریل نمبر ۱، ۲، ۳ لگائے گئے ہیں۔ اس میں اقبال کے اُردو حواشی کا ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ جہاں جہاں ضرورت پیش آئی ڈاکٹر علی نہاد نے وضاحتی نوٹ درج کیے ہیں۔ مثلاً ''برمزار شہنشاہ بابر خلد آشیانی'' کے زیرِ عنوان پانچویں شعر :

> ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است
>
> کہ آں عجوزہ عروس ہزار داماد است(۱۰۶)

کے مصرع ثانی کے ترجمے کے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے(۱۰۷) جبکہ اقبال نے اصل متن میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کی۔

مثنوی ''مسافر'' کا ترجمہ انتہائی سادہ اور رواں زبان میں ہے۔ تارلان، اقبال کے دقیق فلسفیانہ نکات کا ترجمہ بھی بڑی روانی اور خوبصورت اسلوب میں کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس ترجمے میں زیادہ حواشی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ جہاں محسوس کرتے اہم نکات اور فارسی و عربی اصطلاحات کے ترجمے کے ساتھ ہی بریکٹ میں ان کی وضاحت کرتے جاتے ہیں۔

مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' کا ترجمہ ستاون صفحات (صفحہ ۶۱ تا ۱۱۸) پر محیط ہے۔ یہ بھی مثنوی کا مکمل ترجمہ ہے البتہ ''حکمت کلیمی'' کے آخری دو اشعار محذوف ہیں۔ یہ ترجمہ بھی مثنوی ''مسافر'' کی طرح نثر میں ہے۔ اس کے اشعار کا ترجمہ بھی اسی طرح دو، دو سطروں میں کر کے ہر عنوان کے تحت درج اشعار پر سیریل نمبر لگائے گئے ہیں۔ یہاں بھی اقبال کے اُردو حواشی کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ ''در حضور رسالت مآب ﷺ'' کے عنوان کے بعد درج اقبال کے فارسی نوٹ جس میں سر سید احمد خاں نے علامہ کو اپنی علالت کا ذکر حضور رسالت مآب ﷺ سے کرنے کی ہدایت کی تھی اس کا ترجمہ دے کر دو باتیں ثابت کی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ فارسی سے ترکی میں ترجمہ ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، دوسرے وہ ترجمہ کرتے ہوئے اصل متنِ اقبال کی چھوٹی سے چھوٹی بات کو جو فکرِ اقبال کو سمجھنے میں معاون ہو، کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

کتاب کے تیسرے حصے میں ''بندگی نامہ'' کا ترجمہ ہے۔ اس میں تارلان نے اشعار کا ترجمہ دو، دو سطور میں دینے کی بجائے ہر عنوان کا ترجمہ سادہ نثر کے چار یا پانچ، پانچ سطروں پر مشتمل پیراگراف کی صورت میں دے کر ہر پیراگراف کے آغاز، درمیان اور اختتام پر ایک ایک شعر کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے میں انھوں نے ہر عنوان کے تحت درج اقبال کے خیالات کو مضمون کی شکل میں لکھا ہے، جس کے اسلوب کا انداز خطابیہ ہے۔ مذکورہ مثنوی میں ترجمہ شدہ مواد بھی فارسی متن کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے بلکہ شروع میں ''مصوری'' کے

عنوان سے ایک مضمون دیا گیا ہے پھر ''بندگی نامہ'' ''در بیان فنونِ لطیفۂ غلاماں۔ موسیقی'' اور ''در فنِ تعمیر مردانِ آزاد'' کے ترجمے دیئے گئے ہیں۔ تاہم حصہ ''مذہب غلاماں'' کا ترجمہ کتاب میں موجود نہیں ہے۔

المختصر مذکورہ بالا تینوں مثنویوں کے تراجم، ترجمے کی فنی مبادیات، زبان اور اسلوب کے لحاظ سے خوب ہیں۔ ترکی میں ابھی تک اقبال کے فارسی کلام کے مکمل متن کے تراجم ڈاکٹر علی نہاد تارلان سے بہتر کسی اور مترجم نے نہیں پیش کئے اس لئے مذکورہ تراجم خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

ا. حجاز ارمغانی

ارمغانِ حجاز

Hicaz Armağani

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان

ڈاکٹر علی نہاد نے ''ارمغانِ حجاز'' (Hicaz Armagani) کے حصہ فارسی کا ترکی میں ترجمہ کر کے استانبول سے ۱۹۶۸ء میں آر۔سی۔ڈی کے تعاون سے شائع کرایا۔اس کتاب کا سائز "۶.۵"x۹.۵ ہے جو گزشتہ تراجم کتب کے سائز سے مختلف اور قدرے بڑا ہے۔ اس میں ترجمہ شدہ کلام صفحہ ۲۳ سے صفحہ ۶۱ تک پھیلا ہوا ہے۔تارلان نے ترجمے کے آغاز میں ایک پیش لفظ لکھا ہے۔اس کے بعد ارمغان حجاز کا تعارف اور اقبال کے عنوان کے تحت دو مضامین دیئے ہیں۔ان مضامین میں سے پہلا اقبال کی سوانح اور دوسرا ان کی معنوی شخصیت کے بارے میں ہے۔یہ وہی مضامین ہیں جو اس سے پیشتر ان کے ''اسرار و رموز'' (دوسرے ایڈیشن میں) اور ''پیام مشرق'' کے دیباچوں میں شامل رہے ہیں۔کتاب کے پیش لفظ میں وہ لکھتے ہیں کہ ''ارمغان حجاز'' اقبال کی وہ اہم تصنیف ہے جس میں ان کے مذہبی' معاشرتی اور سیاسی افکار بڑی خوبصورتی سے بیان ہوئے ہیں۔(۱۰۸) اس کے بعد وہ ''ارمغان حجاز کے بارے میں'' اپنے تعارفی مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''ارمغان حجاز'' مستی سے پُر کتاب ہے۔اقبال کسی ایک زمانے کے انسان نہیں، وہ معمولی انسانوں جیسی حسیات اور سوچ نہیں رکھتے تھے۔علامہ مال و ملک اور دنیاوی اعمال کو اہمیت دینے کی بجائے صرف ''دل'' جیسے مقدس جوہر پر اکتفا کرنے والے شخص تھے۔وہ ایک عظیم علوی اور اصل عاشق تھے ...ان کے نزدیک مومن کی اصل زندگی دل کی وجہ سے قائم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ثواب کے لالچ میں نہیں بلکہ اطاعت اور عشق کی وجہ سے کرتا ہے۔(۱۰۹)

اس ترجمے میں اقبال کا کچھ کلام شامل نہیں ہے۔جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

باب کا نام	محذوف کلام
حضورِ حق	فصل نمبر پانچ کی پانچ رباعیاں
حضورِ ملت	پیام فاروق کی نو رباعیاں
" "	خلافت و ملوکیت کی پانچ رباعیاں
" "	ترک عثمانی کی تین رباعیاں
" "	برہمن کی چار رباعیاں
" "	خاتمہ کی تیسری اور آخری رباعی

کچھ جگہوں پر غالباً کمپوزر کی غلطی کی وجہ سے رباعیوں کے نمبروں کے اندراج میں کمی بیشی نظر آتی ہے' مثلاً ''حضورِ حق'' کی فصل نمبر ا کے تحت پانچ رباعیوں کا ترجمہ تو موجود ہے مگر رباعی نمبر ۴ کے ترجمے پر نمبر درج نہیں اور رباعی نمبر ۵ کی جگہ پر نمبر ۴ لکھا ہوا ہے۔(۱۱۰) اسی طرح ''حضورِ رسالتؐ'' کی فصل نمبر ۵ کے تحت پہلی رباعی کا ترجمہ غلطی سے فصل نمبر ۴ کے تحت دی گئی دو رباعیوں کے بعد درج کر دیا گیا ہے لہذا فصل نمبر ۵ کے تحت تین کی بجائے دو رباعیوں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔(۱۱۱) مزید برآں باب ''بہ یارانِ طریق'' کی فصل نمبر ۴ کے تحت رباعیوں کو فصل نمبر ۳ میں شامل کرتے ہوئے فصل نمبر ۵ اور ۶ کی تمام رباعیوں کا ترجمہ فصل نمبر ۴ کے تحت درج کیا ہے۔(۱۱۲)

تارلان نے ترجمہ سلیس ترکی زبان میں کیا ہے۔ ہر عنوان کے تمہیدی اشعار کا ترجمہ آسان نثر میں ہے اور ہر رباعی کا ترجمہ تین یا چار سطور میں کیا گیا ہے۔اس میں اصل کتاب کی ترتیب آغاز سے اختتام تک قائم رکھی گئی ہے صرف ابواب ''حضورِ ملت'' اور ''حضورِ عالم

انسانی'' کے تحت آنے والی رباعیات پر ڈاکٹر علی نہاد نے اپنی طرف سے ضمنی سیریل نمبر کا اضافہ کر کے ترجمہ دیا ہے تاکہ رباعیوں کا ترجمہ متعلقہ عنوان سے وابستہ رہے۔

علامہ اقبال نے ''ارمغانِ حجاز'' کے حصہ فارسی میں بعض جگہوں پر ''اشارات'' کے عنوان کے تحت حاشیے میں مشکل الفاظ کے معانی اُردو میں درج کیے ہیں اور کچھ جگہوں پر آیات قرآنی اور احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد نے ان حاشیوں کا ترجمہ دینے کی بجائے جہاں ضروری خیال کیا وہاں حاشیے میں وضاحتی نوٹ دے دیے ہیں' مثلاً باب ''حضور رسالتؐ'' کی فصل نمبر ۷ کے تحت پہلی رباعی کے حاشیے میں عراقؔی اور جامؔی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایران کے دو صوفی شعراء ہیں۔ (۱۱۳) اسی باب کی گیارہویں فصل (جو اصل فارسی متن میں تیرہویں فصل ہے) کی رباعیوں کے حاشیے میں تارلان نے لکھا ہے کہ ان اشعار کے مخاطب سعودی عرب کے فرمانروا عبدالعزیز ہیں (۱۱۴) جبکہ اقبال نے ایسا کوئی حاشیہ اصل متن میں نہیں دیا البتہ اس فصل کی پہلی رباعی میں عبدالعزیز کا ذکر ضرور آیا ہے:

تو ہم آں مے بگیر از ساغرِ دوست
کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست (۱۱۵)

ڈاکٹر علی نہاد نے ''ارمغانِ حجاز'' کا تقریباً مکمل ترجمہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی ترک سکالر نے علامہ کی اس تصنیف کا تا حال مکمل ترجمہ شائع نہیں کروایا البتہ چند اقبال شناسوں نے اس کی چند رباعیوں کا ترجمہ ضرور کیا ہے' مثلاً ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان نے "Muhammad Ikbal ve Eserlerin'den Seçmeler" کے عنوان سے منتخب کلام اقبال کا ترجمہ ۱۹۷۱ء میں استانبول سے شائع کروایا تھا جس میں ''ارمغانِ حجاز'' کی گیارہ رباعیوں کا نثری ترجمہ مع فارسی متن شامل کیا گیا تھا۔ ''ارمغان حجاز'' کی چند رباعیات کے ڈاکٹر قرہ خان اور ڈاکٹر علی نہاد کے تراجم کا تقابلی موازنہ کرتے ہیں:۔

''حضورِ حق'' کی رباعی نمبر ۶ :

عطا کن شورِ رومیؔ سوزِ خسروؔ
عطا کن صدق و اخلاصِ سنائیؔ
چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی (۱۱۶)

ڈاکٹر قراۃ خان کا ترجمہ:

Mevlana'nin coşkunluğunu ve (Nasir-i) Husrev'in yanişni bana ver.

Senai'nin doğruluğunu, ihlâsini (temizliğini, özlülüğünü) bana ver.

Ben, öylesine kulluğa alíştím ki: bana Tanriliği armağan etsen, almam. (117)

(اردو مفہوم:

مجھے مولانا کا جوش اور ناصر خسرو کی جلن (سوز) دے۔ مجھے سنائی کا صدق و اخلاص دے۔ میں بندگی کا اس قدر عادی ہو چکا ہوں کہ تو مجھے خدائی تحفے میں دے تو نہ لوں۔)

ڈاکٹر علی نہاد کا ترجمہ:

Mevlanâ'nin vecid ve heyecanini, Husrev-i Dehlevi'nin yanişini
bana ihsan et. Bana Senai'nin sidk ve ihlasını ihsan et. Ben kullukla o kadar uyuştum onu o kadar sevdim ki bana Allahliği versen istemen. (118)

(اردو مفہوم:

مجھے مولانا کا وجد اور ہیجان، خسرو دہلوی کا سوز عطا کر، مجھے سنائی کا صدق اور اخلاص عطا کر، میں بندگی میں اس قدر مست ہوں اور اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ اگر تم مجھے خدائی دو تو مت لوں۔)

ڈاکٹر قراۂ خاں اور ڈاکٹر علی نہاد دونوں نے رباعیوں کا ترجمہ سلیس زبان میں کیا ہے لیکن علی نہاد نے ترجمہ کرتے ہوئے "onu o Kadar Sevdim" یعنی "اس (بندگی) سے اتنی محبت کرتا ہوں" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے رباعی کے مفہوم کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح علی نہاد نے مذکورہ کتاب کے ترجمے میں مشکل فلسفیانہ مفاہیم کی وضاحت کرتے ہوئے کبھی تو محض الفاظ کا ترجمہ درج کیا ہے اور کبھی ان کی وضاحت کرنے کیلئے اضافی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

اب "حضور رسالتؐ" باب کی فصل نمبر ۹ کی درج ذیل رباعی کا ترجمہ دیکھتے ہیں:

فقیرم از تو خواہم ہرچہ خواہم
دلِ کو ہے خراش از برگ کاہم
مرا درسِ حکیماں دردِ سر داد
کہ من پروردۂ فیضِ نگاہم! (۱۱۹)

ڈاکٹر قراۂ خان کا ترکی ترجمہ یوں ہے:

Ben fakirim, ne dilersem Senden dilerim. Benim saman cöpümle bir dağ göğsü yarilmiş.
Hakimlarin dersi (öğülteri) başımı ağritti. Cünkü ben, bir bakiş feyzi ile beslenmişim. (120)

ڈاکٹر علی نہاد کا ترجمہ:

Fakirim; her ne istersem senden isterim. Benim saman cöpümden bir dağın bağri yarılır, Hakımlerin dersleri bana baş ağrisi verdi.
Ziâ ben nazar feyzi ile yetişmiş insanım. (121)

مندرجہ بالا دونوں اشعار کا ترجمہ سلیس ترکی نثر میں ہے مگر ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان کا ترجمہ ڈاکٹر علی نہاد کے ترجمے سے قدرے بہتر اور بامحاورہ ہے۔ جبکہ علی نہاد کا ترجمہ بھی اگرچہ بامحاورہ ہے لیکن اس میں تشریح و تفہیم کا انداز زیادہ موثر طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

(ج) اردو کلامِ اقبال کا مختصر اقبال

i. بانگِ درا

بانگِ درا کے پہلے حصے میں ۴۹ نظمیں اور ۱۱ غزلیں ہیں۔ دوسرے حصے میں ۲۵ نظمیں، ۵ غزلیں جبکہ تیسرے حصے میں ۷۰ نظمیں، ۸ غزلیں اور اس کے بعد ۲۳ نظمیں ظریفانہ کلام کے عنوان کے تحت شامل کی گئی ہیں۔ بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ اور آخری طلوعِ اسلام ہے۔ ان نظموں کے موضوع اور مواد کے موازنے کے بعد کہا جا سکتا ہے اقبالؒ نے فطرت سے مابعد الطبعیات کا سفر بیسویں صدی ہی میں مکمل کر لیا تھا۔ انھوں نے فطری مناظر سے قلبی واردات تک کا جو سفر دو دہائیوں میں طے کیا، بانگِ درا میں اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بانگِ درا کے پہلے حصے میں وہ نظمیں اور غزلیں ہیں جو ۱۹۰۵ء تک لکھی گئی ہیں۔ کلام پر وطن پرستی کا جذبہ غالب ہے اسی تناظر میں تصویرِ درد بہترین نظم ہے۔ اقبال کے اس دور کی غزلیات پر داغ اور امیر کا رنگ نمایاں ہے۔

بعض منظومات منظر نگاری کا اعلیٰ مرقع ہیں، بعض میں سنجیدہ خیالات اور بعض نظمیں بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ تلاش، تحقیق اور جستجو کا رنگ نمایاں ہے۔ حبِ وطن سے متعلق منظومات میں عموماً فارسی کی بجائے ہندی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بعض منظومات میں آئندہ فلسفیانہ شاعری کے ابتدائی نقوش نظر آتے ہیں۔ ''حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر'' کے عنوان سے لکھی نظم سے ظاہر ہے کہ علامہ کو شروع ہی سے بزرگانِ دین کے ساتھ قلبی عقیدت تھی۔

بانگِ درا کا دوسرا حصہ (۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء) نسبتاً مختصر ہے۔ علامہ نے یورپ میں مغربی تہذیب کی ظاہری چکا چوند قریب سے دیکھی، اسلامی اصولوں اور تاریخ کے مطالعے اور موازنے سے وہ یہ حقیقت جان گئے کہ وطنیت و قومیت بنی آدم کے حق میں مفید نہیں، اس لیے انھوں نے اسلامی اصولوں کی تبلیغ کو اپنی شاعری کا موضوع بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے اس عہد کی شاعری میں ''پیغام'' کا رنگ جلوہ گر ہے۔ انھوں نے جو نظم علی گڑھ کالج کے طلبہ کے نام لکھ کر بھیجی تھی وہ دراصل ان کا پہلا پیغام تھا۔ یہاں وطن پروری کا رنگ مدھم ہوا اور ان کی جگہ ایسی شاعری نے لے لی جہاں قوم میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے والی نظمیں ہیں جن میں عشق و محبت، حرکت و عمل اور اسلامی تعلیم بنیادی موضوعات ہیں۔

بانگِ درا کے تیسرے حصے میں وہ نظمیں اور غزلیں ہیں جو ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۳ء تک لکھی گئیں۔ اس عہد کی شاعری کی زبان زیادہ صاف اور سلیس ہوگئی ہے، سوز و گداز، فلسفیانہ غور و فکر اور آفاقی رنگ جھلکتا ہے۔ اردو پر فارسی کا اثر غالب اور خیالات میں انقلابِ عظیم نمایاں ہے۔ اب علامہ کا زاویہ نگاہ مکڑی، گائے یا چاند ستاروں کو محیط نہیں بلکہ خدا، خودی، بے خودی اور عشق ہے۔ نظموں میں مسلمانانِ عالم کے قلبی جذبات کی ترجمانی کے متوازی انگریزوں کی اسلام دشمنی کے جذبات نمایاں ہیں۔ اس مقام پر وہ ایک شاعر کے مرتبے سے بلند ہو کر پیامبر بن گئے۔ انھوں نے قوم کو امید اور یقین کا پیغام دینے کے ساتھ ان کے اطاعتِ اسلام کے جذبہ کو بھی اُبھارا ہے۔ بعض نظمیں اتنی لاجواب ہیں کہ جن کی بدولت اردو ادب کا دامن جوہرات سے مالا مال ہے۔ ''صدیقؓ'' اور ''شری رام چندر'' جیسی نظموں کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے علاوہ تمام مذاہب کی مذہبی شخصیات کی عزت کرتے ہیں۔ فارسی شعراء کے اشعار پر تضمین سے علامہ کے مطالعہ کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ بعض نظموں میں فلسفۂ خودی کے مسائل دلکش انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

ii. بالِ جبریل

بالِ جبریل علامہ اقبال کا دوسرا اردو مجموعہ کلام ہے جو بانگِ درا کے گیارہ سال بعد منصۂ شہود پر آیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ (۱۹۱۴ء) رموزِ بے خودی (۱۹۱۵ء) اور پیامِ مشرق (۱۹۲۲ء) تینوں؟؟؟ کتب فارسی میں لکھی تھیں اور اس کے بعد بھی مذکورہ گیارہ سال کے عرصہ میں بالِ جبریل سے پہلے زبورِ عجم (۱۹۲۷ء)، جاوید نامہ (۱۹۳۲ء) اور مسافر (۱۹۳۳ء) فارسی میں لکھی گئیں۔ اس مقام پر علامہ کی پختہ کاری اور حسنِ بیان عروج پر ہے کیونکہ اس تخلیق میں انھوں نے اپنی فارسی کتابوں کے اکثر بنیادی تصورات کو اردو زبان میں ڈھال دیا ہے۔

یہ تصنیف حقیقت میں علامہ کے نظریات کی تکمیل، ان کے موعتقدات وخیالات کی معراج اور ان کے مسلک کی صحیح عکاس ہے۔ بانگِ درا اقبال کے مفکرانہ ارتقائی سفر کی پہلی سیڑھی ہے جس میں وہ ایک سالک کی طرح بے چین ہیں لیکن بالِ جبریل میں وہ ایک پانے والے کی مانند مطمئن اور پرسکون نظر آتے ہیں۔ بانگِ درا زیادہ تر رنگ ہے اور بالِ جبریل زیادہ تر رس۔ اس مقام پر علامہ خود آگاہ اور خدا آگاہ کے روپ میں جلوہ گر ہیں۔ وہ منزلِ مقصود تک رسائی کے لیے دو اہم نسخے احساسِ خودی اور سخت کوشی تجویز کرتے ہیں۔ یہ شاعرانہ شاہکار ایک صحیفہ پیغمبر ہے جس میں اہلِ عالم کو پیامِ حیات دیا گیا ہے۔ جوش، تنوع اور رنگینی نہ سہی لیکن بیان کی سلالت، اخلاقی اور حکیمانہ مضامین اور طرزِ ادا کی بے باکی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اکثر وبیشتر اشعار مَنْ عَرَفَ نَفْسَتہ فَقَد عَرَفْ رَبہ اور لیس لِل انسانِ الٰ مـاَ سمیٰ کے دو نظریات کی تفسیر وتوضیح نظر آتے ہیں۔ بانگِ درا میں پہاڑی ندی کا زور وشور پایا جاتا ہے جبکہ بالِ جبریل میں ایک میدانی دریا کی سی وسعت، گہرائی اور سنجیدگی نظر آتی ہے۔

iii. ضربِ کلیم

ضربِ کلیم پہلی مرتبہ علامہ کی وفات سے دو سال قبل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ اقبالؒ نے یہ کتاب نواب صاحب بھوپال کے نام منسوب کی تھی اور ان کی ذات سے کچھ توقعات بھی وابستہ کر رکھی تھیں جن کا اظہار انھوں نے ان فارسی اشعار میں کیا جو کتاب میں شامل ہیں۔

ضربِ کلیم میں شعریت یا تغزل کم ہے اور فلسفہ زیادہ ہے۔ اس میں فلسفیانہ طریق پر عہد حاضر کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس دور کی غلط روش، غلط تعلیمات، غلط خیالات اور غلط منطق کی نہایت واضح الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ بعض منظومات اتنی بلند پایا ہیں کہ ان کی سرحد الہام سے ملی ہوئی ہے۔ افرنگ اور دانش افرنگ کے ساتھ ساتھ عرب و عجم اور ایران و ہندستان پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اور مسلم امہ کی حیاتِ اجتماعیہ کے مختلف شعبوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ الغرض ضربِ کلیم، مغرب اور مشرق دونوں پر بے لاگ تبصرہ ہے۔ جس کی نظیر اردو تو کیا اس وقت کے تمام ایشیائی لٹریچر میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ (۱۳۲)

بقول اقبالؒ، ضربِ کلیم دورِ حاضر کے خلاف علانِ جنگ ہے۔ ضربِ کلیم میں صفحہ ۸۱، کلیاتِ اقبالؒ (اردو، ص۔ ۵۴۳) پر اقبالؒ نے عصر حاضر کے عنوان سے تین اشعار لکھے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے دورِ حاضر کی اصطلاح واضح ہو جاتی ہے۔ دورِ حاضر سے اقبالؒ کی مراد بے دینی اور الحاد کا موجودہ زمانہ ہے جس میں قدم قدم پر نئے نئے بت نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ضربِ کلیم رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اقبالؒ کا یہ مجموعہ کلام، عصر حاضر بتوں کو پاش پاش کرنے میں عصائے کلیم کا سا اثر رکھتا ہے۔ شاعر کا کمال فن یہ ہے کہ اس کے ہاں تفصیل بھی ہے اور اجمال بھی۔ اس نے مسلمانوں کو دورِ حاضر سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے ساتھ کامیابی کا طریقہ بھی تفصیل سے بتایا ہے، اور یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بت شکنی کے لیے ضربِ کلیمی کی ضرورت ہے یہ طاقت صرف '' خودی میں ڈوبنے'' سے حاصل ہوسکتی ہے۔ حرکت اور خود اعتمادی سے خودی میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

کتاب کا آغاز نواب آف بھوپال کی مدح میں کہے گئے قصیدے سے ہوتا ہے پھر تمہید، تعلیم و تربیت، سیاسیات، مشرق و مغرب اور '' محراب گل افغان'' کے افکار کے عنوانات کے تحت منظومات شامل ہیں۔ ضربِ کلیم میں متنوع موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں۔ مذہب، سیاست، ثقافت، تعلیم و تربیت، فنونِ لطیفہ جیسے کئی موضوعات پر اقبالؒ نے قلم اٹھایا ہے۔ نواب آف بھوپال کے قصیدے میں اقبال فرماتے ہیں۔

ان اشعار میں اقبالؒ کہتے ہیں، اقوام مغرب نے اقوامِ ایشیا پر جو مظالم ڈھائے ہیں ان کی داستان بہت طویل اور دردناک ہے۔ اب تک کسی شخص کی توجہ اس داستان کو قلمبند کرنے کی طرف مبذول نہیں ہوئی آخر کار خود میں نے اس فریضہ کو انجام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اے ممدوح تو صاحبِ نظر ہے اور تیری فراست اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ تو میرے جذبات و خیالاتِ قلبی سے اچھی طرح واقف ہے، اس لیے میں اپنے افکار اور احساسات تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں، کیونکہ تیرے اندر وہ خوبیاں موجود ہیں کہ پھولوں کو شاخ سے وہ تر و تازگی نصیب نہیں ہو سکتی، جو تیرے ہاتھوں میں آ کر نصیب ہوتی ہے۔

اس کتاب کے عنوان '' خطاب بہ ناظرین'' میں اقبالؒ نے اپنے سارے فلسفہ کا خلاصہ چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

' اے مسلمان! جب تک تو زندگی کے حقائق کو پیش نظر نہیں رکھے گا۔ تیری ذات اور شخصیت جو باعتبارِ تخلیق نہایت کمزور ہے، حوادثِ روزگار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دوسرے الفاظ میں، ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ دنیا عیش و آرام کی جگہ نہیں، نہ ہی یہ مقام لہو لعب اور خورد و نوش ہے۔ جو قومیں سکون کی متلاشی اور جہاد سے گریزاں ہوتی ہیں، وہ فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ دنیا تو جد و جہد اور ضرب کاری کا مقام ہے۔ اس دنیا میں وہی قومیں عزت کی زندگی بسر کر سکتی ہیں جو رات دن خونِ جگر پی کر سعی پیہم کرتی ہیں۔

iv. ارمغان حجاز (حصہ دوم)

اقبال کی کتاب ''ارمغان حجاز'' کا حصہ دوم ۱۳ اردو منظومات پر مشتمل ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ (یہ ایک طویل نظم ہے)، بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو، تصویر و مصور، عالم برزخ، معزول شہنشاہ، دوزخی کی مناجات، مسعود مرحوم، آوازِ غیب، رباعیات، ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض، سر اکبر حیدری صدر اعظم حیدرآباد دکن، حسین احمد (تین شعر فارسی میں ہیں) حضرت انسان (یہ ڈاکٹر صاحب کی سب سے آخری اردو نظم ہے)۔

اردو کلامِ اقبال کے ترکی تراجم

i. ضربِ کلیم "Zarb-i-kalim"

مترجم: ڈاکٹر علی نہاد تارلان

علامہ اقبال کے اُردو کلام پر مشتمل ضربِ کلیم ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں تمہید کے بعد کتاب کی تمام غزلوں اور نظموں کو چھ عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت، عورت، ادبیاتِ فنونِ لطیفہ، سیاسیات مشرق و مغرب اور محرابِ گل افغان کے افکار۔ (۱۲۳)

ڈاکٹر علی نہاد کا ''ضربِ کلیم'' کا ترکی ترجمہ "Darb-i Kalim" کے عنوان سے ۱۹۶۸ء میں آر۔ سی۔ ڈی نے استنبول سے شائع کیا۔ ڈاکٹر تارلان اُردو نہیں جانتے تھے۔ ثروت صولت کے بقول انھوں نے ضربِ کلیم کا ترکی ترجمہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کے ضربِ کلیم کے فارسی ترجمے کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔ (۱۲۴) خواجہ عبدالحمید عرفانی کے فارسی اور ڈاکٹر علی نہاد کے ترکی ترجمے کا تقابلی موازنہ کر کے دیکھتے ہیں کہ ثروت صولت کی بات کہاں تک درست ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد نے اپنی کتاب کے آغاز میں "Musa Vuruşu" کے عنوان سے پیش لفظ میں ''ضربِ کلیم'' کے بارے میں کچھ معلومات دی ہیں جن سے علامہ اقبال کی علالت، علاج کے سلسلے میں بھوپال کا سفر اور نواب حمید اللہ خان کے نام کتاب کے انتساب کا علم ہوتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ''ضربِ کلیم'' کے چھ حصوں کے اہم افکار کو پانچ نکات کے تحت بیان کیا ہے اور کتاب کے اگلے صفحہ پر حاشیے میں وضاحتاً لکھ دیا ہے کہ ''ضربِ کلیم'' کے کچھ قطعات بھوپال کے زمانے میں لکھے گئے ہیں۔ (۱۲۵) یہ دراصل عبدالحمید عرفانی کے فارسی ترجمے میں موجود حاشیے کا لب لباب ہے۔ (۱۲۶)

ڈاکٹر تارلان کے ترکی ترجمے میں ''ضربِ کلیم'' کا وہی کلام ملتا ہے جو خواجہ عبدالحمید نے اُردو سے فارسی میں منتقل کیا ہے۔ ان دونوں تراجم میں محذوف کلامِ اقبال کی تفصیل درج ذیل ہے:

''ضربِ کلیم'' کے حصے کا عنوان	محذوف کلام
اسلام اور مسلمان	ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام
	آزادیٔ شمشیر کے اعلان پر
	قلندر کی پہچان
	مومن (جنت میں)
	نکتۂ توحید کے آخری دو اشعار
	پنجابی مسلمان
تعلیم و تربیت	مہمان عزیز
عورت	ایک سوال

ادبیاتِ فنونِ لطیفہ	پردہ
	شعاعِ اُمید کی تین غزلیں
	مخلوقاتِ ہُنر
	ذوقِ نظر
	شعر
سیاستِ شرق و مغرب	مشرق
	لادین سیاست
	غلاموں کی نماز

ڈاکٹر علی نہاد نے ضربِ کلیم کے حصہ ''اسلام اور مسلمان'' کی نظم ''سلطانی'' کے سات اشعار کا ترجمہ بغیر عنوان کے دیا ہے (۱۲۷) حالانکہ خواجہ صاحب کے فارسی ترجمے میں اس کا عنوان موجود ہے۔ (۱۲۸) غالب امکان ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے۔

خواجہ عبدالحمید نے حصہ ''محرابِ گل افغان کے افکار'' کی بیس غزلوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے ہر نظم کو ایک عنوان اور ہر شعر کو ایک نمبر دیا ہے اور ایک یا دو سطور میں شعر کا مفہوم بیان کیا ہے۔ تارلان نے بھی ترجمے کی یہی صورت برقرار رکھی ہے البتہ انھوں نے اس حصہ کی چوتھی غزل جس پر عرفانی نے ''تقدیرِ ملت'' کا عنوان دے کر ترجمہ کیا ہے اس کا ترجمہ انھوں آٹھ سطور کے ایک پیراگراف میں دیا ہے۔ (۱۲۹)

خواجہ عبدالحمید نے فکری مغالطے کی بناء پر ''محرابِ گل افغان کے افکار'' کے ترجمے سے پیشتر ایک نوٹ دیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ محرابِ گل پشتو زبان کے افغانی شاعر ہیں جن سے اقبال نے اخذ و استفادہ کیا ہے جبکہ اس حصہ میں بیشتر شاعرانہ خیالات علامہ اقبال کے اپنے ہیں۔ (۱۳۰) حقیقت یہ ہے کہ محرابِ گل ایک فرضی نام ہے جس کے تحت علامہ اقبال نے افغان قوم کو وہ درس اور پیغام دیا ہے جس کو وہ ان کی نجات کا واحد راستہ سمجھتے تھے۔ (۱۳۱) علی نہاد تارلان نے بھی اسی فکری مغالطے کا شکار ہوتے ہوئے ''ضربِ کلیم'' کے مذکورہ نوٹ کا ترکی میں خلاصہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محرابِ گل کے بعض افکار (محرابِ گل پشتو زبان میں شعر کہنے والے) ایک افغان شاعر کے ہیں۔ (۱۳۲) یہ امر اس خیال کو مزید تقویت دیتا ہے کہ تارلان کا ماخذ اقبال کے اردو کلام کے بجائے خواجہ عبدالحمید کا فارسی ترجمہ ہے۔ اب اسی حصے کی غزل نمبر ۴ کے چند اُردو اشعار کے فارسی اور ترکی ترجمے کا موازنہ ملاحظہ کیجیے:

اشعارِ اقبال:

کیا چرخِ کجرو، کیا مہر، کیا ماہ
سب راہرو ہیں واماندۂ راہ!
کڑکا سکندر بجلی کی مانند
تجھ کو خبر ہے اے مرگِ ناگاہ!
نادر نے لوٹی دلّی کی دولت

اک ضرب شمشیر! افسانہ کوتاہ!
افغان باقی! کہسار باقی!
اَلحُکمُ لِلّٰہ! اَلمُلکُ لِلّٰہ!(۱۳۳)

خواجہ عبدالحمید نے اس کا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے:

این چرخ کج رو آن مہر و آن ماہ
ھستند رھرو وماندہ راہ
غرید چون ابر توفندہ لیکن
و ای سکندرا! ای مرگ ناگاہ!
از دست نادر یغمای دھلی!
یک ضرب شمشیر افسانہ کوتاہ
افغانی باقی کہسار باقی
الحکم لِلّٰہ الملک لِلّٰہ(۱۳۴)

اب علی نہاد تارلان کے ترکی ترجمے کو دیکھتے ہیں:

Bu ters ve eḡri dōnen çarli, o gūneṣ ve o ay, ylcudurlar; amma ilerleyemiyorlar, yolda kalmıṣlar. Bulutlar gibi gūrledi "lâkin yazik oldu İskendere" ansizin gelen ōlūm onu aldi gōtūrdū. Nadir ṣah, Delhiyi yaḡma etti... Bir kiliç darbesi... Fakat masal kisa sūrdū.

Afganli hālā yerinde, daḡlar yerinde.. Hūkūm Allahin, Mūlk Allahin... (135)

(ترکی ترجمے کا اُردو مفہوم:

یہ اُلٹا چلنے والا چرخ' وہ سورج' وہ چاند مسافر ہیں' مگر آگے نہیں بڑھ سکتے' راستے میں رُکے ہوئے ہیں۔ سکندر بادل کی طرح گرجا لیکن افسوس کہ اک آن میں موت آئی اور اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔ نادرشاہ کی اک ضرب شمشیر سے دھلی لوٹنے کی مثال کچھ ہی دیر رہی... افغان اب بھی قائم ہے اور کہسار اب بھی قائم ہیں... حکم اللہ کا ہے' مُلک اللہ کا ہے۔)

تارلان کی پوری کتاب میں ''ضربِ کلیم'' کے کلام کا وہی مفہوم درج ہے جو انھوں نے خواجہ صاحب کے فارسی ترجمے سے اخذ کیا ہے چنانچہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تارلان نے ''ضربِ کلیم'' کا ترکی ترجمہ کرتے ہوئے خواجہ عبدالحمید کے فارسی ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی نے ''ضربِ کلیم'' کے زیادہ تر حصوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے جبکہ ڈاکٹر علی نہاد نے منظوم ترجمہ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نثر میں ترجمہ کیا ہے کیونکہ وہ کلامِ اقبال میں موجود فکر و فلسفہ کے اصل مفہوم و مدعا کو ترکی میں منتقل کر کے ترکوں کو اقبال سے

متعارف کرانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تراجم اقبال کے لیے شعری اسلوب کی بجائے زیادہ تر نثری اسلوب اختیار کیا ہے۔
''ضربِ کلیم'' کے حصہ' اسلام اور مسلمان' میں قطعہ 'صبح' کے اشعار کا ڈاکٹر علی نہاد کے نثری اور ڈاکٹر خلیل طوق ار (Dr. Halil Tokar) کے منظوم ترجمے سے موازنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شعر کا منظوم ترجمہ کرنے سے کلام کے اصل مدعا و مفہوم پر کیا اثر پڑتا ہے:
اشعارِ اقبال:

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا(۱۳۶)

ڈاکٹر خلیل طوق آر کا منظوم ترجمہ:

SABAH
Yarinı ve günü doğuran bu seher
Bilinmez ki nereden tulû eder
Varlık gecesini sarsan asil seher
Müminin ezaniyla rü-nümâ eder (137)

ڈاکٹر علی نہاد کا منثور ترجمہ:

Sabah

1. Bazan yarin, bazan da bugünün sabalíni bildiren bu seher alaca karanliği nasil meydana geliyor, anlaşilmadi.
2. Fakat varlik yatak odasini zelzele gibi sarsan o seher, imanli kulun ezanından vücuda geldi. (138)

تارلان کا ترجمہ منثور ہے اور انھوں نے مفہوم کی وضاحت کے لیے کئی الفاظ زائد استعمال کیے ہیں جس سے یہ شعر کا ترجمہ کم اور تفہیم زیادہ معلوم ہو رہی ہے۔ انھوں نے یہ ترجمہ ۱۹۶۸ء میں کیا تھا جس وقت ترکی میں اقبال کے کلام کو سمجھنے والے افراد خال خال ہی تھے۔ یہ ترجمہ کلام اقبال کی فکر اور پیغام کو عام پڑھے لکھے ترکوں تک پہنچانے کے افادی نقطۂ نگاہ سے کیا گیا ہے جبکہ ڈاکٹر خلیل طوق آر کا ترجمہ اُردو کلام اقبال کے انتخاب پر مبنی ہے جو "Muhammad Ikbal- Su Masmavi Gokyuzunu Kendi Yurdum Sanmistim Ben" کے عنوان سے ۱۹۹۹ء میں استانبول سے شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ اقبال کے اصل اُردو متن سے کیا گیا ہے چونکہ اب ترکوں کی ایک خاصی تعداد فکرِ اقبال سے متعارف ہو چکی ہے لہٰذا ڈاکٹر خلیل طوق آر نے ترکوں کی کلام اقبال کے منظوم ترجمے کی خواہش کے پیش نظر اس کا ترجمہ منظوم کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیل کا ترجمہ فکری پہلو سے ڈاکٹر تارلان کے ترجمے کی نسبت اصل متن کے زیادہ قریب ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد نے ''ضربِ کلیم'' کا ترجمہ براہ راست اُردو سے نہیں کیا جس سے ترجمے کا مفہوم کچھ کا کچھ ہونے کا گمان گزر سکتا تھا مگر خوش قسمتی سے تارلان کو اقبال شناسی میں خاص دسترس حاصل تھی چنانچہ وہ اپنے ترجمے میں اقبال کے اصل مفہوم و مدعا تک پہنچنے میں کامیاب رہے ہیں لہٰذا ان کا ''ضربِ کلیم'' کا ترجمہ بھی ان کے دیگر تراجم جتنا ہی خوبصورت اور کامیاب ہے۔

(ر) اردو کلام اقبال کے ترکی انتخاب

i. ڈاکٹر محمد اقبال وے اثر لریندین سچے لر
Dr. Muhammad ikbal Ve Eserlerinden Seçmeler

مترجم: عبدالقادر قراۂ خاں

ڈاکٹر پروفیسر علی نہاد تارلان کے بعد پروفیسر عبدالقادر قراۂ خاں کا ترکیہ میں اقبال شناسی کے حوالے سے نام معروف ہے۔ وہ ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن'' استنبول کے تحت منعقدہ ''یوم اقبال'' کے جلسوں میں جا کر اقبال کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ وہ اس انجمن کے صدر نشین بھی رہ چکے ہیں۔ انھوں نے اقبال کے کام کے جو تراجم کیے وہ ترکیہ کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان تراجم سے انتخاب کر کے انھوں نے ایک کتاب بعنوان ''ڈاکٹر محمد اقبال وے اثر لریندان سچے لر'' (ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کی تصنیف سے انتخاب''، ''گنجلک باسم ایوی'' استنبول سے ۱۹۷۴ء میں شائع کروائی۔ کتاب کے سرورق پر سفید کارڈ پر چوکھٹے میں کتاب اور مصنف کا نام ہے اور اس کے اردگرد چار رنگوں میں ۵ پھول دیے گئے ہیں۔ صفحہ اول کی پیشانی پر مصنف کا نام نیچے کتاب کا نام ترکی میں دے کر اور اس کے نیچے اس کا انگریزی ترجمہ ''ڈاکٹر محمد اقبال اینڈ سلیکشن فرام ہز ورکس'' دیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ متن میں ۵۳ صفحات پیش لفظ و فہرست شامل نہیں۔ اور اقبال کی چار تصاویر آرٹ کاغذ پر دی گئی ہیں۔ کتاب کی تقطیع کا سائز عام کتاب کے سائز سے بڑا ہے۔

کتاب کی فہرست کے مطابق اس کتاب میں اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد، مسافر، بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کے مختصر حصے مع متن شامل ہیں۔ اقبال کے منظوم کلام کے علاوہ منثور کے نام سے بھی کچھ حصے شامل ہیں۔ ضخامت ۲۰۱ صفحات ہیں۔ ''دی ریکنسٹرکشن آف ریلجس تھاٹ ان اسلام'' کا پہلا اور پانچواں لیکچر ''علم اور مذہبی واردات'' اور ''اسلامی ثقافت کی روح'' کے نام سے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اقبال کے قائداعظم کے نام بعض خطوط کا بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر پر دس صفحات کا انڈکس موجود ہے۔ اس میں پہلے ''کیشے اولر'' (شخصیات کے نام) ''اثر اولر'' (تصانیف کے نام) اور ''شہر وے اولکے اولر'' (شہر اور ممالک کے نام) شامل ہیں۔

قراۂ خاں نے ''اون سوز'' (پیش لفظ) ترکی اور انگریزی زبانوں میں دیے ہیں۔ ''ترکی اون سوز'' کے ۹ صفحات ہیں جبکہ انگریزی ''پریفیس'' (پیش لفظ) ۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

ترکی ''اون سوز'' میں قراۂ خاں مسلم تہذیب و تمدن کی ترقی میں مسلم مفکروں اور فلاسفہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد موجودہ صدی میں مسلمانوں کے علمی زوال کا باعث علم و ادب سے دوری کو قرار دیتے ہیں۔ وہ ترکیہ، ایران اور پاک و ہند کے تہذیبی اور ثقافتی رشتوں میں مشترک عناصر کی نشاندہی کرنے کے بعد تینوں ممالک کے ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تینوں ممالک کے علماء و دانشوروں نے اسلامی تہذیبی اقدار کو معراج تک پہنچایا ہے لہٰذا ان کی کاوشیں قابل تحسین ہیں۔ اس کے بعد وہ اُن صوفیاء کا ذکر کرتے ہیں جو ترکی، ایران اور برصغیر پاک و ہند میں روشن خیالی اور ذہنی انقلاب کا باعث بنے ہیں۔ ترکیہ اور برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی جدو جہد کا مختصر ذکر کرنے کے بعد مترجم، ڈاکٹر علامہ اقبال کی مسلم اقوام کے لیے اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے بعد کتاب مرتب کرنے سے لے کر شائع ہونے تک کے مراحل میں جن احباب نے مترجم کی مدد کی وہ ان تمام کا شکریہ نام لے کر ادا کرتے ہیں۔ پاکستانیوں میں استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ایسوسی ایٹ پروفیسرز ڈاکٹر محمد یعقوب اور ڈاکٹر محمد صابر، اقبال اکیڈمی کراچی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر معزالدین

مجلس ترقی ادب لاہور کے صدر حمید احمد خان، پاکستان اردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبداللہ، بزم اقبال لاہور کے منتظمین سید وقار عظیم ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی ڈاکٹر محمد اکرم ڈاکٹر شیخ محمد زمان ایرانی قونصل خانہ کے ثقافتی کونسلر محمد تفضل وغیرہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ انگریزی ''پریفیس'' میں کم وبیش وہی خیالات دہرائے گئے ہیں جو اس سے پیشتر ''اون سوز'' میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہ اون سوز کا خلاصہ ہے۔ اس کی زبان بھی صاف نہیں ہے۔ ٹائپ کا سٹائل قدرے عجیب ہے اور یہی انداز پوری کتاب کا بھی ہے اس میں ایک اقتباس یا اہم لائن قدرے جلی حروف میں ہے تو دوسری لائن کھلے کھلے انداز سے ہے جس سے بعض اوقات الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ ''پری فیس'' میں املاء کی غلطیاں بھی ہیں۔ مثلاً صفحہ xxiii پر redder لکھا ہے جبکہ یہ reader to' لکھا ہے جبکہ too' hareh لکھا ہے جو harsh ہونا چاہیے تھا۔ یہ لائن یوں ہے۔

He hopes that the redder will not be to, hareh on the minor erros of translation, printing and quotations.

جبکہ انگریزی کی لائن یوں ہونی چاہیے۔

He hopes that the **reader** will not be **too, harsh** on the minor **errors** of translation, printing and quotations.

اصل کتاب مقدمے سے شروع ہوتی ہے جو ۱۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں ترکیہ، ایران اور پاکستان کے ثقافتی تعلقات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سیر حاصل جائزے کے بعد پہلا باب شروع ہوتا ہے جس میں قراۃ خاں نے اقبال کے مختصر سوانحی حالات کا بیان بہت عالمانہ انداز میں کیا ہے۔ اس باب میں وہ اقبال کی دو مختلف تاریخ پیدائش درج کرنے کے بعد اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال نے خود میونخ یونیورسٹی جرمنی میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے اپنی تاریخ پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ لکھوائی تھی۔ بہتر یہی ہے کہ ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کی بجائے ۹ نومبر کی تاریخ ہی کو علامہ کی تاریخ پیدائش مان لیا جائے۔ اس کے بعد وہ علامہ کے والد علامہ کی ابتدائی تعلیم مزید تعلیم کے لیے لاہور پھر برطانیہ اور پی۔ ایچ ڈی کے لیے جرمنی جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ علامہ کا لاہور واپس آنا اور سیاست میں حصہ لینا پھر جنگِ بلقان اور جنگ طرابلس کے حوالے سے اقبال کے جذبات خصوصاً ترکوں کے حوالے سے ان کے خیالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد علامہ اور عاکف کے ایک دوسرے کو اپنی اپنی کتب ایک دوسرے کو بھجوانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب محمت عاکف ارصوئی مصر میں تھے۔ پھر اقبال کی کے اسفار کا ذکر ہے۔ خصوصاً گول میز کانفرنس اور نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان جانے کا احوال بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد مترجم نے اُن کی علمی سیاسی اور سماجی حوالے سے زندگی کے اہم پہلو بیان کیے ہیں۔ یہ حصہ باب ۱۵ سے ۳۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اس میں دو تصاویر بھی شامل ہیں۔ ایک میں اقبال اکیلے ہیں اور دوسری میں اقبال عطیہ بیگم کے ساتھ ہیں۔

دوسرے باب میں تصانیف اقبال کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ باب ۳۳ سے ۴۴ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ تصانیف کا تعارف کراتے ہوئے قراۃ خاں نے ہر تصنیف کی خصوصیات کی نشاندہی کی اور اس کے ادبی مقام کا تعین کیا۔ پہلے منظوم کتابوں کے بارے میں پھر منثور تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اور دوسری زبانوں میں ان کتابوں کے تراجم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں دو موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ پہلا موضوع اقبال کی ادبی شخصیت اور فن ہے دوسرا دنیا اور زندگی کے بارے میں اقبال کے نظریات پر مشتمل ہے۔ یہ صفحہ ۴۵ سے ۶۷ تک پھیلا ہوا تفصیلی باب ہے۔ اس باب میں قراۃ خاں نے بتایا ہے کہ اسلامی تعلیم وتربیت یورپ کی تعلیم اور علماء مشرقی علوم اور صوفیا نے مل کر اقبال کی ادبی شخصیت کی پرداخت کی۔ پھر اقبال کے نظریات زندگی پر روشنی

ڈالی گئی ہے۔اس باب میں بھی دو تصاویر موجود ہیں۔ایک میں علامہ اپنے ہم منصب دوستوں اور طلبہ کے ساتھ ہی جبکہ دوسری میں عبدالقادر قراۃ خان لاہور میں منعقدہ البیرونی کانفرنس کے مندوبین کے ساتھ مزار اقبال پر حاضری کی تصویر ہے۔

صفحہ ۶۹ سے ۱۷۵ تک اقبال کے فارسی اور اردو منظوم کلام مع ترکی ترجمے کی تفصیل یوں ہے۔

مثنوی ''اسرار خودی'' کے مندرجہ ذیل حصے:۔

(i) اسرار خودی کی تمہید کے ۱۹۳ اشعار میں سے ۴۸ سے لے کر ۷۶ تک انچاس اشعار جس کا پہلا اور آخری شعر مع ترکی ترجمہ یہ ہے:

پہلا شعر

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم
دفترِ سربستہ اسرارِ علوم(۱۳۹)

ترکی ترجمہ یوں ہے:

Pir-i Rûm (Mevlana Celaleddin) 'un feyzi ile billim sirlarmın gizli, .

kapali defterini yeniden okuyayim. (140)

(ترکی ترجمے کا اردو مفہوم:

میں پیر روم (مولانا جلال الدین رومی) کے فیض سے پھر وہ دفتر پڑھوں جس میں علوم کے اسرار بند ہیں)

دوسرا شعر

بر گرفتم پردہ از رازِ خودی
وا نمودم سرِّ اعجازِ خودی(۱۴۱)

ترکی ترجمہ یوں ہے:

Benlik (hodi) sirrindan perdeyi kaldirdim, Benlik mucizesinin sirrini

açikladim.(142)

(اردو مفہوم:

میں نے خودی کے راز سے پردہ اٹھایا اور خودی کی کرامت کا راز ظاہر کر دیا۔)

نوٹ: راز کو ترکی میں سرہی کہتے ہیں مگر یہاں ایک R اضافی ہے غالباً املا کی غلطی ہے۔)

(ii) اس کے بعد دس اشعار چھوڑ کر آخری ساتھ اشعار کا ترجمہ پیش کیا ہے۔یوں دیکھا جائے تو کل پینتیس اشعار کا ترجمہ مع فارسی متن دیا گیا ہے۔

(iii) ''در بیان این کہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد'' کے ابتدائی دس اشعار

(iv) درحقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ'' کے ابتدائی تیرا اشعار

(v) ''در شرح اسرار اسماے علی مُرتضیٰؓ' ابتدائی چھ اشعار

''رموز بے خودی'' سے حسب ذیل دو حصے ہیں:۔

(i) ''پیش کش بحضور ملت اسلامیہ'' میں سے مولانا روی اور عرفی کا ایک ایک درج ذیل شعر اور پیش کش کے ابتدائی سات اشعار۔

جہد کن در بیخودی خود رابیاب
زود تر و اللہ اعلم بالصواب (روی) (۱۴۳)

ترکی ترجمہ یوں ہے:۔

Çalış, bensizlikte kendini bul;

Elini çabuk tut, doğrusunu ancak Allah bilir. (Mevlana) (144)

(اردو کا مفہوم:
تو بے خودی کے حصول کے لیے کوشش کر اور یوں خود کو پالے۔ جلدی کر اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔)

منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق
ایں نشہ بمن نیست اگر باد گرے ہست (عرفی)

ترکی ترجمہ یوں ہے:۔

Eğer aşktan söz açsam inkar edilemez ki:

Bu nese bende yoksa, başkasinda var.(Urfi) (145)

(اردو کا مفہوم:
اگر میں عشق کا دعویٰ کرتا ہوں تو میں اس سے انکار نہیں کرتا ہوں۔ اگر کسی اور کو یہ نشہ ہے تو پھر یہ مجھے نہیں ہے۔)

(ii) ''تمہید کے حصے'' در معنی ربط فرد وملت'' ابتدائی بارہ اشعار

پیام مشرق:

(i) محاورہ مابین خدا و انسان

(ii) الملک للہ

(iii) عشق

(iv) خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ

(v) غزلیات میں سے وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

بیا کہ بلبلِ شوریدہ نغمہ پرداز است
عروس لالہ سراپا کرشمہ و ناز است (۱۴۶)

زبور عجم:

(i) حصہ دوم میں سے نظم نمبر ۱۹ جس کا پہلا شعر ہے:

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز

کاشانۂ مارفت بتاراجِ غماں خیز(۱۴۷)

(ii) غزل نمبر۲۹ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجوست
چوں ما نیاز مند و گرفتارِ آرزوست(۱۴۸)

(iii) نظم نمبر۳۰ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب(۱۴۹)

(iv) غزل نمبر۳۷ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ عقل است غلامِ من(۱۵۰)

مذکورہ شعر کا ترکی ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

Ben azat bir köleyim, aşk benim rehberim.

Rehberim aşk, kölem de akil. (151)

شعر کے ترکی ترجمے میں فارسی لفظ ''آزادم'' کا ترجمہ "azat" لکھا ہے جبکہ اس کی بجائے آج کل "serbest" استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے مصرعے میں "kolem" کی بجائے پہلے مصرعے کی طرح "koleyim" ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ ترکی زبان میں لفظ غلام اور بندہ دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔

جاوید نامہ:

(i) حصہ ''فلک عطارد'' میں سے ''سعید حلیم پاشا'' کے ذیل عنوان ''شرق وغرب'' ''زندہ رود'' اور ''افغانی'' کے ترجمے مگر اس میں سے چار اشعار جن میں سعید حلیم پاشا نے مصطفیٰ کمال پر تنقید کی ہے نکال دیئے گئے ہیں۔

(ii) حصہ ''فلک عطارد'' میں سے '' پیرروی بہ زندہ ی گوید کہ شعرے بیار'' اور ''غزل زندہ رود'' کا مکمل ترجمہ

(iii) حصہ ''فلک مشتری'' سے ''نوائے حلاج''

(iv) حلاج کے ابتدائی ۷ اشعار

(v) '' آن سوئے افلاک'' کے حصے سے نظم ''حضور'' کا پہلا بند جو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق:

(i) تمہید کے ابتدائی انیس اشعار

(ii) ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کے ذیل عنوان ''تمہید'' گیارہ اشعار جس کا آغاز ذیل کے شعر سے ہوتا ہے:

سوز و ساز و درد و داغ از آسیاست
ہم شراب و ہم ایاغ از آسیاست(۱۵۲)

مثنوی مسافر:

(i) ''برمزار شہنشاہ بابر خلد آشیانی'' کا ترجمہ

ارمغان حجاز:

ارمغان حجاز کے فارسی حصے سے بارہ رباعیاں جن کے پہلے مصرع حسب ذیل ہیں۔

(i) عطا کن شور رومی' سوز خسرو۔ ''حضور حق'' کی رباعی نمبر چھ

(ii) بہ راغان لالہ است از نو بہاراں ''حضور رسالتؐ'' کی رباعی نمبر چھ

(iii) گہی شعر عراقی را بخوانم ـــــ ''حضور رسالتؐ'' کی ساتویں رباعی

(iv) فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم ـــــ ''حضور رسالت''

(v) چو رومی در حرم دادم اذان من ـــــ ''ـــــ''

(vi) بکام خود دگر آن کہنہ می ریز ـــــ ''رومی'' کی پہلی رباعی ''حضور ملت'' کی رباعی نمبر ۵

(vii) نہنگی بچہ ی خود را چہ خوش گفت ـــــ ''حضور ملت'' کی رباعی نمبر ۱۸

تو در دریا نہ ئی او در برست ـــــ ''ـــــ'' ''ـــــ'' ''ـــــ''

(viii) دل آن بحر است کو ساحل نورزد ـــــ ''حضور عالم انسانی'' ''دل'' کی پہلی رباعی

(ix) چو قومی در گذشت از گفتگوھا ـــــ ''حضور عالم انسانی'' خودی کی دوسری رباعی

(x) مرا از منطق آید بوی خامی ـــــ ''یاران طریق'' رباعی نمبر ۱

(xi) اگر دانا دل و صافی ضمیر است ـــــ ''بہ یاران طریق'' رباعی نمبر ۲

بانگِ درا:

''بچے کی دعا' شمع و پروانہ'' بلاد اسلامیہ'' (کا چوتھا بند جس میں چار اشعار ہیں) ''ترانۂ ملی'' حضور رسالت مابؐ میں'' دعا'' ''محاصرۂ ادرنہ'' شامل ہیں۔

بالِ جبریل:

غزل نمبر ۴۴ ''جب عشق سکھاتا ہے اداب خود آگاہی''

غزل نمبر ۴۰ ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''

نظم ''پیر و مرید'' اور ''جاوید کے نام'' شامل ہیں۔

ضربِ کلیم:

نظم ''طالب علم'' اور امتحان''

ارمغانِ حجاز:

ارمغانِ حجاز کے حصہ اردو سے چھ رباعیاں جن کے پہلے مصرع یہ ہیں۔

(i) غریبی میں ہو محسود امیری

(ii) خرد کی تنگ دامانی سے فریاد

(iii) کہا اقبال نے شیخ حرم سے

(iv) تمیز خار و گل سے آشکار

(v) ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے

(vi) خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے

اقبال کی نثری تصانیف سے انتخاب:

یہ حصہ صفحہ ۱۷۶ سے ۲۰۱ تک پھیلا ہوا ہے۔

اقبال کے انگریزی خطبات: ''دی ریکنسٹریشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام'' کا پہلا اور پانچواں خطبہ۔

(i) نالج اینڈ ریلیجس ایکسپیریئنس

(ii) دی سپرٹ آف مسلم کلچر

یہ دونوں حصے مکمل نہیں ہیں۔ پہلے باب کا ترجمہ اقبال کے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن، مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور) کے صفحہ ۸ سے ۱۶ تک کی عبارت کا ہے۔ اور دوسرا ترجمہ خطبے کے آغاز یعنی صفحہ ۱۲۴ سے ۱۲۷ تک کی عبارت کا ہے۔

اقبال کے خطوط:

اس میں قائداعظم کے نام اقبال کے تین خطوط شامل ہیں پہلے خط کی تاریخ تحریر ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء ہے۔ دوسرے کی ۲۵ جون ۱۹۳۶ء اور تیسرے خط کی تاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء ہے۔ ان خطوط کے ترجمے کے ساتھ انگریزی متن بھی دیا گیا ہے۔

زیر بحث کتاب کے صفحہ ۲۰۳ سے ۲۱۷ تک ''کتابیات'' کا حصہ پھیلا ہوا ہے جس میں اقبال کی تصانیف کی مکمل فہرست مع سنِ طباعت دی گئی ہے۔ مضامین، مکتوبات اور تقاریر کے مطبوعہ مجموعوں کے علاوہ کتابیات میں تصانیفِ اقبال کے مختلف زبانوں میں تراجم کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو قراۃ خاں نے بڑے عالمانہ اور محققانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ کتاب کی اہم بات یہ ہے کہ اقبال کے نظم و نثر کے فارسی، اردو اور انگریزی میں اصل متن دے کر اس کے مقابل اگلے صفحے پر ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔ مترجم نے اقبال کی نظم ہو یا نثر دونوں کا ترجمہ نثر ہی میں کیا ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو یوں گمان ہوتا ہے جیسے کہ اشعار یا عبارت کا مفہوم آسان لفظوں میں یہ سمجھ کر لکھا گیا ہے کہ غالباً قاری اصل متن سے واقف ہے لہٰذا کسی طرح کا کوئی حوالہ یا وضاحتی نوٹ نہیں دیا گیا۔ ترجمے کی ترتیب کو واضح کرنے کے لیے مترجم نے متنِ اقبال اور اس کے ترجمے کے نیچے اشعار کے مصرعوں کے نمبر ۴، ۷، ۱۰ الکھ کر یہی ترتیب پوری کتاب میں قائم رکھی ہے۔ جس سے اس کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے تراجم میں فارسی اور عربی الفاظ و تراکیب کی بھرمار ہے اس لیے یہ تراجم فارسی اور عربی دان طبقے کے لیے پڑھنا اور سمجھنا آسان ہے۔ (اس کی مثال کے لیے راقم گذشتہ صفحات میں چند ایک اشعار بطور نمونہ پیش کر چکا ہے) جبکہ ترکی زبان میں مغرب پسندی کے زیر اثر ہونے والی اصلاح و تبدیلی کی بنا پر موجودہ نسل کے لیے یہ تراجم پڑھنا اور سمجھنا آسان نہیں رہا۔ کیونکہ آج کا ترک قاری فارسی اور عربی کی بوجھل تراکیب اور الفاظ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ (۱۵۳) ویسے بھی مترجم کا کام متن کے خیال کی اپنی زبان میں بہتر طریقے سے تفہیم ہوتا ہے۔ جس میں مترجم کافی حد تک کامیاب ہے مگر ترکی زبان میں جس تیزی سے تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں اس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ اب نظرِ ثانی کا محتاج ہے یا کم از کم اس کے آخر پر فارسی الفاظ و تراکیب کی فہرست بنا دی جائے جس میں مشکل تراکیب کے متبادل رائج الوقت ترکی زبان کے الفاظ ہونے چاہئیں۔

مترجم نے اقبال کی "پیام مشرق" کی نظم "عشق" کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ اپنی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر یوں دیا ہے۔

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تب رومیؔ تا حیرتِ فارابیؔ(۱۵۴)

ترکی ترجمہ:

Rumi (Mevlana)'nin coşkunluğundan Farabı'nin hayretine değin, senin ruhunda her niteliği uyaran aşktır. (155)

جبکہ ایک اور شعر "ارمغان حجاز" کے حصہ "حضورِ حق" کی ۶ ویں رباعی پہلے دو مصرے:

عطا کن شورِ رومیؔ سوزِ خسروؔ
عطا کن صدق و اخلاصِ سنائیؔ(۱۵۶)

Mevlana'nn coşkunluğunu ve (Nasir-i) Husrev'in yanisini bana ver. (157)

مذکورہ پہلے شعر میں ترکیب "تاب و تب" کے لیے لفظ "coskunlugu" استعمال کیا ہے۔ یہی لفظ انھوں نے درج بالا دوسرے شعر میں موجود لفظ "شورِ رومی" کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ حالانکہ ترکی لفظ "تب و تاب" کی بجائے "شورِ رومی" کے لیے مناسب ہے۔

ii. محمد اقبال دوغودین اسنتی لر

Muhammed ikbal Doğudan Esintiler

(Hayati, Eserleri ve Şirlerinden Seçmeler)

ڈاکٹر این۔احمد اسرار

اقبال کے اردو کلام کے منتخب حصوں کا ترکی زبان میں ترجمہ "Muhammed ikbal Dogudan Esintiler" یعنی ''محمد اقبال۔مشرق سے چلنے والی ہوائیں'' کے عنوان سے ڈاکٹر این۔احمد اسرار نے کیا ہے۔ یہ کتاب ''ترکیہ ایش بنکاسی یاین لری'' استنبول سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔

یہ کتاب اقبال کے اردو کلام ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم'' اور ارمغان حجاز'' کے منتخب اشعار کے ترکی زبان میں ترجموں پر مشتمل ہے۔ ۲۱۳ صفحات کی اس کتاب کے پہلے ۴۴ صفحات میں مترجم نے اقبال کے حالات زندگی' اقبال کی تصانیف' اقبال اور رومی' اقبال اور ترکی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔

نثار احمد اپنی کتاب ''محمد اقبال۔دوغودین اسنتی لر'' (محمد اقبال۔مشرق سے چلنے والی ہوائیں) کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ اب تک ترکی میں اقبال کے اردو کلام کا کوئی مستقل اور براہِ راست ترجمہ نہیں ہوا ہے۔اگر انھوں نے تحقیق کی ہوتی کہ ان کی کتاب چھپنے تک اقبال کے اردو کلام میں سے چند کتب اور انتخاب شائع ہو چکے ہیں ان میں سب سے پہلا ترجمہ اقبال کی کتاب ''ضربِ کلیم'' کا ہے جو ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے عبدالحمید عرفانی کے اردو سے فارسی میں کیے ترجمے کی مدد سے ترکی زبان میں تقریباً مکمل کتاب کا ترجمہ ہے جو ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد اقبال کے اردو و فارسی کلام کے انتخاب پر مبنی کتاب ''اقبال دین سچے لر'' میں اقبال کی چاروں اردو کتب کے انتخاب کا ترجمہ ہے۔اس کے علاوہ یوسف صالح قراجا کا ''بالِ جبریل کا اردو سے براہ راست ترجمہ ہے جو ۱۹۸۳ء میں ''جبریل کھندی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

مترجم ترکیہ میں ایک مدت سے رہ رہے ہیں۔انھوں نے ترکی کی انقرہ یونیورسٹی سے پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی اور وہ پاکستان سفارت میں ترکی زبان کے پاکستانی مترجم تھے۔انھوں نے ترک صوفی شاعر ''یونس امرہ'' کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو اکادمی ادبیات اسلام آباد سے شائع ہو چکا ہے۔

''دوغودین اسنتی لر'' کے چار حصے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے۔

حصہ اول: ''بانگِ درا''

ہمالہ' ہمدردی (بچوں کے لیے)' شمع و پروانہ' عقل و دل' انسان اور بزم قدرت' شاعر' موج دریا' سرگزشت آدم' نیا شوالہ' ایک پرندہ اور جگنو' حقیقتِ حسن' طلبہ علی گڑھ کالج کے نام' اخترِ صبح' چاند اور تارے' حضور رسالت مآبؐ میں' بلادِ اسلامیہ' ترانۂ ملی' وطنیت' رات اور شاعر' انسان' مسلم' دعا' محاصرۂ ادرنہ' ارتقا' بلالؓ' مذہب

حصہ دوم: ''بالِ جبریل''

غزلیات کا پہلا حصہ: غزلیات کا پہلا حصہ: غزل نمبر ۷۷۔۱۳ غزلیات کا دوسرا حصہ: ۵۔۷۔۱۰۔۱۲۔۱۳۔ ۱۶۔ ۲۴۔ ۲۶۔۲۹۔۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳۔۳۴۔۳۸۔۴۰۔۴۳۔۴۴۔۴۷۔۴۸۔۵۰۔۵۲۔۱۵۸ اور چار رباعیاں۔

نظمیں:

ہسپانیہ' طارق کی دعا' لینن (خدا کے حضور میں)' فرمان خدا (فرشتوں سے)' الارض للہ' ایک نوجوان کے نام' روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے' پنجاب کے دہقان سے' تاتاری کا خواب' حال ومقام' العلامعری' باغی مرید' پاروں کی آخری نصیحت، آزادی' انکار۔

حصہ سوم: ''ضرب کلیم''

صبح' لاالہ الااللہ، تن بہ تقدیر' زمین وآسمان' اجتہاد' مسلمان کا زوال' شکر وشکایت' توحید' علم اور دین' آزادی شمشیر کے اعلان پر' جہاد' قوت اور دین' اسلام' حیات ابدی' افرنگ زدہ' نماز' دنیا' کردار' فلسفہ' کافر ومومن' مومن' مذہب اسلام' نبوت' آدم' مکہ اور جینوا' مرد مسلمان' امرائے عرب سے' احکام الٰہی' موت' زمانۂ حاضر کا انسان' اسرار پیدا' سلطان ٹیپو کی وصیت' آزادی فکر' تربیت' مرگ خودی' عصر حاضر' طالب علم' مدرسہ' حکیم نطشہ' ایک سوال' خلوت' تخلیق' فنون لطیفہ' جدت' مصور' شاعر' شعر عجم' ذوق نظر' رقص وموسیقی' نفسیات غلامی' آج اور کل' غلاموں کے لیے' خواجگی' ابی سینا' ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام' جمعیت اقوام شرق۔

حصہ چہارم: ''ارمغان حجاز''

یہ مختصر حصہ ہے اس میں نظم' ابلیس کی مجلس شوریٰ' حضرت انسان' دو رباعیاں اور غزل نمبر ۱۵ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سہواً یا پبلشرز کی غلطی سے ''ضرب کلیم'' کی ۸ نظمیں (جمہوریت' گلہ' نصیحت' ایک بحری قزاق اور سکندر' جمعیت اقوام' غلاموں کی نماز' مشرق ومغرب' فلسطینی عرب) اور تین غزلیں (''محراب گل افغان کے افکار'' کی ساتویں' دسویں اور سولہویں غزلیں) بھی ''ارمغان حجاز'' کے تحت پیش کی گئیں ہیں۔ ترجمے کا آغاز اقبال کے اردو کلام ''بانگ درا'' کی پہلی نظم ''ہمالہ'' سے ہوتا ہے اس نظم کا پہلا شعر ہے:۔

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستاں!
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں (۱۵۸)

مترجم نے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ یوں دیا ہے۔

Ey Himalaya, ey Hint ūlkesinin Seddi,
Öpüyor alnini alçalarak gök! (159)

(اردو مفہوم:

اے ہمالیہ، اے ملک ہند کی فصیل تری پیشانی کو آسمان جھک کر چومتا ہے)

اقبال کی نظم ''حضور رسالت مآب میں'' جو طرابلس کی جنگ کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم کے اشعار اقبال کی ترکیہ سے محبت اور جذباتی تعلق کا آئینہ دار ہیں۔ ذیل میں دیئے گئے اشعار ترکیہ میں بڑے معروف ہیں۔

''حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں

جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"(۱۶۰)

ڈاکٹر این اسرار نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

(Dedim) "Ya Muhammed, Dünyada yok rahatlik,
Bütün özlemlerimden ümüdü kestim artik!..

Varlik bahçesinde binlerce gül, lale var;
Ama ne renk, ne kökü... Hepsi de vefasızdir.

Yalniz bir şey getirdim, kutlanmiştir tekbirle,
Bir şişe kan ki, eşi yoktur cennete bile!

Bu senin ümmetinin namusu, vicdanidir.
Bu, Trablus şehidi, Mehmetçiğin kanidir!" (161)

(اردو مفہوم:

(عرض ہے) یا محمدؐ، دنیا میں راحت نہیں ہے۔ تمام آسودگیوں سے امید ختم ہو چکی ہے۔ دنیا کے باغوں ہزاروں گل ہیں لالے ہیں مگر ان میں وفا کا رنگ اور خوشبو نہیں ہے۔ آپؐ کے نذرانے کے لیے ایک چیز لایا ہوں جو جنت میں بھی نہیں ملتی۔ وہ طرابلس کے شہیدوں کی ایک شیشی خون ہے۔)

مذکورہ دونوں مثالوں میں دیے گئے ترکی اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں موجود شعری آہنگ اور قافیے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مترجم نے کتاب کے آخر پر "ارمغان حجاز" کی نظم "حضرتِ انسان" کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔ اس نظم کا پہلا شعر ہے۔

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی!
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی (۱۶۲)

ڈاکٹر این۔ نثار اسرار نے اس کا ترکی ترجمہ یوں دیا ہے۔

Dünyada bilim ve teknik ne kadar ilerlemiştir!
Bu aydınlık dünyasında hiçbir şey gizli kalamaz...(163)

(اردو مفہوم:

دنیا میں علم اور ٹکنیک کس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی چیز بھی چھپ نہیں سکتی ہے۔)

مذکورہ مثالوں میں پہلی دونوں نظموں کے اشعار میں قافیہ اور شعری آہنگ موجود ہے۔ جبکہ تیسری نظم میں بھی شعری آہنگ پایا جاتا ہے مگر قافیے کا التزام نہیں کیا۔ مترجم نے اپنے "پیش لفظ" میں اعتراف کیا تھا کہ یہ تراجم منظوم نہیں ہیں۔" اس کے باوجود انھوں نے اقبال کے منتخب اردو کلام کے مناسب تراجم پیش کیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے کتاب میں زیادہ تر اشعار کے ترجمے منظوم دیے ہیں۔

iii. محمد اقبال ''عشق وے طت کو''

اون اوزن منظومے

مترجم: ڈاکٹر جلال سوائیدان

Muhammed ikbal

Aşk ve Tutku

On Uzun Manzume

یہ کتاب علامہ اقبال کی تصانیف ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل'' اور ''ارمغانِ حجاز'' کی طویل نظموں کے ترکی ترجمے پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بعنوان "Muhammed ikbal" Aşk ve Tutku" یعنی ''محمد اقبال اور ذوق وشوق'' ۔آق جا'' استنبول سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اقبال کی دس طویل اردو نظمیں شکوہ، شمع وشاعر، جوابِ شکوہ، والدہ مرحومہ کی یاد میں، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام، ذوق وشوق، مسجدِ قرطبہ، ساقی نامہ اور ابلیس کی مجلس شوریٰ کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ دیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں انقرہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر بختیار اشرف مترجم کا علمی وادبی تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ڈاکٹر جلال سوئیدان اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو کر چکے ہیں۔ وہ ایک عرصہ سے علامہ اقبال کے موضوعات پر کام کررہے ہیں اور اردو زبان سے واقف ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اس کتاب میں دی گئی علامہ کی طویل نظموں کا ترجمہ اردو کلیاتِ اقبال سے کیا ہے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''ترجمہ اصل متن کی جگہ تو نہیں لے سکتا مگر ترجمے سے لکھنے والے کے خیالات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر سوئیدان نے اقبال کے کلام میں موجود فلسفے کی روح کو سمجھتے ہوئے ان نظموں کے ترجمے کامیابی سے کیے ہیں۔ جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔''(۱۶۴)

اس کے بعد مصنف کا ''پیش لفظ'' ہے۔ جس میں انھوں نے علامہ اقبال کی شعری اہمیت بیان کرنے کے بعد ان کی شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کی نظم نگاری میں مقصدیت کا پہلو نمایاں ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں نظموں کے تراجم کی سیاسی اہمیت بیان کرتے ہیں لکھا ہے کہ ''کتاب میں ترجمہ کی گئی نظمیں اقبال نے ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۳۶ء کے دوران میں لکھیں ہیں۔ یہ وہ دور تھا کہ جب عالمِ اسلام بحرانی دور سے گزر رہا تھا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہر نظم کے ترجمے سے پہلے اس نظم کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔''(۱۶۵)

اس کے بعد اقبال کے حالات زندگی ''اقبالِ دائر'' کے عنوان سے دیئے گئے ہیں۔ اس میں اقبال کے آباؤ اجداد، پیدائش اور تعلیم، سیاسی فعالیت، اقبال کی بیماری اور آخری ایام وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعدازاں ''اثرلری وتمسل اوزیل لک لری'' عنوان کے تحت اقبال کی اردو، فارسی تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد "ikbal Ve Mesajının Önemi" یعنی اقبال کا پیغام اور اس کی اہمیت ۲ صفحات میں بیان کی ہے۔ کتاب میں سب سے پہلے ''شکوہ'' کا منظوم ترکی ترجمہ دیا گیا ہے مگر ترجمے سے پہلے اس نظم کا پس اڑھائی صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی ترتیب پوری کتاب میں قائم رکھی گئی ہیں یعنی پہلے نظم کا پس منظر اور بعد میں اس کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

نظموں کے پس منظر کے حاشیے میں مترجم نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ان کتب کے نام درج کردیے ہیں۔ ان کتب میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب ''اقبال کی طویل نظمیں۔ توضیحی وتنقیدی مطالعہ کا ذکر بھی شامل ہے جو گلوب پبلشرز لاہور سے شائع ہوئی تھی۔

کتاب میں نظموں کا منظوم ترجمہ خوب کیا گیا ہے۔ احمد بختیار نے پیش لفظ میں درست لکھا ہے کہ اقبال کی فکر کو سمجھ کر ان نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ لہٰذا پڑھتے ہوئے اقبال جیسے شعری آہنگ اور جذبے کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت سوم، ۱۹۸۳ء، صفحہ: ۲۰۱

۲۔ ایضاً، صفحہ: ۲۰۲۔۲۰۳

۳۔ ایضاً، صفحہ: ۳۳۵

۴۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام خط بحوالہ شیخ عطاء اللہ، اقبالنامہ، شیخ محمد اشرف، تاجر کتب، مری بازار، لاہور، حصہ اول، صفحہ: ۴۷۶

۵۔ وحید عشرت، مرتب، اقبال ۷۵، طبع اول، اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۹ء

۶۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود، جلد دوم، ص۔ ۲۱۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء

۷۔ شیخ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی، رموز بے خودی)، صفحہ: ۸۰

۸۔ اختر راہی، مرتب، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، بزم اقبال، لاہور، طبع اول، مارچ ۱۹۷۸ء، صفحہ: ۲۵

۹۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ''شرح پیام مشرق'' عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، طبع دوم ۱۹۴۱ء، صفحہ: ۱۱، ۱۲

۱۰۔ فوسٹ مشہور و معروف ڈراما ہے۔ اس ڈرامے میں گوئٹے نے حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کی امکانی نشوونما کے تمام مدارج اس خوبی سے بیان کئے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمال فن، خیال میں نہیں آ سکتا۔

۱۱۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، مرتب، نقد اقبال حیات اقبال میں، ''تبصرہ پیام مشرق'' مترجم محمد حبیب اللہ رشدی از اے آر نکلسن، صفحہ: ۳۲۴

۱۲۔ شیخ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی۔ جاوید نامہ)، صفحہ: ۶۰۲

۱۳۔ ایضاً، صفحہ: ۶۰۷

۱۴۔ ایضاً، صفحہ: ۶۵۳

۱۵۔ شیخ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی۔ جاوید نامہ) صفحہ: ۶۵۳

۱۶۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ''شرح پس چہ باید کرد مع مسافر'' عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۸۲ء، صفحہ: ۸۰۷

۱۷۔ محمد اقبال ''کلیات اقبال۔ فارسی'' صفحہ نمبر

۱۸۔ جاوید اقبال، ''زندہ رود''، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، حصہ سوم، اشاعت دوم، ۱۹۸۷ء، صفحہ: ۶۶۸

19. Muhammad Ikbal: Esrar ve Rumuz; Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Ahmed Said Matbaasi Istanbul 1964, Sayfa 4

20. ......do....... Muhammad ikbal: Esrar ve Rumuz; Ceveri: Dr. Ali Nihad Tarlan, , Sayfa 7

۲۱۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی ''رومی عصر (شرح احوال و آثار علامہ اقبال شاعر ملی پاکستان)'' اقبال اکادمی کراچی، ۱۹۵۳ء، صفحہ: ۱

22. Muhammad ikbal: Esrar ve Rumuz; Çeveri: Dr. Ali Nihad Tarlan, 1964, Sayfa 7

23. = do = 9.

24. = do =

25. = do =, Sayfa, 11-18

26. = do =

27. ......do

28. ......do......

29. ......do......Sayfa 5

30. ......do......

۳۱۔ علامہ محمد اقبال" کلیات اقبال۔فارسی"، صفحہ:۱۳۳

32. Muhammad Ikbal: Esrar ve Rumuz, Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 113

۳۳۔ علامہ محمد اقبال" کلیات اقبال۔فارسی"، صفحہ:۵

34. Muhammad Ikbal: Esrar ve Rumuz, Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 19

35. Muhammad Ikbal: Esrar-i Hodi (Benligin Sirlari); Çeviri, Ahmet Metin Sahin, Irmak yayinlari Bursa 1998, Sayfa 16

۳۶۔ علامہ محمد اقبال "کلیات اقبال۔فارسی"، صفحہ:۵۱

37. Muhammad Ikbal: Esrar ve Rumuz, Çeviri, Dr. Ali Nihad, Sayfa 52

38. ....do

39. ....do Sayfa 4

40. Muhammed ikbal, islami Benligin içyüzü, Çeviren Dr. Ali Yuksel, Fitrat Yayınlari, istanbul, 1986, Sayfa 9

41.= do =, Sayfa 10

42. = do =, Sayfa 11

43. = do =, Sayfa 18

۴۴۔"کلیاتِ اقبال۔فارسی"، صفحہ:۱۵

45. Muhammad ikbal, islami Benliğin içyüzü, çeviren: Dr Ali Yuksel, Sayfa 3

46.Muhammad Ikbal: Cebrail'in Kanadı, Çeviri, Yusuf Salih Karaca, Sayfa 11

۴۷۔ راقم الحروف کے نام ڈاکٹر محمد صابر کے خط کا متن (ضمیمہ) ملاحظہ کریں۔

48. Muhammad Ikbal: Sarktan Haber; Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan,Istanbul, 1956 Sayfa 14

۴۹۔ علامہ محمد اقبال،"کلیاتِ اقبال۔فارسی"، صفحہ:۲۳۲

50 .Muhammad Ikbal: Sarktan Haber; Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan,Istanbul, Sayfa 15

51. = do =

52. Av. Yusuf Zia Inan: Prof. Dr. ALi Nihad Tarlan, istanbul, Sayfa 110

۵۳۔ علامہ محمد اقبال" کلیات اقبال۔فارسی"، صفحہ:۱۹۶

54. Muhammad Ikbal: Ikbal'den Siirler-Sarktan Haber ve Zebur-u Acem; Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, İs Bankasi Kultur Yayinlari Istanbul 1971, Sayfa 28

55.Dr. Muhammad Ikbal: Tur Lalesi (Rubiler); Çeviri; Basri Gocul, Bursa 1970, Sayfa 3

56. Muhammad ikbal, Çeveri: Basri Gocul, Pakistan Milli Sairi, ikbalin Hikmetli Siirleri, 1970, Sayafa 9

۵۷۔کلیات اقبال فارسی، صفحہ:۲۸۳

58. Muhammad ikbal, Çeveri: Basri Gocul, Pakistan Milli Sairi, ikbalin Hikmetli Siirleri,Sayafa 9

59. Muhammad ikbal, Çeveri: Basri Gocul, Pakistan Milli Sairi, ikbalin Hikmetli Siirleri, Sayafa 9

۶۰۔کلیات اقبال فارسی، صفحہ:۲۸۳

61. Muhammad ikbal, Ceveri: Basri Gocul, Pakistan Milli Şairi, ikbalin Hikmetli Siirleri, Sayafa 9

62. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Secmeler, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 33

۶۳۔ علامہ محمد اقبال ''کلیات اقبال۔فارسی''،صفحہ:۳۹۶

64. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Seçmeler, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 33

65. Muhammad Ikbal: Ikbal'den Şiirler- Şarktan Haber ve Zebur-u Acem, Ceviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 149

66. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Şecmeler, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 13

67. Muhammad Ikbal: Ikbal'den Şiirler- Şarktan Haber ve Zebur-u Acem, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 224

۶۸۔ علامہ محمد اقبال،مترجم یوسف سلیم چشتی''شرح زبور عجم''عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور،س ن،صفحہ:۳۰۲

69. Muhammad Ikbal: Yeni Gülşen-i Raz; Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, B. Kervan Matbaasi Istanbul 1959, Sayfa 5

۷۰۔ علامہ محمد اقبال:''کلیات اقبال۔فارسی''،صفحہ:۵۵۱

71. Muhammad Ikbal: Yeni Gülşen-i Raz, Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 19

72. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Seçmeler; Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 5

73. ......do......, Sayfa, Sayfa 5

74. ......do......, Sayfa, 11-12

75. ......do......, Sayfa, 18-19

76. ......do......, Sayfa, 33

۷۷۔ علامہ محمد اقبال:''کلیات اقبال۔فارسی''،صفحہ:۵۰۶

78. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Seçmeler, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 32

۷۹۔ علامہ محمد اقبال:''کلیات اقبال۔فارسی''،صفحہ:۴۵۸

80. Dr. Muhammad Ikbal: Zebur-u Acemden Seçmeler, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 37

81. Muhammed ikbal, Çeviri: Prof. Dr. Annamarie Schimmel, "CavidName", Kırkambar Yayinlari, Istanbul, 1999, Sayfa 16

82. ......do......, Sayfa 17

83. ......do......, Sayfa 43

84. = do =, Sayfa 44

85. = do =, Sayfa 45

۸۶۔ محمد اقبال ''کلیات اقبال۔ فارسی''، صفحہ: ۵۹۵

87. = do =, Sayfa 57

88. Allama Dr. Muhammed ikbal, Çeviri: Ahmet Metin Sahin, "Muhammed ikbal KÜLLIYATi", Irmak, Yayinlari, Istanbu, 2010, Sayfa 302

89. Muhammed ikbal, Çeviri: Prof. Dr. Annamarie Schimmel, "CavidName", Sayfa 16

۹۰۔ محمد اقبال ''کلیات اقبال۔ فارسی''، صفحہ: ۶۰۱

91. Muhammed ikbal, Çeviri: Prof. Dr. Annamarie Schimmel, "CavidName", Sayfa 75-76

92. Muhammed ikbal, Cavidname, çeviri: Hilal Toker: Kaknus Yayinlari, istanbul 2002, Sayfa 9

93. = do =, Sayfa 9

94. Muhammed ikba, Çeviri: Halil Toker, Sile Yayinlari 1999, Sayfa 11

۹۵۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، ''داستانِ اقبال'' نشریات، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹ء، صفحہ: ۲۹

96. Muhammad ikbal,Çeveri: Ali Genceli: Yolculuk Hatirasi, Ülku Matbaasi, Istanbul, 1970, Sayfa 9

97. = do =

98. = do =, Sayfa 27

99. = do =, Sayfa 29

100. = do =, Sayfa 20

101. = do =, Sayfa 35

۱۰۲۔ عبدالشکور، ڈاکٹر، ''اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ'' اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء، صفحہ: ۱۷۶

103. Muhammad Ikbal: Allama Doktor Muhammad Ikbal'in Uc Eseri; Yolcu - Ey Sark Kavimleri - Kölelik; Çeviri, Prof. Dr. Ali. Nihad Tarlan, Istanbul 1976, Sayfa 25

104. ...... do ......

105. ...... do ......

۱۰۶۔ علامہ محمد اقبال، ''کلیات اقبال۔ فارسی''، صفحہ: ۸۶۰

107. Muhammad Ikbal: Allama Doktor Muhammad Ikbal'in Üç Eseri; Yolcu - Ey Şark Kavimleri - Kolelik, Çeviri, Prof. Dr. Ali. Nihad Tarlan, Sayfa 38

108. Muhammad Ikbal-i Lahori: Hicaz Armağani, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, İstanbul 1968, Sayfa 5

109. ...... do ...... Sayfa 7-8

110. ...... do ...... Sayfa 23

111. ...... do ...... Sayfa 29

112. ...... do ...... Sayfa 60-61

113. ...... do ...... Sayfa 30

114. ----- do ----- Sayfa 38

۱۱۵۔ علامہ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔ فارسی''، صفحہ: ۹۳۳

۱۱۶۔ ------ ایضاً...... صفحہ: ۸۹۷

117. Muhammad İkbal: Muhammad İkbal ve Eserlerinden Seçmeler; Çeviri, Dr. Abdülkadir Karahan, Genclik Basimevi İstanbul 1974, Sayfa 127

118. Muhammad Ikbal-i Lahori: Hicaz Armağani, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 26

۱۱۹۔ علامہ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔ فارسی''، صفحہ: ۹۲۹

120. Muhammad Ikbal: Muhammad Ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, Çeviri, Dr. Abdülkadir Karahan, Sayfa 127

121. Muhammad İkbal-i Lahori: Hicaz Armağani, Çeviri,Prof. Dr.Ali Nihad Tarlan,Sayfa35

۱۲۲۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ضرب کلیم اور احمدیت مرتب، ڈاکٹر تحسین فراقی، نقد اقبال حیات اقبال میں، بزم اقبال لاہور، ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۲۰۵، ۲۰۶

۱۲۳۔ محمد طاہر فاروقی ''سیرت اقبال''، صفحہ: ۳۰۲۔۳۰۳

۱۲۴۔ ثروت صولت ''ترکی اور ترک''، صفحہ: ۳۲۸

125. Muhammad İkbal-i Lahori: Darb-i Kelim; Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, İstanbul Matbaasi, İstanbul 1968, Sayfa 7

۱۲۶۔ علامہ محمد اقبال، مترجم: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ''ترجمہ فارسی ضرب کلیم و شرح احوال اقبال'' اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء، صفحہ: ۲

127. Muhammad Ikbal-i Lahori: Darb-i Kelim, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 15

۱۲۸۔ علامہ محمد اقبال، مترجم: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ''ترجمہ فارسی ضرب کلیم''، صفحہ: ۲۸

129. Muhammad İkbal-i Lahori: Darb-i Kelim, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 59

۱۳۰۔ علامہ محمد اقبال، مترجم: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ''ترجمہ فارسی ضرب کلیم''، صفحہ: ۱۴۷

۱۳۱۔ محمد طاہر فاروقی ''سیرت اقبال''، صفحہ: ۲۸

132. Muhammad İkbal-i Lahori: Darb-i Kelim, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 58

۱۳۳۔ علامہ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔ اُردو''، صفحہ: ۶۲۸

۱۳۴۔ علامہ محمد اقبال، مترجم: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ''ترجمہ فارسی ضرب کلیم''، صفحہ: ۱۴۹

135. Muhammad Ikbal-i Lahori: Darb-i Kelim, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 59

۱۳۶۔ علامہ محمد اقبال: ''کلیات اقبال۔ اُردو''، صفحہ: ۶۰۷

137. Muhammad Ikbal: Su Masmavi Gökyüzünü Kendi Yurdum Sanmiştim Ben; Çeviri, Halil Tokar, Şule Yayinlari Istanbul 1999, Sayfa 107

138. Muhammad İkbal-i Lahori: Darb-i Kelim, Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Sayfa 8

۱۳۹۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۸

140. Abdulkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, Gencliik Basimevi, istanbul, 1974, Sayfa: 70.

۱۴۱۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۱۰

142. Abdülkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, , Sayfa: 73.

۱۴۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۸۰

144. Abdülkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, , Sayfa: 83.

145. = do =

۱۴۶۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، صفحہ: ۳۳۷

۱۴۷۔ ایضاً، صفحہ: ۳۷۳

۱۴۸۔ ایضاً، صفحہ: ۳۸۵

۱۴۹۔ ایضاً، صفحہ: ۳۸۶

۱۵۰۔ ایضاً، صفحہ: ۵۳۱

151. Abdülkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, Gencliik Basimevi, Sayfa: 105.

۱۵۲۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۸۳

۱۵۳۔ راقم نے عبدالقادر قراہ خاں کی مذکورہ کتاب یا اس کی عکسی نقول انقرہ اور استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو یا الہیات میں دیکھے ہیں۔

۱۵۴۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۳۰۳

155. Abdülkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, Sayfa: 88.

۱۵۶۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، صفحہ: ۸۹۷

157. Abdulkedir Karahan, Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler, Sayfa: 127.

۱۵۸۔ محمد اقبال: "کلیات اقبال۔ اردو"، صفحہ: ۳۱

159. Muhammad ikbal, Çeveri: Dr. N. Ahmed Asrar, Doğu'dan Esintiler, Türkiye iŞ Bankasi, Kültür Yayinlari, Ankara, 1988, Sayfa: 47

۱۶۰۔ محمد اقبال: "کلیات اقبال۔ اردو"، صفحہ: ۱۹۷

161. Muhammad ikbal, Çeveri: Dr. N. Ahmed Asrar, Doğu'dan Esintiler, Sayfa: 53

۱۶۲۔ محمد اقبال: "کلیات اقبال۔ اردو"، صفحہ: ۲۹۳

163. Muhammad ikbal, Çeveri: Dr. N. Ahmed Asrar, Doğu'dan Esintiler, Sayfa: 213

164. Muhammed ikbal, "Ask Ve Tutku-on Uzun Manzume", Çeviri: Dr. Celal Soydan, Akcağ, istanbul 1999, Sayfa VIII

165. Muhmmed ikbal, çeviri; Dr. Celal, Aşk Ve Tulku, Sayfa ix

باب چهارم

نثر اقبال کے تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

(الف) دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس اِن پرشیا

i. اسلام فلسفے سینے برقا تک (۱۹۹۷ء) اَز جودات نازلی

(ب) سٹرے ریفلیکشن

i. ینسمالر۔گینجلک نوٹ لر (۲۰۰۱ء) اَز خلیل طوق اَر

(ج) ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اسلام

i. اسلامن روحو (۱۹۶۳ء) اَز ای۔اے

ii. اسلام دادینی تفکر اُن ینی دین تشکیلو (۱۹۶۴ء) اَز صوفی حوری

iii. اسلام دادینی دشنجے نن ینی دین دوغوشو (۱۹۸۴ء) اَز ڈاکٹر این۔احمد اسرار

(د) مکاتیب اقبال

i. مکتوپ لر۔ (۲۰۰۲ء) اَز خلیل طوق اَر

(الف) دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس ان پرشیا

علامہ اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی میں بی۔اے کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالہ بہ عنوان ''The development of Metaphysics in Persia'' ۱۹۰۸ء میں (اس زمانے کے رواج کے مطابق) چھپوا کر پیش کیا تھا۔ اقبال نے اساتذہ کی ہدایات پر اس مقالے میں کچھ تبدیلی کر کے میونخ یونیورسٹی (جرمنی) میں اگلے سال جون میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے جمع کروایا۔ اس مقالے میں تمہید کے علاوہ چھ ابواب ہیں جن میں قبل از اسلام فلسفۂ ایران' یونانی ثنویت' اسلام میں عقلیت کا عروج و زوال' تصوریت اور حقیقت کے مابین تنازع' تصوف اور مابعد کا ایرانی تفکر جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ یوں ان چھ ابواب میں زرتشت' مانی و مزدک سے لے کر انیسویں صدی کے مذہبی مفکرین محمد علی باب شیرازی اور بہاء اللہ تک کا ذکر ہے۔ گویا ایک وسیع موضوع زیر بحث ہے لیکن چھوٹی تقطیع کے ۲۲۸ صفحات میں (علاوہ تمہید) ان تمام مباحث کو سمویا گیا ہے۔ ایسے میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر مسئلے اور ہر فرد کے بارے میں مقالہ نگار کی رائے کو حرف آخر سمجھنا فضول ہوگا۔ خاص طور پر اس حقیقت کے پیش نظر کہ مقالے کی تکمیل و اشاعت کے بعد بعض بنیادی مسائل کے بارے میں خود مقالہ نگار کے نظریات بھی بدل گئے ہوں' جس کا اندازہ میر حسن الدین کے نام اقبال کے اس خط کے جواب سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے اقبال سے اس مقالے کے ترجمہ کی اجازت چاہی تھی۔

> ''یہ کتاب آج سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے' اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آ چکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی' طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب صرف تھوڑا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔''(۱)

اقبال نے ''ایران میں مابعد الطبیعیات'' کے ارتقا کی تحقیق کے سلسلے میں زیادہ تر مستشرقین کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق کی رسائی کی حد تک اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مثلاً دوسرے باب میں ابن سینا' ابن مسکویہ اور فارابی جیسے حکماء کی فکر پر جہاں نوفلاطونی اثرات کی نشاندہی کی ہے وہاں واضح الفاظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''پھر بھی ان پر کورانہ تنقید کا الزام لگانا ناانصافی ہوگی۔ ان کی تاریخ فکر اس مجموعہ خرافات میں سے نکل آنے کی ایک مسلسل کوشش ہے' جو یونانی فلسفہ کے مترجمین کی لاپرواہی کا نتیجہ تھا۔''(۲) اس بحث کو انا میری شمل کے الفاظ میں سمیٹتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ ''یہ مقالہ ایران کے سلسلے میں مستشرقین کی دلچسپی کا ہی مظہر نہیں' اقبال شناسوں کے لیے بھی یہ لمحۂ فکر یہ فراہم کرتا ہے' کیونکہ یہ کتاب فلسفۂ اقبال کا نقطۂ آغاز کہی جا سکتی ہے۔(۳)

''ری کنسٹرکشن'' کا اردو ترجمہ میر حسن الدین نے 'فلسفۂ عجم' کے عنوان سے ۱۹۳۶ء میں کیا ہے۔ وہ اپنے ترجمے میں ''مابعد الطبیعات'' کے مضامین کی فہرست یوں دیتے ہیں۔

فہرست

تمہید

حصہ اول
قبل اسلامی فلسفہ ایران

باب اول۔ ایرانی ثنویت
۱۔ زرتشت

۲۔ مانی و مزدک

حصہ دوم

یونانی ثنویت

باب دوم۔ ایران کے نوفطلانی ارسطاطالیسیئں

۱۔ ابن مسکویہ

الف۔ انتہائی علت کا وجود

ب۔ انتہائی حقیقت کا علم

ج۔ وحدت سے کثرت کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

د۔ روح

۲۔ ابن سینا

باب سوم۔ اسلام میں عقلیت کا عروج و زوال

۱۔ فلسفۂ عقلیت۔ مادیت

۲۔ ہم عصری تحریکات فکر

۳۔ عقلیت کے خلاف ردعمل۔۔۔اشاعرہ

باب چہارم۔ تصوریت اور حقیقت کے مابین تنازع

الف۔ جوہر کی ماہیت

ب۔ علم کی ماہیت

ج۔ عدم کی ماہیت

باب پنجم۔ تصوف

۱۔ تصوف کا ماخذ اور قرآن سے اس کا جواز

۲۔ صوفیانہ مابعد الطبعیات کے پہلو

الف۔ حقیقت بطور شاعر الذات ارادے کے

ب۔ حقیقت بطور جمال کے

ج۔ حقیقت بطور نور یا فکر کے

۱۔ حقیقت بہ حیثیت نور کے ___ الاشراق

ایرانی ثنویت کی طرف رجعت

وجودات

کونیات

نفسیات

۲۔ حقیقت بہ حیثیت فکر کے۔۔۔الجیلی

باب ششم۔ مابعد کا ایرانی تفکر

خاتمہ۔(۳)

i. اسلام فلسفے سینے برقا تک

The Development of Metaphysics in Persia

مترجم: جودات نازلی

Muhammad ikbal

اقبال کی کتاب ''مابعد الطبیعات'' کا ترجمہ ''جودات نازلی'' نے ۱۹۹۷ء کو ''اسلامی فلسفے سینے برقا تک'' کے عنوان سے کیا جو ''انسان یاین لری'' استنبول سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے عنوان کے نیچے توسین میں "iran'da Metafizik İlimlerin Tekamulu" یعنی ''ایران میں مابعد الطبیعات کے علم کا ارتقاء'' دیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ''محمد اقبال'' عنوان کے تحت علامہ اقبال کے سنین وار مختصر حالات زندگی، اور ان کی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگلے صفحہ پر کتاب کی فہرست دی گئی ہے جو ایم۔ ایم شریف کے ''پیش لفظ'' کے ساتھ شائع ہونے ہوالی انگریزی کتاب کے مطابق ہے۔ اقبال کا یہ مقالہ شریف صاحب کے ''پیش لفظ'' کے ساتھ لاہور سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔

مترجم نے کتاب کے آغاز میں ایم۔ ایم شریف کے ''پیش لفظ'' کا مکمل ترجمہ دیا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ مقالہ فلسفہ کے حوالے سے اقبال کا ابتدائی کام ہے۔ اس میں اقبال نے ماضی کے عجمی اور اسلامی فلسفیوں کا ذکر ان کی تعلیمات کی روشنی میں کیا ہے۔ اس کتاب میں اقبال ایران کے فلسفے کو تاریخی تناظر میں زیر بحث لائے ہیں۔ مترجم نے کتاب میں اپنی طرف سے کوئی پیش لفظ شامل نہیں کیا۔ اس کے بعد مترجم نے اقبال کے اپنے استاد آرنلڈ کے نام کتاب کے ''انتساب'' کے حوالے سے جو الفاظ درج کیے ہیں ان کا ترجمہ دیا ہے۔

مترجم نے اقبال کے انگریزی ''پیش لفظ'' کا مکمل ترجمہ دیا ہے۔ جس میں اقبال لکھتے ہیں:

> ''تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنسی طریقے سے بحث کی ہے اور ان ذہنی حالات و شرائط کو منظر عام عام پر لانے کی کوشش کی جو اس قسم کے واقعے کو معرض ظہور میں لے آتے ہیں لہٰذا اس خیال کے برخلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، میں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی واخلاقی قوتوں کے باہمی عمل و اثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔'' (۵)

''مابعد الطبیعات'' کے امیر حسن الدین کے اردو ترجمہ ''فلسفۂ عجم'' اور علامہ کے انگریزی مقالے کو مدنظر رکھ کر ترکی ترجے کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ قبال کے مقالے تفہیم کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ مترجم نے کتاب کا کیسا اور کتنے حصے کا ترجمہ کیا ہے؟

مترجم نے کتاب کے حصہ اول کے باب اول کا عنوان "Islam Oncesi Iran Felsefesi" (قبل اسلامی فلسفۂ ایران) دے کر زمانہ قبل از اسلام کے ایرانی فلسفہ کا جائزہ لیا ہے۔ ایرانی نظریہ ثنویت پر تفصیلی بحث کے ساتھ ساتھ اقبال نے زرتشت کی فکر کو قدیم ایران کے نظریات کے نشاۃ ثانیہ کے طور پر دیکھا ہے۔ اقبال نے اپنی اس رائے کے پس منظر میں قدیم ایران کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جو آریا اقوام ایران میں پیدا ہوئیں، وہ خانہ بدوشی سے تنگ آ کر زرعی زندگی اختیار کر کے خوشحالی کا راستہ تلاش کرنے لگیں۔

جب کہ آریا اقوام کا وہ گروہ جو اس طرف نہیں مائل نہیں ہوا اس کا زرعی زندگی سے وابستہ اقوام کے ساتھ مناقشات کا آغاز ہو گیا۔ دونوں گروہوں کی یہ آویزش زرتشت کی آمد تک جاری رہی۔ آگے چل کر اقبال لکھتے ہیں:۔

> ''گیگر'' نے اپنی کتاب ،عہد قدیم کے مشرقی ایرانیوں کی تہذیب ، میں بیان کیا ہے کہ زرتشت کو اپنے آریائی مورثوں سے دو اساسی اصول ترکے میں ملے تھے۔(الف) فطرت میں قانون ہے(ب) فطرت میں تنازع ہے۔ موجودات کے اس وسیع منظر میں قانون وتنازع کا مشاہدہ ہی اس کے نظام کی فلسفیانہ بنیاد بن گیا۔(۶)

اقبال ڈاکٹر ہاگ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایران قدیم کا پیغمبر دینیاتی نقطہ نظر سے موحد اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے ثنویہ تھا۔ وہ زرتشت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''اپنی ثنویت کی رہنمائی میں کل کائنات کو وجود کے دو حصوں میں منقسم کر دیتا ہے۔ حقیقت یعنی تمام مخلوقات صالحہ کا مجموعہ، جو ایک ایسی روح کی تخلیقی فعلیت سے ظہور میں آتا ہے جو رحیم وکریم ہے۔ غیر حقیقت یعنی تمام مخلوقات خبیثہ کا مجموعہ جو اس کی متخالف روح کی پیداوار ہے۔''(۷)

مانی کا زمانہ تیسری صدی عیسوی کے پہلی ربع سے شروع ہوتا ہے، اقبال اسے زرتشت کے فکری سلسلے سے جوڑتے ہیں۔ مزدک کا عہد ۵۳۱ء سے ۵۷۸ء کو محیط ہے، یہ نوشیروان عادل کا عہد بھی ہے۔ علامہ اقبال، مزدک کو ''اشتراکی مزدک'' کے نام سے یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے مطابق تمام انسان مساوی ہیں اور جائیداد کی نجی ملکیت کا تصور مخالف دیوتاؤں نے دیا ہے، جو چاہتے ہیں کہ خدا کی کائنات ایک نہ ختم ہونے والی تباہی کا شکار رہے۔(۸)

مترجم نے کتاب کے دوسرے حصے کا عنوان "Yunan Dualizmi" (یونان کی ثنویت) کیا ہے۔ اس باب میں ایران کے نوافلاطونی اور ارسطاطالیسین کے حوالے سے مابعد الطبعیات اور دیگر نظریات کی بحث پر مبنی ہے۔ اس باب میں اقبال نے ایران پر عربوں کے تسلط اور اس کے مابعد اثرات پر بالصراحت گفتگو کی ہے۔ ان کے خیال میں یہ سامی النسل اور آریائی اقوام کی آمیزش اور آویزش کو محیط زمانہ ہے۔ اگرچہ بعد میں یونانی اثرات سے اجتماعیت کا احساس اجاگر ہونے لگا مگر اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ذاتی فکر کے راستے روک دیے گئے۔ اس کے باوجود خارجی نقطہ نظر آگے چل کر باطنی مکتبہ فکر میں تبدیل ہوتا گیا جس کے باعث کہا جا سکتا ہے کہ ماضی کی ایرانی ثنویت کو پھر سے زندہ کر کے اس پر ایک روحانی رنگ چڑھا دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس باب میں علی محمد ابن محمد ابن یعقوب المعروف ابن مسکویہ اور ابن سینا کے نظریات اور ان کے مابعد الطبعیاتی تصورات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔(۹)

مترجم نے حصہ دوم کے تیسرے باب کا عنوان "Islamiyette Rasyonalizm" (اسلام میں عقلیت کا عروج و زوال) دیا ہے اس میں اقبال نے اسلام میں عقلیت کے عروج و زوال پر بحث کی ہے۔ اقبال کے نزدیک ایرانی ذہن اپنے جدید سیاسی ماحول سے تطابق پیدا کرتے ہی اپنی خلقی آزادی کا اثبات کرتا ہے اور اپنی نظر کو خارج سے ہٹا کر باطن کی طرف پھیر دیتا ہے۔ تاکہ وہ اس مواد پر غور و فکر کر سکے جو اس نے اپنے اس سفر کے دوران میں خود اپنے ہی اندر سے فراہم کیا ہے۔ اقبال نے ایران کی خارجی فکر سے باطن کی قلب ماہیت کے اس سفر کو چند سطروں میں سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ ''یونانی تفکر کے مطالعہ سے وہ روح جو مادیت میں تقریباً گم ہو گئی تھی پھر اپنے آپ کو صداقت کا حکم تصور کرنے لگی۔ اقبال ایران میں عہد کی تبدیلی کے ساتھ فکر و فلسفہ میں آنے والی تبدیلیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خلافت عباسیہ کا عہد اور یونانی فلسفہ کے اثرات کے تحت ایران میں ایک بار پھر عقلیت پسندی کو عروج حاصل ہوا۔ اس ضمن میں وہ آٹھویں

صدی کے متکلم، واصل ابن عطا (حسن بصری کے ایرانی شاگرد) کا ذکر کرتے ہیں جو عقلیت پسندی کا احیاء کرتا ہے۔ (۱۰)

اقبال تصورِ خدا، نظریہ مادیت اور عقلیت کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معتزلہ دقیق مباحث کے ذریعے سے خدا کی وحدت کے جس تصور تک پہنچے تھے وہ ایک ایسا اساسی نقطہ ہے جہاں ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور معتزلہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ معتزلہ صفاتِ الٰہی کے علیحدہ وجود سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ صفات مجردہ، ہستی ربانی کی بالکل عین ہیں۔ اقبال معتزلہ کے نظریات کو صداقت پر پرکھتے ہوئے بہت سے علماء کے نظریات کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔ ان کی نظر میں عقلی تصورات کو عباسیوں کے عہد میں فروغ حاصل ہوا مگر نویں صدی میں ابوالاشعری کی صورت میں اسے شدید ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم الاشعری خود بھی معتزلہ کا زبردست حامی تھا آخر اس حصار سے باہر آ گیا۔ (۱۱)

مترجم نے حصہ دوم کے چوتھے باب کا عنوان "Idealizm ile Realizm Arasindaki Tartisma" (تصوریت اور حقیقت کے مابین تنازع) دیا ہے۔ اس باب میں اقبال نے تصوریت اور عقلیت کے مابین تضادات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اپنی بات اشاعرہ کے نظریات کے بعد از اثرات سے شروع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اشاعرہ نے جو ارسطو کے نظریات اور زمان و مکان کی ماہیت کے متعلق جو خیالات پیش کئے تھے ان سے مناقشہ کی ایک ایسی زبردست روح بیدار ہوئی جس سے صدیوں تک مسلمان مفکرین کی جماعتوں میں تفریق و اختلاف قائم رہا۔ (۱۲)

اس کے بعد مترجم نے حصہ دوم کے پانچویں باب کا عنوان انگریزی کتاب کی طرح "Tasavvuf" (تصوف) دیا ہے۔ اس میں اقبال نے ایک نہایت ہی ادق موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ موضوع تصوف ہے۔ تصوف کے حوالے سے علامہ کی زندگی ہی میں انھیں شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا، مگر وہ اپنے نظریات میں واضح تھے۔ اس لیے بے باکانہ انداز میں انھوں نے اپنا موقف بیان کیا۔ وہ اسلامی تصوف کا ماخذ قرآن مجید کو قرار دیتے ہیں دوسری طرف وہ ایرانی تصوف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''ایرانی تصوف کے ماخذ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس دلچسپ میدانِ تحقیق کے محققین نے ان مختلف راستوں کے انکشاف میں اپنی قابلیت صرف کر دی جن سے گزر کر تصوف کے اساسی تصورات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس اصول کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ کسی قوم کے عقلی ارتقاء کے کسی مظہر کی اہمیت صرف اس وقت ذہن نشین ہو سکتی ہے جبکہ ہم اس قوم کے گزشتہ عقلی، سیاسی و اجتماعی حالات کی روشنی میں اس پر نظر ڈالتے ہیں.........'' (۱۳)

اقبال تصوف تک پہنچنے کے لیے کسی قوم کے ذہنی، عقلی، سماجی اور اجتماعی حالات کو ایک راستہ سمجھتے ہیں یعنی وہ تصوف کو اجتماعی زندگی اور سماجی عمل سے باہر نہیں دیکھتے۔ اپنے اس نظریے کے جواز میں اقبال نے ایک طویل بحث کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عصری تضادات، اختلافات، فسادات، اور اقتدار کی جنگوں نے انسانی زندگی کو متاثر کیا اور زاہدانہ فکر رکھنے والے لوگ بے چینی کے اس منظر نامے سے نظریں ہٹانے کے لیے استغراق اور مراقبے کی طرف مائل ہو گئے۔ اسی منظر نامے میں وحدت الوجود کا وسیع نظریہ بھی ظہور پذیر ہوا۔ اپنے نظریے کے حوالے سے وہ دوسرا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ اسلامی عقلیت کے ارتقائی اس میلانات پہلے پہل ایک متشکک ''بشار ابن برد'' کی نظموں میں نمایاں ہوئے۔ ایران کا یہ نابینا شاعر آتش پرستی کا قائل اور آتش ہی کو الوہیت کا درجہ دیتا تھا۔ وہ ایران پرستی کے جنون میں اس حد تک مبتلا تھا کہ اسے تمام غیر ایرانی تصورات ونظریات سے نفرت تھی۔

اقبال متصوفانہ رجحانات کے پس منظر پر بحث کرتے ہوئے بلاآخر قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قرآن کی آیات کریمہ سے تصوف کی صحیح اور واضح تصویر بناتے ہوئے اس نتیجے کا استنباط کرتے ہیں کہ حقیقی اسلامی تصوف خالصتاً قرآن و سنت سے ماخوذ نظریہ ہے۔اسے کسی طور بھی دوسرے مذاہب سے مستعار طریقہ مراقبت نہیں قرار دیا جاسکتا۔زیر نظر باب کے دوسرے حصہ وہ صوفیانہ مابعد الطبیعات کے مختلف مکاتب کو''حقیقت بطور اشاعر الذات ارادے کے''،''حقیقت بطور جمال کے''اور''حقیقت بطور نور یا فکر کے''تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔(۱۴)

اقبال نے ان تینوں مکاتبِ فکر کے مبلغین کے بارے میں بحث کی ہے۔مکتبِ اوّل کے نمائندوں میں شقیق بلخی، ابراہیم ادہم اور رابعہ بصری وغیرہ شامل ہیں۔یہ متصوفانہ مکتب حتمی حقیقت کو ارادہ اور کائنات کو اس ارادے کی محدود فعلیت خیال کرتا ہے۔فکر کے اعتبار سے اس مکتبِ فکر کی نوعیت زیادہ تر سامی ہے۔دوسرا مکتب حضرت معروف کرخی سے تعلق رکھتا ہے جو تصوف کو حقائق ربانی کی عقلیت قرار دیتا ہے۔تیسرا مکتب حقیقت کو نور یا فکر سمجھتا ہے۔ان عنوانات کے تحت خیالات کے اظہار کے بعد اقبال درج ذیل سطور میں دیے گئے موضوعات پر نتائج اخذ کرتے ہوئے اپنی رائے قائم کرتے ہوئے اسے درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کرتے ہیں۔

۱۔ حقیقت بہ حیثیت نور کے --- الاشراق

۲۔ ایرانی ثنویت کی طرف رجعت

۳۔ وجودیات

۴۔ کونیات

۵۔ نفسیات

۶۔ حقیقت بہ حیثیت فکر کے--------- الجیلی

مترجم نے چھٹے باب کا ترجمہ بعنوان "Daha Sonraki Dönem iran Düşüncesi" (مابعد کا ایرانی تفکر) کیا ہے۔اس باب میں اقبال مابعد کے ایرانی فلسفہ وفکر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وحشی تاتاریوں کے زمانوں میں فکر کی کوئی اکائی یا ارتقا نظر نہیں آتا۔تاہم تصوف کی مشارکت میں قدیم تصورات، جدید نظریات میں متشکل ہونے لگے۔تاتاریوں کو فلسفے سے کوئی علاقہ نہ تھا اور ان کے نزدیک فقہ حنفی، عقل انسانی کا منتہا سمجھا جاتا تھا۔آخر میں اقبال نے ایران کی جدید فکر کے نفسیاتی محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے ابن سینا کی فکر پر مبسوط بحث کی ہے۔مترجم نے اقبال کے مقالے کے آخر میں شامل "canclusion" کا ترجمہ بھی دیا ہے۔(۱۵)

مذکورہ بالا اہم اقتباسات کا ترجمہ اور ان کے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جودات نے اقبال کے مقالے کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کے مقالے کے مشکل موضوع کو بڑی احتیاط سے معیاری اور رواں ترکی زبان میں منتقل کیا ہے۔مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے کتاب کے تمام حواشی مع حوالہ جات درج کیے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اقبال کے تحقیقی مقالہ کی اہمیت سے واقف ہیں۔

(ب) سٹرے ریفلیکشن

اقبال کی انگریزی بیاض "Stray Reflections" (سٹرے ریفلیکشن) ۱۹۱۰ء کے چند ماہ کے مختصر نثری خیالات و موضوعات کا مجموعہ۔ یہ تحریریں ڈاکٹر جاوید اقبال کے فاضلانہ تعارف کے ساتھ مرتب ہو کر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئیں۔ کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کیا اور ساتھ ہی ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا جو چھتیس صفحات پر شامل ہے۔ کتاب چھوٹے سائز کے ایک سو بہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ مجلس ترقی ادب نے ۱۹۷۲ء میں اسے کتابی شکل دی۔

بیاض کے مشمولات کے بارے میں ڈاکٹر افتخار لکھتے ہیں کہ بیاض کی ان منتشر تحریروں کے متنوع موضوعات اور نوبہ نو افکار کا جائزہ لیجیے تو بقول جسٹس جاوید اقبال: ''اقبال کے ذہن کی توانائی، ہمہ گیری اور خلاقی کی جھلک نظر آئے گی''۔ اقبال کا متحرک و متجسس ذہن مختلف زاویوں سے اپنے گردوپیش کی زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے اور زندگی کے متنوع موضوعات پر جو کچھ محسوس کرتا ہے انھیں نوٹس کی شکل میں بیاض میں درج کرتا جاتا ہے۔ یہ بیاض اس زمانے کی تخلیق ہے جب اقبال شعری تخلیق کی طرف نسبتاً کم متوجہ تھے۔ قیام انگلستان کا ابتدائی تین سالہ دور تو جمالیاتی تجربے سے متعلق متعدد رومانی نظموں کے حوالے سے خاصا زرخیز ہے لیکن اگلے تین سال یعنی ۱۹۱۱ء تک اقبال معدودے چند نظموں اور بعض نثری تحریروں کے سوا اور کچھ نہ لکھ سکے۔ اس دور کی تحریروں میں عطیہ بیگم کے نام خطوط کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ اقبال کی رومانی نظموں اور عطیہ کے نام خطوط کے مطالعے اور ان کی شخصیت کے علمی و فکری کارناموں کا بغور جائزہ لیا جائے تو جذباتی ہیجان کا یہ زمانہ ان کے ذہنی ارتقا کا اہم دور ہے۔ اسی دورمیے میں اقبال نے ارتقائے فرد اور بقائے قوم کے اسرار و رموز پر غور کیا اور وہ فکری بنیادیں فراہم کیں جن پر آئندہ ان کے فلسفہ، سیاست ملی اور خودی و بے خودی کے نظریات کی بنیاد استوار ہوئی۔

ڈاکٹر افتخار نے اقبال کی بیاض کے شذرات کا ترجمہ درج ذیل ایک سو چھبیس عنوانات کے تحت کیا ہے۔ (۱۶)

۱ فن (آرٹ)	۲ اکتشاف
۳ عقل انسانی	۴ خیرات کی معاشیات
۵ خدا کو وجود	۶ ایک مکالمہ
۷ پندار کی تسکین	۸ تلخ نفسیات
۹ یقین کی قوت	۱۰ اسلام کا تصور خدا
۱۱ ہیگل کا نظام فلسفہ	۱۲ ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء
۱۳ اقسام حکومت	۱۴ شاعری اور منطقی صداقت
۱۵ شخصیت کی بقا	۱۶ تاریخ
۱۷ مابعد الطبیعیات	۱۸ وطن پرستی
۱۹ انصاف	۲۰ ملی اتحاد
۲۱ فرسن قوم	۲۲ جرمن قوم

٢٣ عہد جدید کا ہندو

٢٤ حق اور طاقت

٢٥ افغانستان کا مستقبل

٢٦ حیات بطور تنقیدِ شعر

٢٧ یورپی عیسائیت

٢٨ حضرت عیسیٰ اور اسپنوزا

٢٩ ارسطو

٣٠ نطشے کا جنوں

٣١ اورنگ زیب

٣٢ فتح ایران

٣٣ غالب

٣٤ تولیتِ اقوام

٣٥ نظم کی مقبولیت

٣٦ ہیگل، گوئٹے، غالب بیدل اور ورڈز ورتھ

٣٧ حکایات

٣٨ عالمی تہذیب میں یہود کا حصہ

٣٩ مازنی

٤٠ مابعد الطبیعیات پر سائنس کا انحصار

٤١ جدید سائنس اور جمہوریت

٤٢ تاریخی پس منظر سے تصورات کا رشتہ

٤٣ تعدد ازدواج

٤٤ جرمن قوم کا روحانی نصب العین

٤٥ دشمنوں سے نفرت

٤٦ تصورات

٤٧ سفید فام قوموں کا ''بار امانت''

٤٨ گوئٹے کا ڈراما 'فاؤسٹ'

٤٩ ملٹن

٥٠ آسکر وائلڈ کی روح

٥١ لٹیری قومیں

٥٢ انسان کا حافظہ

٥٣ مسلم ممالک میں تفریحات

٥٤ اقلیتوں کی قوت

٥٥ لاادریت اور مذہب

٥٦ عربی شاعری

٥٧ حیرت

٥٨ مسلمانانِ ہند کے لیے بحرانی دور

٥٩ تاریخ کی توجیہ

٦٠ مساوات

٦١ اقدار اشیاء

٦٢ تعلیم کی غایت

٦٣ خدا قوی ہے

٦٤ مردِ قوی

٦٥ قوت کا لس

٦٦ مردِ قوی کا خیال

٦٧ مہدی کا انتظار

٦٨ قومیت کا تصور

٦٩ کانٹ کا ''امر غیر مشروط''

٧٠ قریب المرگ عضو یے کی صحت یابی

٧١ ضبطِ نفس

٧٢ بت پرستی

٧٣ مسلم قوم کی حیرت انگیز تاریخ

٧٤ عالم کی تعمیرِ نو

٧٥ معصیت

٧٦ لامحدودیت

۷۷ شاعر اور روحِ ارضی

۷۸ مبہم اور مخفی

۷۹ تاریخ کا گراموفون

۸۰ گناہ اور تقویٰ

۸۱ نیک لوگ

۸۲ تفکر، بغیر عمل

۸۳ زندگی میں کامیابی

۸۴ عوامی رہنما

۸۵ کامیاب انسان

۸۶ کامل دماغ

۸۷ مصیبت کی اخلاقی قدر

۸۸ بڑا کتب خانہ

۸۹ معجزات

۹۰ جمہوریت

۹۱ جمہوریت اور سامراج

۹۲ اخلاقی درسیات

۹۳ نوجوان مبلغ اور مسلم خاتون

۹۴ شعرا اور سیاست دان

۹۵ پیغمبر

۹۶ فلسفہ اور شاعری

۹۷ افلاطون اور گوئٹے

۹۸ دنیا کی دلکش ترین شے

۹۹ موافقت بے عقیدہ

۱۰۰ غروبِ آفتاب بر کنارِ راوی

۱۰۱ نجی سیاسی زندگی

۱۰۲ نجی شادی کی اہمیت

۱۰۳ خدا اور شیطان

۱۰۴ شیطان کی یاد

۱۰۵ شکر گزاری

۱۰۶ ماہرِ نفسیات اور شاعر

۱۰۷ صداقت نامے جمع کرنے کی جبلت

۱۰۸ تشریحِ دماغِ انسانی

۱۰۹ انسان اور ابدیت

۱۱۰ شاعر بحیثیت انسان

۱۱۱ فلسفہ اور شاعری کے اثرات

۱۱۲ شیکسپیئر اور گوئٹے

۱۱۳ لمحے کی قدر و قیمت

۱۱۴ تجربہ اور علم

۱۱۵ روزمرہ واقعات

۱۱۶ ہورلیس، مانٹین اور آزاد

۱۱۷ ادبی تنقید

۱۱۸ گوئٹے اور ہائنے

۱۱۹ حافظ

۱۲۰ محبت کے کھیل

۱۲۱ تلاشِ دانائی

۱۲۲ مقصدِ واحد کی لگن

۱۲۳ فن ہی لامحدود ہے

۱۲۴ علم مطلق اور اخلاقی ترقی

۱۲۵ خوشامد

i. ینسمالر (Stray Reflection) Yanismalar

محمد اقبال Muhammed ikbal,

گینجلک نوٹلری Genclik Notları

مترجم: خلیل طوق اَر

علامہ اقبال کی ڈائری کے اوراق فرزند اقبال جسٹس (ر) جاوید اقبال نے "Stray Reflaction" کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کئے۔ اسی کتاب کا ترکی ترجمہ استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر خلیل طوق اَر نے "Yanısmalar-Genclik Notlari" کے عنوان سے '' قاقنوس یاین لری'' استنبول سے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں علامہ اقبال کا ایک صفحہ کا تعارف مع ان کی تصانیف کے سنِ اشاعت دیا گیا ہے۔ اس میں مترجم نے اقبال کی تاریخ پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء درج کی ہے۔

کتاب کے آغاز میں مترجم نے ایک صفحہ کا '' پیش لفظ'' دیا ہے۔ جس میں انھوں نے اقبال کی ذہنی اُپج تک پہنچنے کا ایک ذریعہ اقبال کی ڈائری کے صفحات کے مطالعہ کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے اقبال کی انگریزی ڈائری کے اوراق "Stray Reflections" پر مشتمل کتاب اور اس کے اردو ترجمے ''شذراتِ فکرِ اقبال'' کو مدنظر رکھا ہے۔ لیکن جہاں کہیں ان کو کسی طرح کی مشکل پیش آئی تو انھوں نے انگریزی کتاب کے متن ہی سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ (۱۷)

اس کے بعد جسٹس (ر) جاوید اقبال کے ''تعارف'' تقریباً ۱۵ صفحات کا ترکی میں ترجمہ دیا ہے۔ یہ ترجمہ انگریزی متن کی بجائے اس کے اردو ترجمے ''شذراتِ فکرِ اقبال'' کے قدرے زیادہ قریب ہے۔ اس کے بعد کتاب کے متن کے ۱۲۵ ''شذرات'' کا ترجمہ عام فہم اور رواں ترکی زبان میں دیا ہے۔ آغاز میں مترجم نے ترتیب ''شذرات کے (جو دراصل اصل انگریزی کتاب کی ترتیب سے ہیں) مطابق رکھی ہے مگر وسط میں جا کر موضوعات کی ترتیب کو بدل دیا ہے۔ مثلاً ''شذراتِ فکرِ اقبال'' کی طرح انھوں نے اپنے ترجمے کا پہلا ''شذراہ'' بھی فن "Sanat" کو ہی رکھا ہے مگر آخری ''شذراہ''، ''خوشامد'' کی جگہ مترجم نے "Birlik Duyğuşu" یعنی ''ایک ہونے کا احساس'' دیا ہے۔ یوں مترجم نے بعض ''شذرات''، کی ترتیب بدل دی ہے۔ دوسرے ترکی ترجمے کا مواد بھی ''شذراتِ فکرِ اقبال'' کے متن سے زائد ہے۔

ترجمے کا بیشتر مواد انھوں نے انگریزی متن "Stray Reflection" سے لیا ہے۔ بعض جگہوں پر انھوں نے سے موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے مواد میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان میں مثال کے لیے مترجم کے آخر پر دیئے دو ''شذرات'' دیکھے جا سکتے ہیں جو آٹھ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں "Kutsal Yönetim Hakki" اور "Ölümden Sonra Bedensel Diriliş" ہیں۔ (۱۸)

مترجم نے کتاب کے حواشی و تعلیقات کو ۷ صفحات میں اکٹھا کر کے ترجمے کے آخر پر درج کر دیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ بعدازاں کتاب کا موضوع وار ''عشاریہ'' بھی درج کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر محاکمہ کیا جائے تو مترجم نے ''شذراتِ فکر'' اقبال اور انگریزی متن "Stray Reflection" کے اصل مقصد اقبال کے مختلف فکری گوشوں تک رسائی ہو سکے، کو مدنظر رکھا کر ایک رواں، سلیس اور دلچسپ ترجمہ پیش کیا ہے۔

(ج) ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اسلام

''خطباتِ اقبال'' سے عموماً، علامہ کے وہ سات انگریزی لیکچر مراد لیے جاتے ہیں، جو ان کی انگریزی کتاب '' دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اِسلام'' میں شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے ۲۹۔۱۹۲۸ء میں تین خطبات مدارس کے جلسوں میں پیش کیے تھے، اس لیے انھیں ''خطبات مدارس'' بھی کہا جاتا ہے۔ مدارس کے بعد یہ خطبے بنگلور، میسور، حیدرآباد دکن اور علی گڑھ کے علمی اور عوامی جلسوں میں پڑھے گئے۔ ان میں تین خطبوں کا اضافہ ہوا اور ۱۹۳۰ء میں یہ ''سِکس لیکچرز آن دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اِسلام'' کے نام سے لاہور سے کتابی صورت میں شائع کر دیے گئے۔

۱۹۳۴ء میں اس کتاب کا دوسرا اڈیشن، ایک خطبے کے اضافے کے ساتھ لندن سے چھپا، اور اس کے نام سے سکس لیکچرز آن کے الفاظ ہٹا دیے گئے۔ اب تک یہ کتاب بارہا شائع ہو چکی ہے، لیکن اس کا سب سے مستند اڈیشن وہ ہے، جسے پروفیسر سعید شیخ نے دس برس کی محنت شاقہ کے بعد حواشی و تعلیقات کے ساتھ مرتب کر کے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا تھا۔

خطباتِ اقبال کی زبان مشکل ہے اور اس کے مطالب عسیر الفہم ہیں اس لیے ابتدا ہی میں ان کے اردو ترجمے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ علامہ اقبال کے ایما پر سید نذیر نیازی نے اقبال کی زندگی ہی میں اس کام کا آغاز کر دیا تھا، تاہم اس کی تکمیل میں خاصا وقت صرف ہوا۔ سید نذیر نیازی کا مکمل اردو ترجمہ ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے نام سے ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اس لیے یہ خطبات عموماً تشکیل جدید کے مختصر نام سے معروف ہیں۔

i. اسلامن روحو — Islamin Ruhu

مترجم: ای۔اے — Muhammad İkbal

ترکیہ میں اقبال کے بارے میں سب سے پہلے اقبال کے خطبات (ری کنسٹرکشن) کے منتخب حصوں کے ترکی تراجم مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ یہ کتاب دراصل ان ہی تراجم پر مشتمل ہے جو ''سبیل الرشاد''، ''اسلامن روحو'' اور ''سلامت'' ۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۷ء کے ترک شماروں میں استنبول سے شائع ہوتے رہے۔(۱۹) اسے کتابی شکل میں ''دوغان گونیش یاین ایوی'' (پبلشنگ ہاؤس) نے ۱۹۶۳ء میں مرتب کروا کے استنبول سے شائع کیا۔ اس کتاب "Islamin Ruhu" پر مترجم کا پورا نام دینے کی بجائے ''ای۔اے'' مخفف نام لکھا ہے۔ یہ تراجم اسی مخفف قلمی نام سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ترکیہ میں یہ روایت رہی ہے کہ لوگ تراجم پر اپنا قلمی نام یا مخفف استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں اقبال کے مختصر حالات جو ڈیڑھ صفحہ سے بھی کم ہیں، دیئے گئے ہیں اس کے بعد اقبال کے چار منتخب خطبات ۵، ۶، ۷ اور ۳ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ مترجم ای۔اے نے اقبال کے چوتھے خطبے ''دی ہیومن ایگو۔ ہز فریڈم اینڈ اِموریلٹی'' کا بعنوان ''انسان نین بلغین حریتی'' کے ۶ یا ۷ صفحات کے قریب ترکی میں ترجمہ کر کے رسالہ ''سلامت'' شمارہ نمبر ۲۰ تا ۲۲، ۲۸ اور ۲۶ میں ۱۱۳ کتوبر ۱۹۴۷ء تا ۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کے دوران شائع کرائے۔ اس خطبے کا ترجمہ نامکمل تھا اس لیے شاید اسے مذکورہ کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔

اس کتاب کے صفحہ ۳ پر ''اقبالن کھیسہ بائیوغرافی سی'' (اقبال کے مختصر حالات زندگی) کے تحت مترجم نے علامہ اقبال کی سیالکوٹ میں پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء درج کی ہے۔ اقبال کی لاہور میں تعلیم، پھر اُن کا برطانیہ سے قانون پڑھنے کا ذکر کرنے کے بعد میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد مترجم نے اقبال کے ۱۹۰۸ء میں وکالت کا پیشہ اختیار کرنے اور ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی سیاحت کرنے اور ان کی مثنوی ''اسرار خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' کے شائع ہونے کا ذکر کیا ہے جس کے باعث علامہ کو دنیا بھر میں شہرت حاصل ہوئی۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اقبال دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرق خصوصاً برصغیر کے لیے آزادی کی جدوجہد میں مشغول ہو گئے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ۱۹۳۰ء میں اقبال کو اپنے الٰہ آباد میں منعقدہ جلسے کا صدر بنایا۔ اقبال نے اس اجتماع میں پاکستان کا نقشہ پیش کیا۔ مترجم لکھتے ہیں کہ آخری عمر میں اقبال بیماریوں سے نبرد آزما رہے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ کو وفات پا گئے اور لاہور میں دفن ہوئے۔

آخری اقتباس میں مصنف، اقبال کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال سادہ اور کھلے دل کے مالک، خوش مزاج، کم گو انسان تھے۔ وہ نرم دل، سنجیدہ، مفکرانہ انداز اور دلوں کو تسخیر کرنے والی نادر شخصیت کے مالک تھے۔ اسی صفحہ پر اقبال کی نظم و نثر کی کتب کی فہرست میں اقبال کے خطوط جناح کے نام اور اقبال کے خطوط عطیہ بیگم کے نام ۱۹۴۷ء مع سنین درج ہیں۔

اس کے بعد ''اسلامن روحو'' میں پہلا خطبہ ''اسلام کلترو'' جو دراصل اقبال کا پانچواں خطبہ ''دی سپرٹ آف مسلم کلچر'' کے ۲۲ صفحات کا ۲۱ صفحات میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ مترجم نے اقبال کے اصل انگریزی خطبات کے عین مطابق کیا ہے۔ ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔ خطبے کا آغاز مسلم پیشوا عبدالقدوس گنگوہی کے الفاظ سے ہی ہوتا ہے (۲۰) اور اختتام ابن خلدون کی تنقید پر ہوتا ہے۔ ''جس میں اسلام کی نام نہاد انکشافی بنیاد جو مجوسی فکر کے دباؤ کے تحت تھی، منہدم یا کم از کم اس کے نفسیاتی اثرات ختم کر دیئے''۔(۲۱)

مترجم نے اس خطبہ کے ترجمے میں کئی جگہ جہاں اقبال نے علم کی ترویج کے حوالے سے "عربوں کی تہذیب" کے الفاظ لکھ کر جو تعریف کی ہے مترجم نے ان لفظوں کو بدل کر "اسلامی تمدن" لکھ دیا ہے۔ بطور نمونہ اصل عبارت دیکھتے ہیں اس میں مترجم کے ترجمے کے لکھتے ہیں۔

"Science is the most momentous contribution of Arab civilization to the modern world; byut its fruits were slow in ripening." (22)

جب کہ ترکی ترجمہ یوں ہے۔

"islam medeniyetinin modern dünyaya en büyük yardmi ve hediyesi ilimdir. Fakat onun meyveleri, ağir ağir olğunlaşmiştir." (23)

انگریزی خطبے میں علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ فارسی شاعر عراقی کے نزدیک خدا کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح کے مکان کا وجود ہے۔ اس میں اقبال نے جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا ہے اس کے نیچے اقبال نے سورۃ و آیت کا حوالہ ۵۸:۸، ۱۰:۶۲ اور ۵۰:۱۵ بالترتیب دیا ہے۔ جبکہ مترجم نے ان کو درست کر کے حوالے بہ ترتیب یوں دیے ہیں' سورۃ المجادلہ آیت ۷، الیونس سورۃ ۶۱۔۶۲، قاف سورۃ آیت ۱۶۔ یہ حوالے زیادہ واضح اور درست ہیں۔ مترجم نے عربی آیاتِ قرآنی کا ترکی ترجمہ محتاط انداز سے لکھا ہے۔ اس باب کا ترجمہ انگریزی خطبے کا قدرے حرف بہ حرف ترجمہ ہے مگر بعض جگہوں پر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

"اسلامن روحو" میں دوسرا خطبہ "اسلام بنیاسندا حرکت پرنسپی" ہے جو دراصل اقبال کے خطبہ "دی پرنسپل آف موومنٹ اِن دی سٹرکچر آف اسلام" کا ترکی ترجمہ ہے۔ اس خطبے میں اقبال نے اسلام میں حرکت و عمل اور اجتہاد کی اہمیت اور اس کے ماخذ قرآن' حدیث' اجماع اور قیاس کو بیان کیا ہے۔ مترجم نے بھی یہی ترتیب برقرار رکھی ہے۔

اقبال نے اس خطبے میں عقلی رویے کے اسباب تلاش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ترکوں کی اثر پزیری سے پیشتر اسلامی قانون کو عملی طور پر جامد حالت میں مقید کر رکھا تھا اور اس کی مثال میں تین اسباب بیان کئے ہیں، وہ بھی مترجم نے اقبال کی ترتیب ۱، ۲، ۳ کے مطابق حرف بہ حرف ترجمہ کئے ہیں۔

چھٹے خطبے ہی میں اقبال نے اجتہاد کے حوالے سے ترک وزیر اعظم حلیم پاشا اور ضیا گوک آلپ کا ذکر کیا ہے وہ حلیم پاشا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "وزیر اعظم کے بقول انگریزی ریاضی' جرمن فلکیات، فرانسیسی کیمیاء کی طرح کوئی ترکی' عربی' ایرانی یا ہندوستانی اسلام بھی نہیں ہے"۔ ضیا گوک آلپ کا ذکر بھی اس خطبے میں تفصیل سے آیا ہے اقبال نے اس ترک شاعر کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر فشر کے ضیاء کی نظموں کے جرمن ترجمے کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ ترک مترجم نے اس حوالے کا ذکر نہیں کیا (۲۴) اقبال نے ضیاء کی جن نظموں کا انگریزی ترجمہ دیا ہے ان میں سے پہلی نظم کا ترجمہ نثر میں کیا ہے جبکہ ضیاء کی نظم بعنوان "ریلیجین اینڈ سائنس" (دین وے علم) کے ترکی اشعار کو درج کیا ہے۔ (۲۵) جبکہ اقبال نے ان اشعار کا انگریزی مفہوم فشر کی کتاب سے لیا ہے۔ (۲۶) آگے چل کر اقبال نے ضیاء کی ایک اور نظم کا مفہوم

پیش کیا ہے جس میں شاعر لکھتا ہے کہ اجتہاد سے کام لے کر ترکوں نے عربی زبان کے بجائے ترکی میں اذان اور نماز پڑھنا شروع کی۔ یہاں ترک مترجم نے ضیاء کے ترکی اشعار درج کیے ہیں:

Bir ülke ki, camiinde Türkçe ezan okunur,

Köylu anlar manasini namazdaki duanin.

Bir ülke ki, mektebinde Türkçe Kur'an okunur,

Küçük büyük herkes bilir buyruğunu Hudanin

Ey Türk oğlu, işte senin orasıdir vatanım! (27)

(مذکورہ اشعار کا ترجمہ:

''وہ سرزمین جس کی مسجدوں میں ترکی میں اذان دی جاتی ہے' جہاں نماز ادا کرنے والا گاؤں کا آدمی بھی اپنے مذہب کے معانی کو سمجھتا ہے' وہ سرزمین جہاں قرآن ترکی میں پڑھا جاتا ہے' جہاں ہر آدمی بڑا یا چھوٹا اللہ کے احکام کو پوری طرح سمجھتا ہے۔ اے ترکی کے بیٹو! وہ زمین تمہارا پدری وطن ہے۔)

ضیا گوک آلپ کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں کہ شاعر نسائیت کے بارے میں اپنا نصب العین پیش کرتا ہے۔ مرد اور عورت کی مساوات قائم کرنے کے جوش میں' وہ اسلام کے ان عائلی قوانین میں زبردست تبدیلیوں کا متمنی ہے' جو اس وقت مروج ہیں۔ اس کے بعد اقبال نے ضیاء کی ایک اور نظم کے چند اشعار لکھے ہیں۔ مترجم نے یہاں ضیا کی ترکی نظم درج کردی ہے (۲۸) اس کے بعد اقبال نے ضیاء گوک آلپ پر جو تنقید کی ہے کہ ''کیا ضیا نے مردوں اور عورتوں کے درمیان جو مساوات قائم کرنی چاہی تھی یعنی طلاق اور وراثت میں' کیا وہ اسلامی قوانین کے تحت ممکن ہے''۔ اقبال اپنے خطبات (ری کنسٹرکشن) میں مزید لکھتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ ضیاء اسلامی عائلی قانون سے واقفیت نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ قرآن کے قانون وراثت کی اقتصادی اہمیت کو سمجھتا ہے۔'' یہ اور اس طرح کے اقبال کے خیالات کو مترجم نے حذف کر دیا ہے۔ اس کی بجائے مترجم نے انگریزی خطبے کے صفحہ ۱۶۶ تا ۱۷۰ تک یعنی ۴ صفحات کا خلاصہ ترکی کے ۲ صفحات میں درج کر دیا ہے۔ (۲۹) اس کے بعد اجتہاد کے دوسرے ماخذ حدیث' اجماع اور قیاس کے مکمل متن کو ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمے میں ایک بات جو بار بار سامنے آتی ہے کہ یہ انگریزی خطبے کا ترجمہ کرتے ہوئے عربی اور فارسی الفاظ بہت استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً لکھاری کے لیے محرر لکھا گیا ہے جبکہ یہ اور اس طرح کے الفاظ اب ترکی متروک ہیں اور محرر کی جگہ اب ترک ''یازر'' لکھتے ہیں۔ (۳۰)

مترجم نے لفظ "Prayer" کا ترجمہ عبادت کیا ہے اس بارے میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ مذکورہ خطبے کے زیادہ تر مترجمین نے لفظ "Prayer" سے دعا مراد لی ہے لیکن بعض نے اس کا ترجمہ عبادت کیا ہے۔ اقبال کے ذہن میں عبادت اور دعا دونوں ہی مفہوم موجود تھے۔ (۳۱)

مترجم نے آغاز میں انگریزی خطبے کے پہلے اقتباس کا آغاز قرآن کے اس فرمان سے کیا ہے کہ قرآن نے سب سے بڑی حقیقت اور ورائے مطلق' اللہ کی ذات کو قرار دیا ہے۔ پھر سورۃ اخلاص کے الفاظ کو درج کیا ہے۔ اسی طرح مترجم نے خطبے کے پہلے حصے میں لکھا ہے کہ علامہ نے واضح کیا ہے کہ مذہب کے حقائق و معارف یعنی مذہبی روحانی واردات خاصی حد تک عقلی معیار کے عین مطابق ہیں۔ تاہم اس واردات کی بنیاد ورائے مطلق جسے قرآن نے اللہ کے نام سے تعبیر کیا ہے' پر ہے۔ علامہ کے بیان کردہ تصور باری تعالیٰ کے بعض اہم عناصر مثلاً علم' قدرت' خلاقیت اور دوام یا بقا وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی دوران ترجمے میں اس انگریزی خطبے کی طرح برگساں' پھر پروفیسر ایڈنگٹن کی کتاب کا

اقتباس' قرآن کی سورۃ الحجر ۲۱:۱۵ کی عبارت کا ترکی ترجمہ دیا ہے۔اس کے بعد نظریہ زمان پر بحث کرتے ہوئے علامہ نے کہا ہے کہ اشاعرہ نے مسئلہ زمان کو فلسفیانہ انداز میں سمجھنے کی پہلی بار کوشش کی ہے۔اقبال اشاعرہ کے نظریات سے پوری طرح اتفاق نہیں کرتے۔مسئلہ زمان کے سلسلے میں علامہ نے فخرالدین رازی کا ذکر بھی کیا ہے مگر کہا ہے کہ وہ بھی وقت کی ماہیت اور اصلیت کے بارے میں صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکے۔اقبال کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں اپنے باطن کی دنیا سے مدد لینا پڑے گی۔نظریہ زمان کے بارے میں علامہ نے بہت سے مفکرین کے نظریات پر بحث کی ہے۔جس سے ان کے ذہن اور مطالعے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مذکورہ ترجمے میں قرآن کا متن عربی کی بجائے ترکی میں درج کیا گیا ہے اور حوالے سورۃ اور آیت کا حوالہ احتیاط سے دیا گیا ہے۔پوری کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔اقبال نے اپنے اس خطبے میں رومی کا ایک شعر درج کیا ہے۔

پیکر از ما ھست شد نے ما ازو

بادہ از ما مست شد نے ما ازو (۳۲)

انہی فارسی الفاظ کو ترکی تلفظ میں مترجم نے یوں دیا ہے۔

Peyker ez ma hest-sodeni ma ezu

Bade ez ma mest-sodeni ma ezu (33)

اسی شعر کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

Güzel bizlerden olmak istedi, biz de ondan.

Bade bizlerden sarhoș olmak istedi, biz de ondan

اس کتاب کا تیسرا خطبہ' اقبال کے ساتویں خطبے ''از ریلیجین پوسیبل؟'' کے ۲۰ صفحات کا ۱۶ صفحات میں ترکی زبان میں ترجمہ ''دین یاشین ھقندا'' کے عنوان سے کیا ہے۔اقبال کے خطبے کا عنوان استفہامیہ ہے جبکہ مترجم نے اس استفہام کو ختم کر دیا ہے۔اس خطبے میں اقبال نے مذہبی زندگی کے تین مدارج: ایمان، فکر اور عرفانِ ذات بیان کئے ہیں۔اقبال کہتے ہیں کہ پہلے مرحلے میں عقل و خرد سے ماوراہو کر ایمان یا اطاعت ناگزیر ہے اس کے دوسرے مرحلے میں عقلی اعتبار سے غور و فکر کیا جاتا ہے تیسرے دور میں وہ ایمان اور فکر کے نتیجے میں شعور حقیقت کے درجے تک پہنچتا ہے۔اقبال مزید وضاحت کرتے ہیں کہ مذہب، تصوف کا مترادف نہیں ہے۔مذہب کا مقصد انسانی شعور کی وضاحت اور وسیع تر زندگی کی تلاش ہے۔اس ضمن میں اقبال نے جرمن فلسفی کانٹ کے تصور مابعد الطبیعات کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

کتاب کا چوتھا خطبہ علامہ اقبال کے تیسرے خطبے ''دی کونسپٹ آف گاڈ اینڈ میننگ آف پریئر'' کا ترجمہ ہے جو ۳۳ صفحات کا ترکی میں بعنوان ''اللہ مفہومو وے عبادتن معناسی'' کے تحت رواں اور سلیس ہے۔اصل میں یہ مکمل ترجمہ نہیں ہے بلکہ انگریزی خطبے کے صفحہ ۶۲ تا ۷۷ تک ۱۶ صفحات تک کا ہے۔خطبات کے ترکی تراجم کے حوالے سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ یہ تراجم ترکی کے مختلف رسائل میں ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۴ء کے دوران میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہی خطبہ قسط وار رسالہ ''سلامت'' میں یکم اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کے دوران میں شائع ہوتا رہا۔اس رسالہ میں اس خطبے کے ترجمے کی نو اقساط اور تقریباً ۲۹ صفحات شائع ہوئے۔(۳۴) لہٰذا مذکورہ ترجمے کی آخری قسط مترجم یا

ناشر سے شامل ہونے سے رہ گئی ہوگی۔(۳۵)اس خطبے کے آخر پر اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کے ۱۱۴اشعار کا مفہوم درج کیا گیا ہے۔

مذکورہ چاروں خطبات کا محاکمہ کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مترجم نے انگریزی خطبات کے اصل متن کو سامنے رکھتے ہوئے ان کو بامحاورہ، رواں شائستہ ترکی زبان میں منتقل کیا ہے۔تاہم یہ تراجم بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں کئے گئے ہیں۔ترکی زبان کو فارسی،عربی رسم الخط سے لاطینی حروف میں منتقل کیے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس میں فارسی اور عربی تراکیب اور بے شمار عربی،فارسی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔مثال کے لیے چند الفاظ ملاحظہ کرتے ہیں ترکی زبان میں ہونے والی اصلاح اور تبدیلی کی وجہ سے آج کل ترکی زبان میں کم ہی استعمال ہوتے ہیں۔

ترکی الفاظ	اردو
sual	سوال
tabiati	طبعیت
mevcut	موجود
dimağ	دماغ
bazi	بعض
aciz	عاجز
muharrir	محرر
dava	دعویٰ
nokta-i-nazar	نقطۂ نظر

ii. اسلام دا دینی تفکرُن ینی دین تشکیولو islam da dini Tefekkürün Yeni den Teşekkülü

مترجم: صوفی حوری

اقبال کے انگریزی خطباب "The Reconstruction of Religious Thought in islam" (اسلام کا ترکی زبان میں پہلا مکمل ترجمہ) صوفی حوری نے بعنوان "islam da dini Tefekkürün Yeni den Teşekkülü" کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار اقبال اکادمی کے تعاون سے استنبول سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا دوسری اشاعت بھی اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مختلف ترک اداروں کی طرف سے کئی اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں۔

صوفی حوری اپنی کتاب کے آغاز "اون سوز" (پیش لفظ) میں علامہ اقبال کی اہمیت بیان کرنے کے بعد آر۔ اے نکلسن کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ اقبال کی شکل میں مشرق و مغرب کی فکر ایک جگہ جمع ہو گئی ہے۔ پھر ان کے استاد آرنلڈ کا کہنا کہ اقبال شرق و غرب کے فلسفے کو جاننے والی ہستی ہیں جو یورپ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں، یہ نقل کرنے کے بعد وہ آنا میری شمل کی کتاب "جاوید نامے" کے پیش لفظ کا ایک اقتباس درج کرتی ہیں جس میں لکھا ہے کہ "محمد عاکف نے اقبال کو اپنی کتاب "صفحات" بھیجی اور اقبال سے منظوم تصانیف وصول کیں۔ نیز عاکف نے اقبال کی شخصیت اور تصانیف کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں کہ مجھے گذشتہ ہفتے اقبال کی کتب ملی ہیں۔۔۔ اقبال مولانا رومی کا گہرا مطالعہ کر چکے ہیں۔۔۔ دونوں کتب میں سے ایک "پیام شرق" ہے۔ اس میں بہت خوبصورت قطعات اور غزلیں ہیں۔ چند غزلوں نے تو مجھے مدہوشی کی عالم میں دھکیل دیا۔ اقبال کی غزل بھی اچھی ہے۔ اقبال کی شاعری علمی اور عرفانی لحاظ سے مجھ سے بڑی ہے۔" (۳۶)

اس کے بعد وہ اقبال کے خطبات کی اہمیت بیان کرنے کے بعد لکھتی ہیں کہ "خطابات کے انگریزی سے ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے انگریزی خطبات کے سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے سے مدد لی گئی ہے۔ ان کے نزدیک سید نذیر نیازی وہ شخص ہیں جو اقبال کے خطبات میں شریک ہوتے رہے اور انھوں نے خطبات کا انگریزی سے ترجمہ کرتے ہوئے علامہ اقبال سے رہنمائی بھی حاصل کی ہے۔ اس لیے اقبال کے خطبات کو سمجھنے کے لیے سید نذیر نیازی کا یہ ترجمہ اہم ہے۔ وہ مزید لکھتی ہیں کہ ترجمہ کرتے ہوئے انھیں جہاں مشکل پیش آئی وہاں وہاں سفارت پاکستان کے پریس اتاشی شریف الحسن نے ان کی راہنمائی کی ہے۔ آخر پر وہ لکھتی ہیں کہ یہ ترجمہ ان تھک کوشش اور سنجیدہ محنت کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا ترجمے کے سلسلے میں انھوں نے بہت سے مفکروں سے استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ چند احباب، معروف مفکر اور ادیب سمیہ آئے وردی، نظیبے آراز اور استنبول یونیورسٹی کے پروفیسر فاخراز کی شکرگزار ہے کہ انھوں نے کتاب کے ترجمے پر نظر ثانی کی۔ اس کے بعد وہ اس کتاب کا مقدمہ لکھنے پر آنا میری شمل اور اس کتاب کی اشاعت کے لیے وسائل فراہم کرنے پر اقبال اکیڈمی کراچی کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔

اگلے صفحات پر پروفیسر ڈاکٹر آنا میری شمل کا "مقدمہ" ہے جس میں وہ لکھتی ہیں کہ ترکیہ میں جن ناموں سے محبت کی جاتی ہے اُن میں سے ایک نام اقبال کا بھی ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کی جدوجہد اور پاکستان کے قیام کے حوالے سے انھیں "معنوی باپ" مانا جاتا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے دوست اور برادر ملک ترکی میں ان سے بہت محبت کی جاتی ہے۔ ان کی کئی کتب "پیام شرق"، "اسرار خودی"، "رموز بیخودی" کو پروفیسر علی نہاد تارلان نے ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن افسوس ابھی تک ان کی اہم کتاب "بال جبریل" کا ترکی ترجمہ نہیں ہوا۔ اقبال کے خطبات ۱۹۶۸ء ایک فکری کتاب ہے جو ترکیہ کے کئی فکری و دینی مسائل کے سلسلے میں مدد دے سکتی تھی مگر یہ ابھی تک ترکی زبان میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی۔

اس کے بعد وہ برصغیر پاک و ہند کے ترکوں سے روابط کے سلسلے کی کڑی ۷۱۲ء میں سندھ پر محمد بن قاسم کی سندھ کی فتح اور ملتان تک مسلمانوں کی حکومت سے جوڑتی ہیں جس کے سپاہیوں میں عرب اور ترک شامل تھے۔ اس کے بعد وہ بابر کا ذکر کرتی ہے جس نے "Vekayi" یعنی ''تزکِ بابری'' میں اپنی یاداشتیں ترکی زبان میں لکھی ہیں۔(۲۷) اس کے بعد وہ سندھ کے شہر مکلی کے قبرستانوں کا ذکر کرتی ہیں جس کی تعمیر و تزئین و آرائش سولہویں صدی کے ترکستان کے ترکوں کی یاد دلاتی ہے۔ پھر وہ لکھتی ہیں کہ مغل اور عثمانی سلطانوں میں رسمی تعلقات بھی تھے۔ ترکوں کی بلقانی ریاستوں میں ہونے والی جنگوں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکوں کی اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ جس بات کی عکاسی ۱۸۹۰ء کے دوران اردو اور سندھی زبان میں شائع ہونے والے کچھ ناولوں میں بھی کی گئی ہے۔ جس میں سے ایک ناول ''زینت'' کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ سندھی مصنف مرزا قلیچ بیگ جو سندھ میں آباد ہوا وہ دراصل قفقاز کا رہنے والا تھا۔ اگلے صفحہ پر وہ لکھتی ہیں کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں ترکی خلافت کی حمایت میں ہندوستانی مسلمانوں نے جس قدر دلچسپی لی سب کو معلوم ہے۔ اسی زمانے میں شاعروں نے اتاترک کو خراج تحسین پیش کیا۔ اقبال نے ''پیامِ مشرق'' میں ''ازمیر کا فاتح'' پھر ''اسمِ اعظم مصطفیٰ'' جیسی نظموں میں اتاترک کی فتوحات کی تحسین کی ہے۔

وہ مزید لکھتی ہیں کہ ترکیہ اور پاکستان کے تعلقات کو مضبوط بنانے میں اقبال کی کتب ایک اہم وسیلہ ہیں۔ اقبال کو پڑھنا اور سمجھنا آسان نہیں انھوں نے مشرق و مغرب کے فلسفے اور فکر کے مطالعہ کا اظہار اپنی کتب میں کیا ہے۔ جس کی ایک مثال ان کے خطبات ہیں۔ صوفی حوری نے خطبات اقبال کے اس ترکی ترجمے کو انتہائی شوق اور لگن سے مکمل کیا ہے۔ اس کام پر وہ صوفی حوری کو دل سے مبارک دیتی ہیں۔ نیز ان کے نزدیک اقبال کی کتب سے محبت کرنے والے اس ترجمے کو پسند کریں گے۔ آخر پر وہ دعا کرتی ہیں کہ صوفی حوری کا یہ ترجمہ دین کے مسائل کے حل کے لیے ایک الہامی ماخذ ثابت ہو۔

کتاب کے ترجمے کے آغاز میں صوفی حوری نے اقبال کے ''پریفیس'' کے ڈیڑھ صفحے ''بشلانگچ'' کے عنوان سے ترجمہ ڈیڑھ صفحے ہی میں کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اقبال کے ساتوں انگریزی خطبات کے ۱۹۹ صفحات کا ۲۱۷ صفحات میں تقریباً تمام متن کا رواں ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔ اس کتاب کے آخر پر انھوں نے ایک ''کتابیات'' دی ہے جس میں تشکیل جدید از سید نذیر نیازی اور اُنا میری شمل کے جاوید نامے کے ترجمے کے حوالے کے ساتھ ساتھ ترکی فارسی اور فلسفے کی لغات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد دس صفحات کی لغت ''لغاتچہ'' کے عنوان سے کتاب میں استعمال کی گئی علمی اصطلاحات کے انگریزی متبادل دے دیے ہیں تاکہ قاری کو انھیں سمجھنے میں مزید سہولت میسر آسکے۔

صوفی حوری نے اقبال کے پہلے خطبے ''نالج اینڈ ریلیجس ایکسپرینس'' کا ترجمہ ''علم و دینی تجربے'' تقریباً ۲۸ صفحات میں کیا۔ اقبال کے دوسرے خطبے ''دی فلاسفیکل ٹیسٹ آف دی ریویلیشنز آف ریلیجس ایکسپرینس'' کا ترجمہ ''دینی تجربے وحیے لری نن فلسفی معیاری'' یہ عنوان سید نذیر کے اردو ترجمے کے زیادہ قریب ہے انھوں نے اس کا ترجمہ ''مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار'' کیا ہے۔ اقبال کے تیسرے خطبے کا عنوان ''دی کونسیپٹ آف گاڈ اینڈ میننگ آف پریئر'' کا ترجمہ صوفی نے ''اللہ مفہوموے دعانن حقیقتی'' ہے اس کا ترجمہ بھی سید نذیر جیسا ہی ہے وہ اس کا ترجمہ ''ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا'' کرتے ہیں۔

اقبال کے چوتھے خطبے کا عنوان ''دی ہیومن ایگو۔ ہز فریڈم اینڈ امورٹیلیٹی'' جبکہ ترکی ترجمہ ''انسانی اینے حریتی وے اولمیزلئی'' کیا ہے۔ اقبال کے پانچویں خطبے ''دی سپرٹ آف مسلم کلچر'' کا ترجمہ ''اسلام کلترنن روحو'' کیا ہے۔ اقبال کے چھٹے خطبے ''دی پرنسپل آف موومنٹ ان دا سٹرکچر آف اسلام'' کا ترجمہ ''اسلام بنیاسیندا حرکت پرنسیبی'' اس عنوان کا ترجمہ مترجم اے۔ ای کے اقبال کے چھٹے خطبے کے عنوان

جیسا ہے جوانھوں نے خطباتِ اقبال کے ترکی ترجمے ''اسلامن روحو'' میں دیا ہے۔اقبال کے آخری خطبے ''از ریلجیس پوسی بل؟'' کا ترجمہ ''دین ممکن نان می در؟'' کیا ہے۔

ترکی زبان میں یہ اقبال کے خطبات کے مکمل متن کا انتہائی احتیاط سے بے کم وکاست پورا ترجمہ ہے۔جس بارے میں مترجم نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے انگریزی خطباب کے علاوہ سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' سے مدد لی ہے۔راقم نے متن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نوٹ کی ہے کہ صوفی حوری نے بیشک بعض فکری نکات کے حوالے سے اردو متن کی طرف رجوع کیا ہے مگر ترجمے کی عبارت زیادہ تر اقبال کے خطبات کے انگریزی متن کے زیادہ قریب ہے۔دوسرے انھوں نے قرآنی آیات یا اشعار کے حوالے بھی اقبال کی طرح دیئے ہیں اس کے علاوہ خطبات کی انگریزی عبارت کا ترکی ترجمہ کرتے ہوئے اقتباس یا عبارت کا ربط اقبال کی طرح ہی رکھا ہے۔(۳۸)

اقبال نے پہلے خطبے میں اپنی بات کی وضاحت کے لیے ترک شاعر توفیق فطرت کا حوالہ دیا ہے (سید نذیر نیازی نے اس ترک شاعر کا نام توفیق فکرت لکھا ہے) کہ ''توفیق فطرت ترکی زبان کا شاعر ہے اور اسی کا انتقال کچھ روز پہلے ہی ہوا ہے اس نے یہاں تک کیا کہ ہمارا عظیم مفکر شاعر عبدالقادر بیدل اکبرآبادی کے اشعار اپنی تحریک کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں۔'' یہ عبارت صوفی حوری نے سرے سے درج ہی نہیں کی بلکہ وہ توفیق فطرت والے جملے بغیر نام لئے شامل کئے ہیں۔(۳۹)

صوفی حوری سے پہلے مترجم اے۔ای نے ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء میں اقبال کے چار خطبات کا ترجمہ کیا تھا۔اس نے اقبال کے چھٹے خطبے ''اسلام بنیا سند احرکت پرنسیبی'' میں ترک شاعر ضیا گوک آلپ کے ترکی اشعار درج کئے تھے (جبکہ اقبال نے صرف ان کا مفہوم دیا تھا)۔ صوفی حوری نے بھی اسی ترتیب سے یہی ترکی اشعار درج کئے ہیں۔صوفی حوری نے اقبال کے خطبات کا مکمل ترجمہ دیا ہے مگر جہاں کہیں ترک یا ترکی کا ذکر آیا ہے وہاں احتیاط سے ترجمہ کیا ہے۔اس حوالے سے چند مثالیں دیکھتے ہیں۔اسی خطبے میں اقبال نے ترک شاعر ضیاء کے مرد وعورت کی مساوات کے بارے میں خیالات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''ضیاء اسلامی عائلی قانون سے واقفیت نہیں رکھتا اور نہ قرآن کے قانون وراثت کی اقتصادی اہمیت کو سمجھتا ہے'' (۴۰) یہ مذکورہ عبارت مترجم اے۔ای نے حذف کر دی تھی۔(۴۱) جبکہ صوفی حوری نے ضیاء کے بارے میں اقبال کے تنقیدی جملوں کا ترجمہ تو کیا ہے مگر نرم الفاظ میں۔صوفی حوری نے عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

''ترک شاعر ضیاء مرد وعورت کے درمیان جو مساوات کا خواہش مند ہے حقیقت میں قرآن میں قانون وراثت کا بنیادی اصول یہی ہے'' (۴۲)

صوفی حوری نے اس ترجمے میں عربی، فارسی کی علمی اصطلاحات کو بعض جگہ انگریزی اصطلاحات سے بدل دیا ہے مگر مجموعی طور پر اس میں فارسی الفاظ وتراکیب کی تعداد مترجم ''اے۔ای'' کے ترجمہ سے قدرے کم شامل کی ہیں۔لہٰذا لگتا یوں ہے کہ صوفی حوری نے ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے انگریزی خطبات کے متن کے علاوہ سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے علاوہ مترجم اے۔ای کے اقبال کے چار خطبات کے ترکی ترجمے ''اسلامن روحو'' کو پیش نظر رکھ کر اپنے ترجمے کو مکمل کیا ہے۔مجموعی طور پر صوفی حوری کے ترجمے کا معیار اقبال کی انگریزی کی طرح بلند ہے اور ترجمے کی زبان علمی ہے لہٰذا اسے عام قاری کے لیے سمجھنا قدرے آسان نہیں ہے۔ڈاکٹر محمت علی اوز کا نے ابوالحسن ندوی کی کتاب ''روائع اقبال'' کے ترکی ترجمے ''اقبال وے قرانی حکمت'' میں اقبال کی تصانیف کے ترکی تراجم کا ذکر کرتے ہوئے صوفی کے ترجمے کی زبان کو خیالی اور قدیم (dili hayali eskimişti) قرار دیا ہے۔(۴۳)

iii. اسلام دادینی دشنجے نن ینی دین دوغوشو İslamda Dini Düşüncenin Yeniden Doğuşu

مترجم: ڈاکٹر۔این۔احمد اسرار Allama Muhammad İkbal

اقبال کے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن) کا ترکی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر این۔احمد اسرار نے "islamda Dini Dusuncenin Yeniden Dogusu" کے عنوان سے کیا جو استنبول سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب اقبال کے انگریزی خطبات کا دوسرا مکمل ترکی ترجمہ ہے۔ اقبال کے خطبات کا پہلا مکمل ترجمہ صوفی حوری نے ۱۹۶۴ء میں کیا تھا تاہم اقبال کے خطبات کے ترکی میں کئی نامکمل تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سے ایک ترک مترجم ای۔اے کا اقبال کے چار خطبات کے تراجم بھی ہیں جو ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں مختلف ترکی رسائل میں شائع ہوئے۔ بعد میں یہ کتابی شکل "اسلام ن روحو" کے نام سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر اسرار کی کتاب کے آغاز میں ناشر کی طرف سے ایک نوٹ "یاین جی نن نوٹو" دیا گیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ "انھوں نے اقبال کی کتاب کا من وعن ترجمہ کروایا ہے تاکہ اس صوفیانہ ترجمے کی وجہ سے قارئین غلط فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں اور مصنف کی حیثیت مجروح نہ ہو۔" اس کے بعد ڈاکٹر اسرار کا پانچ صفحے کا پیش لفظ "سونچ" دیا گیا ہے۔ اس میں مترجم نے اسلامی فکری دنیا میں اقبال کی شہرت کی وجہ ان کی شاعری کے بعد ان کی نثری تصنیف "دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجیس تھاٹ اِن اسلام" کو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "صاحب علم اقبال کئی حیثیتوں سے مشہور ہیں مگر حقیقت میں وہ ایک شاعر ہیں۔ وہ بیک وقت ایک اچھے معلم، مسلمان عالم، ماہر عمرانیات اور عظیم سیاسی رہنما تھے۔ لیکن ان کی زیادہ تر شہرت ایک فلسفی شاعر کی ہے۔ اقبال کے مغربی و مشرقی فکری خیالات جاننے کے لیے لوگ ان کی شعری تصانیف سے استفادہ کرتے ہیں۔ اقبال کی نثری کتب، شعری کتب کی بہ نسبت کم ہیں مگر فکری لحاظ سے بڑی اہم ہیں۔" (۴۴)

ڈاکٹر اسرار، اقبال کی نثری تصانیف کا ذکر کرنے کے بعد اقبال کے ساتوں خطبات کا مختصر اً تعارف کرواتے ہیں۔ اس کے بعد مترجم لکھتے ہیں کہ "خطباتِ اقبال" علامہ اقبال کی ایک سنجیدہ علمی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے اس میں ثقافت اور مدنیت کی تشکیل میں انسانیت کے بنیادی سوالات کو فلسفے کی تاریخ اور علمی تصورات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کتاب کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے ماضی اور حال کو بڑے اچھے طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ نیز عالمِ اسلام کی حالیہ بیداری کی تحریک میں اس کتاب جیسی تصانیف کے اہم کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (۴۵) آخر میں مترجم لکھتے ہیں کہ اقبال کی یہ کتاب صوفیانہ اور فلسفیانہ موضوع کی بنا پر بڑی پیچیدہ ہے اس لئے میں نے اسے جس حد تک ممکن تھا آسان ترکی میں لکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ ترک قارئین، اقبال کی اس علمی اور فکری کتاب سے کما حقہ مستفید ہو سکیں۔ (۴۶)

اقبال کے انگریزی پیش لفظ (اون سوز) کے ترکی ترجمے کے بعد اقبال کے ساتوں خطبات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری صفحہ پر اقبال نے اپنی کتاب "جاوید نامہ" سے چند اشعار دیے تھے مترجم نے ان اشعار کا منظوم ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار نے اقبال کے پہلے خطبے "نالج اینڈ ریلیجس ایکسپیرینس" کا ترجمہ "علم وے دینی تجربے" کے عنوان سے تقریباً ۳۲ صفحات میں کیا ہے۔ اقبال کے دوسرے خطبے "دی فلوسفیکل ٹیسٹ آف دی ریویلیشنز آف ریلیجیس ایکسپیرینس" کا ترجمہ "دینی تجربے وچے لری نن فلسفی اولچوسو" کے عنوان سے ۴۲ صفحات کو محیط ہے۔ یہ عنوان صوفی حوری کے ترکی ترجمے کے قریب ہے جنہوں نے اس کا ترجمہ "دینی تجربے وچے لری نن فلسفی معیاری" کیا ہے۔ اقبال کے تیسرے خطبے کا عنوان "دی کونسیپٹ آف گاڈ اینڈ میننگ آف پریئر" کا ترجمہ ڈاکٹر اسرار نے "اللہ قادرام وے عبادتن اَن لی" کے نام سے کیا ہے یہ ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اقبال کے چوتھے خطبے کا عنوان "دی ہیومن ایگو۔ ہز فریڈم اینڈ اِمورٹیلیٹی" جبکہ ترکی ترجمہ "انسانن بین لیغی، حریتی وے اولمزلیغی" ۲۷ صفحات میں کیا ہے۔ اقبال کے پانچویں خطبے "دی

سپرٹ آف مسلم کلچر'' کا ترجمہ ''اسلام کلترن روحو وے جان لی لغی'' کیا ہے۔ یہ ترجمہ ۲۷صفحات پر مشتمل ہے۔ اقبال کے چھٹے خطبے'' دی پرنسپل آف موومنٹ ان دا سٹرکچر آف اسلام'' کا ترجمہ ''اسلام بنیاسیندا حرکت پرنسپی'' کے عنوان سے ۳۲صفحات میں کیا ہے۔ اس عنوان کا ترجمہ مترجم اے۔ ای کے اقبال کے چھٹے خطبے کے عنوان جیسا ہے جو انھوں نے خطباتِ اقبال کے ترکی ترجمے ''اسلامسن روحو'' میں دیا ہے۔ نیز صوفی حوری نے بھی چھٹے خطبے کا عنوان یہی لکھا ہے۔ اقبال کے آخری خطبے'' از ریلیجیس پوسی بل؟'' کا ترجمہ ''دین ممکنا تن می در؟'' کیا ہے جو ۲۲صفحات پر مشتمل ہے۔ جب کہ صوفی حوری نے اس خطبے کا عنوان ''دین ممکن تان می در؟'' کیا ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد اسرار تقریباً ۱۹۶۵ء سے ترکیہ میں مقیم ہیں انھوں نے استنبول یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم۔اے کیا تھا۔ پھر انھوں نے انقرہ یونیورسٹی سے تاریخ میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ لہٰذا ایک مدت سے ترکی زبان بولنے اور پڑھنے سے انھیں ترکی زبان پر مہارت حاصل ہوگئی تھی جس کی بنا پر وہ پاکستان سفارت خانے میں ابتداً مترجم اور بعد میں پریس ایڈوائزر کے طور پر منسلک رہے۔ ایک مدت سے ان کی خواہش تھی کہ اقبال کے خطبات کا آسان ترکی زبان میں ترجمہ کیا جائے (۴۷)

وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اقبال کے خطبات کا ترجمہ ۱۹۷۷ء کی اشاعت کو مدنظر رکھ کر آسان ترکی زبان میں کیا ہے۔ (۴۸) مذکورہ ترجمہ کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ مترجم کی یہ بات کس حد تک درست ہے کہ انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے خطبات کو مدنظر رکھا ہے اور کس حد تک اس کا آسان زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

مترجم نے ''انگریزی خطبات'' کے ۲۰۰صفحات (مع اقبال کے پیش لفظ کے ۲صفحات) کا ترجمہ ۲۵۲ میں دیا ہے۔ مطالعہ کے دوران چند باتیں سامنے آئی ہیں۔ ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے مذکورہ ترجمے کو اقبال کے انگریزی خطبات کے مطابق ترجمہ کیا ہے مگر شواہد یہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے صوفی حوری کے'' خطباتِ اقبال'' کے ترجمے سے مدد لی ہے۔ صوفی حوری نے بھی'' خطباتِ اقبال'' کا ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن) اور سید نذیر کے اردو ترجمے ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' سے مدد لی ہے۔ مگر ان کا ترجمہ فارسی اور عربی تراکیب کی بھرمار سے قدرے کلاسیک کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۴۸ء میں اس وقت کیا گیا جب جدید ترکی زبان کی تشکیل کا ابتدائی دور تھا۔ ضرورت تھی کہ ترکی زبان کے بدلتے تقاضوں کے تحت'' خطباتِ اقبال'' کا ازسرِنو جدید ترکی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ ڈاکٹر نثار، سفارت خانہ پاکستان سے منسلک تھے یقیناً انھیں اس بات کا ادراک ہوگیا ہوگا۔ اس بات کا اظہار کسی حد تک انھوں نے اپنے پیش لفظ میں بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر نثار کا ترجمہ صوفی حوری کی طرح انگریزی'' خطباتِ اقبال'' کا تقریباً مکمل ترجمہ ہے۔ دونوں تراجم کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بات کئی جگہوں پر محسوس ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے پوری پوری سطریں صوفی حوری کے ترجمے سے نقل کر دی ہیں۔ بعض جگہوں پر تو انھوں نے فارسی لفظ کو ترکی لفظ سے بدل کر جملہ بعینہٖ لکھ دیا ہے۔ مثلاً صوفی حوری نے اپنے ترجمے کے صفحہ ۳۵ پر یہ لکھا ہے:۔

"Şimdi tecrübenin diğer mertebelerine, yani hayat ve şûûr mertebelerine geçiyoruz. Şûûr, hayattan bir nevi inhiraf gibe tasavvur olunabilir." (49)

جبکہ ڈاکٹر نثار یوں لکھتے ہیں۔

"Şimdi, tecrubenin diğer mertebelerine, yani hayat ve şuur mertebelerine geçiyoruz. Şuur, hayattan bir bakima, kaçiş gibi addolunabilir. (50)

ڈاکٹر صاحب نے متعدد مقامات پر صوفی حوری کے ترجمے کے الفاظ میں معمولی ردو بدل کیا ہے۔مثلاً ایک جگہ صوفی حوری نے اگر ''Ancak'' (انجاق، معنی فقط یا صرف) لکھا ہے۔تو ڈاکٹر صاحب نے لفظ بدل کر "Fakat" کر دیا ہے۔(۵۱)

ڈاکٹر نثار نے صوفی کے ترجمے میں موجود فارسی اور عربی تراکیب کو بدل کر جدید ترکی میں ڈھالا ہے۔علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کا اسلوب صوفی حوری کی نسبت تشریحی ہے۔صوفی حوری نے ترجمہ کرتے ہوئے اختصار اور جامع اسلوب اختیار کیا ہے۔جس سے عبارت پیچیدہ اور مشکل ہو گئی ہے۔(۵۲)

ماسوائے چند ایک جگہوں کے ڈاکٹر نثار نے آیات قرآنی کے جو حوالے دیے ہیں وہ اقبال کے انگریزی خطبات کے مطابق ہیں اور صوفی حوری نے بھی یہی حوالے درج کئے ہیں۔ڈاکٹر نثار نے اقبال کے خطبات کی طرح اس ترجمے کا علمی معیار برقرار رکھا ہے مگر بعض جگہوں پر اقبال کی طرح انھوں نے بھی بغیر پیراگراف بنائے طویل عبارت درج کردی ہے۔جس سے قاری کو عبارت کا مفہوم سمجھنے میں کافی دقت پیش آتی ہے۔مثلاً اقبال نے اپنے دوسرے خطبے میں صفحہ ۳۷ تا ۴۰ پر بغیر پیراگراف بنائے ایک طویل عبارت دی ہے، ڈاکٹر نثار نے بھی اسی طرح اپنے ترجمے میں صفحہ ۶۱ تا ۶۴ اس طویل عبارت کا بغیر پیراگراف کے ترجمہ کیا ہے۔(۵۳)

ڈاکٹر نثار کے خطبات کے ترکی ترجمے میں ایک اور بات اس امر کی نشاندہی کررہی ہے کہ مترجم نے صوفی حوری کے ترجمے ہی کو مدنظر رکھا ہے۔مثلاً اقبال نے اپنے ساتوں خطبوں میں تین فارسی شعراء عرفی، غزالی اور ناصر علی کا ایک ایک شعر اور رومی کے پانچ اشعار فارسی میں درج کیے ہیں۔صوفی حوری نے پہلے تین شعراء کے فارسی اشعار کو ترکی تلفظ میں منظوم لکھا ہے اور بعد میں ان اشعار کا ترکی زبان میں مفہوم لکھا ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب نے تینوں شعراء کے اشعار کا جو مفہوم لکھا ہے وہ چند الفاظ کے ردو بدل کے ساتھ صوفی حوری کے اشعار کے مفہوم سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔اقبال نے اپنے دوسرے خطبے میں عرفی کا یہ شعر درج کیا ہے۔

زنقص تشنہ لبی دان بعقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

صوفی حوری نے اس کا ترکی مفہوم دینے سے پہلے اسے ترکی تلفظ میں لکھا ہے:۔

Zi naks-i-tesne-lebi dan be-akli-i-his menaz

Dilet ferib ger ez celve-i-serab nehurd

اور اس کا ترکی ترجمہ یوں دیا ہے:۔

"Eger kalbiniz şeraba aldanmiyorsa, anlayişmizim keskinligine gururlanmaymiz; cunku bu qalat-i ru yetten muaf olmaniz sizin natamam susuzluğunuzdan dolayıdır."

اس شعر کا مفہوم ڈاکٹر نثار نے یوں دیا ہے:۔

"Eğer kalbin seraba aldanmiyorsa zekanin keskinliğine gururlanma/Çünkü bu aldatici hayaldan kürtülman senin giderilmemiş susuzuğundan dolyidir."

(اردو مفہوم کچھ یوں ہے:

''اگر تمہارے دل نے سراب سے فریب نہیں کھایا تو اپنے فہم کی تیزی پر فخر نہ کر کیونکہ نظری فریب سے یہ آزادی تمہاری ادھوری پیاس کی وجہ سے ہے'')

ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ بالانشان زدہ الفاظ کو بدل کر مفہوم کو نئے انداز سے لکھ دیا ہے۔

اقبال نے پہلے خطبے میں اپنی بات کی وضاحت کے لیے ترک شاعر توفیق فطرت کا حوالہ دیا ہے کہ ''توفیق فطرت ترکی زبان کا شاعر ہے اور اس کا انتقال کچھ روز پہلے ہی ہوا ہے اس نے یہاں تک کیا کہ ہمارا عظیم مفکر شاعر عبدالقادر بیدل اکبرآبادی کے اشعار اپنی تحریک کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں۔'' یہ عبارت صوفی حوری نے سرے سے درج ہی نہیں کی۔ (۱۱) یہی صورت حال ڈاکٹر نثار کے ترجمے میں دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے بھی توفیق فطرت کا ذکر کیے بغیر صوفی حوری کی عبارت کو قدرے آسان زبان میں لکھ کر شامل ترجمہ کیا ہے۔ (۵۴)

چھٹے خطبے میں اقبال نے ترک شاعر ضیاء کے مرد و عورت کی مساوات کے بارے میں خیالات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''ضیاء اسلامی عائلی قانون سے واقفیت نہیں رکھتا اور نہ قرآن کے قانون وراثت کی اقتصادی اہمیت کو سمجھتا ہے'' (۵۵) یہ مذکورہ عبارت اور ڈاکٹر فشر کا حوالہ جہاں سے اقبال نے ترک شاعر ضیاء کے اشعار لئے تھے، مترجم اے۔ای نے حذف کر دی تھی۔ جبکہ صوفی حوری نے ڈاکٹر فشر کا حوالہ دیئے بغیر ضیاء کے بارے میں اقبال کے تنقیدی جملوں کا ترجمہ تو کیا ہے مگر نرم الفاظ میں۔ (۵۶) محترمہ کے انہی الفاظ کے مفہوم کو ڈاکٹر نثار نے اپنے ترجمے میں شامل کیا ہے۔ (۵۷) ان تمام باتوں کے باوجود ڈاکٹر نثار کا ترجمہ متوازن اور رواں ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر جلال سوئیدان ڈاکٹر نثار کا خطبات اقبال کا ترکی زبان میں ترجمہ بہ نسبت صوفی حوری کے عام فہم اور سلیس ہے۔ (۵۸)

(د) مکاتیب اقبال

i. محمد اقبال مکتوپ لر
مترجم: خلیل طوق اُر

Muhammed ikbal
Mektuplar

استنبول یونیورسٹی شعبہ اردو کے ترک استاد ڈاکٹر خلیل طوق اُر نے علامہ اقبال کے ۱۰۲ خطوط کا ترکی زبان میں ترجمہ بعنوان "Muhammed ikbal Mektuplar" کیا ہے۔ اس کتاب کے ۴۷۴ صفحات ہیں اور یہ ''قاتنوس یاین لری'' استنبول سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔

کتاب کے آغاز میں مترجم نے ''اون سوز'' یعنی پیش لفظ دیا ہے۔ اس کے آغاز میں انھوں نے خطوط نگاری کا تعارف دیتے ہوئے خطوط کو نجی تحریر قرار دیا ہے۔ جس کے ذریعے مکتوب الیہ کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اقبال کی وفات کے بعد ان کے خطوط کے شائع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے خطوط کے ایک مجموعہ ''شاد اقبال'' کا ذکر کیا ہے جو اب تک شائع ہوا ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کے اب تک ۱۰۲ خطوط شائع ہو چکے ہیں۔(۵۹) حالانکہ ترکی ترجمے کے شائع ہونے تک اقبال کے مکتوب کے کئی مجموعے سامنے آ چکے ہیں۔

کتاب میں ۷ صفحات میں علامہ اقبال کی پیدائش سے وفات تک مختصر حالات زندگی کے علاوہ اقبال کی منظوم اور منثور کتب کا تعارف دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقبال کے تین اہم شخصیات کے نام لکھے خطوط کا ترجمہ دیا ہے۔ اس کے آغاز میں علامہ اقبال کے جناح کے نام لکھے ۱۶ میں سے ۱۳' عطیہ بیگم کے نام لکھے ۱۰ خطوط اور خان نیاز الدین خاں کے نام لکھے ۷۹ خطوط کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ ترجمے کے آغاز میں "Muhammed Ali Cinnah'a Mektuplar" یعنی ''اقبال کے محمد علی جناح کے نام خطوط کا ترجمہ دیتے ہوئے پانچواں خط محررہ ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء' آٹھواں خط محررہ ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء اور بارہواں خط محررہ ۱۳، اگست ۱۹۳۷ء کو شامل نہیں کیا گیا۔ ان خطوط کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے غالباً محمد جہانگیر عالم کے اردو ترجمہ کو مدنظر رکھا ہے۔ کیونکہ خطوط کی عبارت اور خطوط کے نیچے دیے گئے اقبال کے نوٹ ''محرراً آنکہ'' کا ترجمہ اسی طرح دیا ہے جس طرح محمد جہانگیر عالم نے خطوط کے حواشی دیے ہیں۔ مثلاً اقبال کے تیسرے خط محررہ ۲۵ جون ۱۹۳۶ء کے نیچے محمد جہانگیر عالم نے ''سر سکندر حیات، میاں احمد یار خاں دولتانہ اور پنجاب یونینسٹ پارٹی'' کے بارے میں حواشی درج کئے ہیں۔(۶۰)

ان میں سے سر سکندر حیات اور پنجاب سونیسٹ پارٹی'' کے حواشی کا ترکی میں ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کے دوسرے حصے میں عطیہ بیگم کے نام ۱۰ خطوط غالباً مترجم نے بشیر احمد ڈار کی کتاب "Letter of Iqbal" سے لیے ہیں کیونکہ ترکی ترجمے کی عبارت بشیر احمد ڈار کے خطوط کے مطابق ہے۔ مثلاً عطیہ بیگم کے نام کا پہلا خط ۲۴ اپریل ۱۹۰۷ء کا دیا گیا ہے۔ اس خط کے نیچے اقبال کی عطیہ کو ارسال کی گئی فارسی نظم کا متن بشیر احمد ڈار نے جو دیا ہے اُسی نظم کے اشعار کا ترک مترجم نے پہلے ترجمہ پھر اس خط کی وضاحت سے متعلقہ چند جملے "Acaklama" (وضاحت) دی گئی ہے۔(۶۱)

پہلا فارسی شعر یوں تھا۔

اے گل زخار آرزو آزاد چوں رسیدۂ
تو ہم ز خاک ایں چمن مانند ماد میدۂ(۶۲)

ترکی ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

Eygül! Arzu dikeni olmadan nasl böyle bitmişsin?

Sen de bu kirin toprağindan gibimi yetimişin? (63)

اسی طرح مترجم نے ان دس خطوط میں بشیر ڈار کی دی انگریزی عبارت اور ان میں موجود اشعار یا حوالہ جات کا مکمل با محاورہ ترجمہ دینے کے علاوہ تقریباً ہر خط کے نیچے ایک ڈیڑھ اقتباس میں اس کی وضاحت کی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مترجم خطوط سے متعلقہ نکات کی وضاحت کر کے قارئین کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کو دور کرنا چاہتے ہوں۔

کتاب کے تیسرے حصہ "Han Muhammed Niyazud-Din Hana mektuplar" میں علامہ اقبال کے خان نیاز الدین خاں کے نام لکھے ۹۷ خطوط کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہاں مترجم نے خان نیاز الدین خاں کے نام ساتھ ''محمد'' کا اضافہ کر دیا ہے۔

''مکاتب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں'' کی پہلی اشاعت بزم اقبال لاہور کی طرف سے ۱۹۵۴ء میں سامنے آئی پھر اس کی دوسری اشاعت اقبال اکادمی کی طرف سے ۱۹۸۶ء میں پروفیسر محمد منور کے دیباچہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس میں حواشی اور تعلیقات نفیس احمد خان نے لکھے تھے۔ جبکہ تیسری بار یہ مجموعہ بزم اقبال لاہور کی طرف سے ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوا۔ اس اشاعت کی چند غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں'' کے طبع دوم کے مرتب ''عبداللہ شاہ ہاشمی'' لکھتے ہیں:

> ''(مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین احمد خان بزم اقبال کے طبع دوم) کے نسخے کی پروف خوانی احتیاط سے کی گئی ہے البتہ خط نمبر ۴۲ کی تاریخ تحریر اس میں بھی بدستور (غلط جگہ) خط نمبر ۴۱ کے آخر میں درج ہے۔ متن میں طبع اول (بزم اقبال) کی پیروی کی گئی ہے۔'' (۶۴)

ڈاکٹر خلیل طوق اَر نے ترجمہ کرتے ہوئے غالباً ''اقبال اکادمی'' لاہور کی طبع اول ۱۹۸۶ء اور بزم اقبال کے شائع شدہ خطوط کی طباعت طبع دوم ۱۹۹۵ء کو مدنظر رکھ کر کیے ہیں۔ کیونکہ مترجم نے عبداللہ شاہ ہاشمی کی نشاندہی کردہ غلطی اپنے ترجمے میں نہیں دہرائی۔ ایک نکتہ اور جو مذکورہ بات کی دلیل میں پیش کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مترجم نے پہلے خط کے حاشیہ میں ''سید ولی اللہ دہلوی'' کے نام سے وضاحتی حاشیہ درج کیا ہے۔ (۶۵) جبکہ عبداللہ شاہ ہاشمی کے نزدیک یہ حاشیہ اقبال اکادمی کے طبع اول اور بزم اقبال کے طبع دوم میں نام کی غلط فہمی کی وجہ سے درج ہو گیا ہے۔ جبکہ اقبال کے خطوط کے عکسی نقول میں ''سید ولی اللہ'' کی بجائے ''سید ولی شاہ'' کا ذکر ہے۔ (۶۶)

تمام خطوط کی ترتیب اقبال اکادمی کی طبع سے مطابقت رکھتی ہیں کیونکہ خطوط کے ترکی ترجمے میں حوالے بہت کم ہیں۔ بقول عبداللہ شاہ ہاشمی ڈاکٹر ذوالفقار نے بزم اقبال کی طبع دوم ۱۹۹۸ء میں نفیس احمد خاں کے حواشی اور محمد منور کا دیباچہ حذف کر دیئے تھے۔ (۶۷) خط نمبر ۷۸ پر عبداللہ ہاشمی نے ۳۰ مارچ ۱۹۶۸ء کی تاریخ درج کی ہے جبکہ اسی مواد پر مبنی خط پر خلیل طوق اَر نے ۲۲ اپریل ۱۹۲۴ء کی تاریخ درج کی ہے اور غالباً ایسا سہواً ہوا ہوگا۔

عطیہ بیگم کے نام اقبال نے انگریزی میں خطوط لکھے تھے۔ عطاء اللہ شیخ نے ان خطوط کے اردو ترجمے کو اپنی کتاب ''اقبال نامہ'' میں شائع کیا ہے۔ وہ ان خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' زبان کی خوبی لطافت اور حسن بیان ان خطوط کا خاص حصہ ہے۔ ابتدائی عمر میں اقبال کی یہ انشاء پردازی اہم اور نازک مسائل پر اظہار خیال کا پیرایہ اس کی قادرالکلامی کا ایک نا قابل تردید ثبوت ہے۔'' (۶۸)

اقبال کے خطوط کو خلیل طوق اُر نے بڑے عالمانہ اور محققانہ انداز میں انتہائی احتیاط سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔ خلیل طوق اُر نے اقبال کے تینوں اہم شخصیت کے نام لکھے خطوط کو انگریزی اور اردو زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے محققانہ اور عالمانہ انداز اختیار کیا ہے انھوں نے اقبال کے خطوط ترکی زبان میں شائع کرنے کی ترک قارئین کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل بڑے احسن انداز سے کی ہے۔ ترجمے کی زبان بڑی رواں اور متاثر کن ہے۔

اقبال نے جناح اور عطیہ بیگم کے نام خطوط انگریزی زبان میں لکھے تھے۔ ان کی انگریزی دانی سے دنیا واقف ہے۔ اقبال کا خطوط میں اسلوب دلچسپ اور قدرے خطابیہ ہے۔ لہٰذا مترجم نے اقبال کے اسلوب اور انداز کو ترجمے میں برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ علامہ اقبال "فلسفۂ عجم" (مترجم میر حسن الدین) نفیس اکیڈمی حیدرآباد، ۱۹۴۴، صفحہ:۹

۲۔ ایضاً، صفحہ:۳۹

۳۔ این میری شمل، ڈاکٹر: "شہپر جبریل" (مترجم) ڈاکٹر محمد ریاض، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۸۸۹، صفحہ:۵۹

۴۔ میر حسن الدین، فلسفۂ عجم، (فہرست مضامین ترجمہ the development of metaphysics in persia) نفیس اکیڈمی، کراچی، پانچویں ایڈیشن ۱۹۶۲، صفحہ:۸۳-۸۴۔

5. Muhammad ikbal, islam Felsefesine Bir Katkı, insan Yayınları, İstanbul, 1997, Sayfa 9

6. = do =, Sayfa 16

7. = do =, Sayfa 17

8. = do =, Sayfa 18

9. = do =, Sayfa 23

10. = do =, Sayfa 33,40

11. = do =, Sayfa 46

12. = do =, Sayfa 57

13. = do =, Sayfa 77

14. = do =, Sayfa 111

15. = do =, Sayfa 121

۱۶۔ شذرات فکر اقبال مرتب ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، مترجم ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم مئی ۱۹۸۳، صفحہ:۲

17. Muhammed ikba, Çeviri, Halil Toker: Yanísmlar, genclik notları, kakmüs, yayinlari, istanbul, 2001, Sayfa 6

18. Muhammed ikbal Yansimalar, Sayfa 81-85

19. Ahmet Albayrak, Türkçe'de Muhammad ikbal, Divan 2003/1, sayl:14, Sayfa: 252-253

نوٹ: رسالہ "سلامت" کے ناشر ترک شاعر محمد عاکف کے داماد عمر رضا دوغرل تھے۔

20. Muhammad ikbal, Islamin Ruhus Çev: E.A Doğan Güneş yayinlari, istanbul, 1963, Sayfa 5

21. = do =, Sayfa: 95

22. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thought in Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Kashmiri bazar, lahore 1960, Page # 130

23. Muhammad ikbal, islamin Ruhu, Çev: E.A, Doğan Günes yayinları, istanbul, 1963, Sayfa,11

24. = do =, Sayfa: 37

25. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thoutht in Islam, Page # 160

26. Muhammad ikbal, islamın Ruhu, Çev: E.A, Sayfa,38

27. = do =, Sayfa: 39

28. = do =, Sayfa: 39-40

29. = do =, Sayfa: 45-46

30. = do =, Sayfa: 27. (OR) (Muhammad ikbal, Islamda Dini Düşuncenin Yeniden Doğuu, Birlesik, Sayfa, 201)

۳۱۔ رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر، خطبات اقبال شمولہ: دائرہ معارف اقبال، جلد دوم، شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ۲۰۱۰، صفحہ: ۲۵۵

32. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thoutht in Islam, Page # 71

33. Muhammad ikbal, islamin Ruhu, Çev: E.A, Sayfa, 71

34. Ahmet Albayrak, Türkçe'de Muhammad ikbal, Divan 2003/1, sayl:14, Sayfa: 252-253

35. Muhammad ikbal, islamin Ruhu, Çev: E.A, Sayfa, 70

36. Muhammad ikbal, "islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü", Çeviri:Sofi Huri, Sayfa: VII

۳۷۔ ترکی زبان کی شاخ چغتائی میں اس نے اشعار بھی کہے ہیں لکھی ہیں۔ اس کی اولاد میں سے کئی ولی عہد ترکی میں اشعار کہتے تھے۔

38. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thought in Islam, Page:10 (OR) Muhammad ikbal, islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü, Çev:Sofi Huri, Celtut Matbaacilik istanbul, Iqbal Acadmy,1964, Sayfa: 26

39. Muhammad ikbal, Çeviri:Sofi Huri, "islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü", Sayfa: 24

40. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thought in Islam, Page: 169

41. Muhammad ikbal, "islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü", Çeviri:Sofi Huri, Sayfa: 39-45

42. = do =, Sayfa: 189

43. Muhammed Munavver ,IKbal ve Kurani Hikmet, Insan Yayinlari, Istanbul 1995,Sayfa 7.

44. Muhammad ikbal, islamda Dini Düşüncenin Yeniden Doğuşu, Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Birleşik Yayincilik, istanbul, 1984, Sayfa 11.

44. = do =, Sayfa 13.

45. = do =, Sayfa 13.

46. = do =, Sayfa 13.

47. = do =, Sayfa 13.

48. Muhammad ikbal, Islam da dini Tefekkürün yeniden Tesekkülü, Çeveri: Sofi Huri, Sayfa:57

49. Muhammad ikbal, islamda Dini Düşüncenin Yeniden Doğuşu, Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Sayfa 64.

50. = do =, Sayfa: 53.

51. Muhammad ikbal, Islam da dini Tefekkurun yeniden Tesekkülü, Çeveri: Sofi Huri, Sayfa:35 (OR) Muhammad ikbal, islamda Dini Düşuncenin Yeniden Doğuşu, Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Sayfa 53.

52. Muhammad ikbal, islamda Dini Duşuncenin Yeniden Doğuşu, Ceviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Sayfa 61-64

53. Muhammad ikbal, islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü, Çev:Sofi Huri, 1964, Sayfa: 24

54. Muhammad ikbal, islamda Dini Düşüncenin Yeniden Doğuşu, Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Sayfa 24-25

55. Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thought in Islam, Page: 169

56. Muhammad ikbal, islam'da Dini Tefekkürün Yeniden Tesekkülü, Çev:Sofi Huri, Sayfa: 39-45

57. Muhammad ikbal, islamda Dini Duşüncenin Yeniden Doğuşu, Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Sayfa

۵۸۔ جلال سوئیدان، نگران، پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، مقالہ بعنوان: ''ترکی میں مطالعہ اقبال'' پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۹۰، صفحہ: ۱۱۰

59. Muhammed ikbal, "Muktuplar" Çeviri, Halil Toker, kaknus Yayinlari, istanbul 2002, Sayfa 8

۶۰۔ محمد جہانگیر عالم''اقبال کے خطوط جناح کے نام''اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۲، صفحہ: ۶۱

61. Muhammed ikbal, Mektuplar, Çeviri: Halil Toker, Sayfa 45

62. "Letter of Iqbal", Compiled & editted, Bashir Ahmed Dar, Iqbal Academy Lahore, 1978, Page 17

63. Muhammed ikbal, Mektuplar, Çeviri: Halil Toker, Sayfa 45

۶۴۔ عبداللہ شاہ ہاشمی، مرتب: ''مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں'' طبع دوم، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶، صفحہ: ۱۰

65. Muhammed ikbal, Mektuplar, Çeviri: Halil Toker, Sayfa 45

۶۶۔ عبداللہ شاہ ہاشمی''مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں''، صفحہ: ۳۱

۶۷۔ عبداللہ شاہ ہاشمی مرتب: ''مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں''، صفحہ: ۱۰

۶۸۔ شیخ عطاء اللہ، ''اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال''، اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۵، صفحہ: ۳۶۳

باب پنجم

ترکی میں اقبال پر کتب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

(الف) ترکی میں سوانح کتب اقبال

i. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، حیات وے فلسفےسی (۱۹۷۷ء) از نامعلوم

ii. محمد اقبال (۱۹۸۴ء) از صلاح الدین یاشار

iii. محمد اقبال۔۔۔حیاتی، صنعت، مجادلےسی (۱۹۸۸ء) از رمضان توریخ

(ب) ترکی میں اقبال پر تشریحی وتوضیحی کتب

i. پاکستانن بیوق ملی شاعری اقبال حقندا کانفرنس لر (۱۹۵۲ء) سفارتِ پاکستان

ii. اسلامن شاعر فیلوصوفو محمد اقبال (۱۹۶۸ء) سفارتِ پاکستان

iii. محمد اقبال (۱۹۶۹ء) سفارتِ پاکستان

iv. دوغونن اویانش (۱۹۸۵ء) از قول سعدی

v. شعرلری آئینہ سندا اقبال (۱۹۹۵ء) از محمد خان کیانی

(ج) اقبال پر لکھی کتب کے ترکی تراجم

i. بیوق اسلام شاعر محمد اقبال (۱۹۵۷ء) از علی علوی قوروجو

ii. دوغودین برسیس (۱۹۸۱ء) از ترگت آکمان

iii. اقبال وے قرآنی حکمت (۱۹۸۱ء) از ایم۔علی اوزکان

iv. این۔ندوی اقبالن مہ ساجی (۱۹۹۰ء) از ڈاکٹر یوسف ایشجق

v. بزوے اقبال (۱۹۹۱ء) از ارگن قلیچ توتن

(الف) ترکی میں سوانح کتب اقبال

i. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، حیات وے فلسفہ سی

Allama Dr. M.ikbal Hayati Ve Felsefesi

مصنف: نامعلوم

علامہ اقبال کی حیات اور فلسفے پر لکھی جانے والی اس کتاب پر مصنف یا پبلشرز کا نام نہیں دیا گیا۔ اس کتاب کی عکسی نقل انقرہ کے ''ملی کتب خانہ'' سے حاصل کی گئی ہے۔(۱) اس پر کتب خانہ کی مہر اور اندراج نمبر مع تاریخ درج ہے۔ اس کے مطابق یہ کتاب ۳۰ دسمبر ۱۹۷۷ء کو درج کی گئی۔ کتاب اقبال کے ایک شعر کے ترکی زبان میں ترجمہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک صفحہ میں اس کتاب کا تعارف دیا گیا ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں اقبال کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالاتِ زندگی جبکہ دوسرے حصے میں اقبال کے کلام سے انتخاب کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

نامعلوم مصنف نے کتاب کے آغاز پر ایک صفحے کا تعارفی نوٹ دیا ہے اسے ''پیش لفظ'' تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس میں وہ اقبال کا تعارف کراتے ہوئے اقبال کے ایک شعر کا ترکی ترجمہ دیتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''مجھے آج (جو ہو رہا ہے اس) کو سننے کے لیے کانوں کی ضرورت نہیں، میں تو آنے والے زمانے کے شاعر کی آواز ہوں''۔ اس کے بعد وہ اقبال کو موجودہ زمانے کے شعراء کا سرخیل اور عظیم شاعر قرار قرار دینے کے بعد انھیں پاکستان کے تصور کا خالق بھی لکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کے اشعار کی بنیاد فکر پر ہے۔ یہی فکر آتشیں نغموں کے روپ میں لوگوں کو حیات بخش پیغام سناتی ہے۔ آخر پر وہ اقبال کے شائقین کے لیے اس کتاب کو اقبال اور اس کے فلسفۂ حیات کو سمجھنے کے لیے مفید قرار دیتے ہیں۔(۲)

دوسرے حصے میں وہ اقبال کے حالاتِ زندگی مختلف ضمنی موضوعات کے تحت مثلاً ''اقبالن آطالر'' (اقبال کے آباؤ اجداد)، ''الک یل لرو ے ایتم'' (ابتدائی سال اور تعلیم)، ''شہرت باسامک لریندا'' (پریس میں شہرت)، ''یکسک تحصیل اچن یرت دشنادا چیکشی'' (اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک روانگی)، ''یورداودنشو'' (وطن واپسی)، ''اودولیندر یلمیسی'' (ڈاکٹریٹ کا میڈل) ''ایلم جی اقبال'' (متحرک اقبال۔ سیاسی فعالت)، ''اونلو مدراس کانفرنسلر'' (مشہور خطبات مدارس)، ''ا یکی اولوس تیزی'' (دوقومی نظریہ)، ''یورالک ماسہ کانفرنسی'' (گول میز کانفرنس)، ''حستہ لک و ے وفاتی'' (بیماری اور وفات) یہاں اقبال کا قطعہ ''نسیم از حجاز آید کہ نا آید'' کا ترجمہ دیا گیا ہے۔(۳) اس کے بعد ''اقبالن مزار'' (اقبال کا مزار)، ''کھیشلی وے کریکیتری'' (شخصیت و کردار) ''ایش وے چوجک لری'' (بیوی اور بچے) ''اقبالن اثرلری'' (تصانیفِ اقبال)، ''اقبالن حیات فلسفہ سی'' (اقبال کا فسلفۂ حیات)، ''دشنجۂ اقبال'' (فکر اقبال)، ''بن لک قورامی'' (تصورِ خودی) تفصیل بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد کتاب کے دوسرے حصے کے آغاز پر اقبال کی ایک تصویر دی گئی ہے جس میں وہ گاؤن پہنے سر پر قراقلی ٹوپی لیے کرسی پر بیٹھے ہیں۔ اس کے اگلے صفحہ پر ''اقبال دین سچے لر'' (اقبال سے انتخاب) کے تحت ۷ صفحات میں درج ذیل اشعار کے ترکی زبان میں تراجم دیئے گئے ہیں۔

ضرب کلیم: 'فلسفہ مذہبِ اسلام'، 'سلطان ٹیپو کی وصیت'، 'طالب علم'، 'آج اور کل' اور 'مردِ مسلمان'۔

بانگ درا: 'دعا'، 'انسان'، 'فلسفہ' اور 'حضور رسالت مآبؐ میں'۔

بال جبریل: 'روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے'۔

پیام مشرق: 'خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا'۔

کتاب کے پہلے حصہ میں اقبال کے جو حالات زندگی ترکی زبان میں دیئے گئے ہیں اس کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ نا معلوم مصنف نے کتاب کو مرتب کرتے وقت اقبال کے بارے میں اُس زمانے میں ترکی میں اقبال کے "حالاتِ زندگی" کے حوالے سے جو معلومات میسر تھیں ان سے انحراف کرتے ہوئے کسی مستند ذریعے سے اقبال کے یہ حالات زندگی حاصل کئے ہیں جو اس زمانے میں (۱۹۷۷ء) میں پاکستان میں لکھے جا چکے تھے۔

اس کتاب میں درج "اقبال کے حالات زندگی کے بارے میں جلال سوئیدان لکھتے ہیں کہ مذکورہ کتاب میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والے "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" سے معلومات حاصل کی ہیں۔" (۴) مثلاً ترکی میں اس زمانے تک اقبال کی تاریخ پیدائش ۲۲ فروری ۱۹۷۳ء لکھی جاتی تھی مگر اس کتاب میں پہلی بار ۹ نومبر ۱۸۷۷ء لکھی گئی ہے۔(۵)

دوسرے حصہ میں جو انتخاب کلام اقبال دیا گیا ہے۔ اس میں دیئے گئے اشعار مختلف مترجمین کے ہیں اس میں "بانگ درا" کی نظم "حضرت پیغمبرانِ حضور ندا" (حضور رسالت مآبؐ) میں اسرار خودی کی تمہید کے ۴۹ تا ۵۸ یعنی ۱۹ اشعار اور "مصطفیٰ کمال پاشا پنش" (مصطفیٰ کمال پاشا)، کا ترکی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر عبدالقادر قراہ خاں کی کتاب "ڈاکٹر محمد اقبال وے بچے لر" سے لے درج کیا ہے۔(۶) اسی طرح جہاں تک کتاب کے مصنف کا مسئلہ ہے تو ترکی میں بعض پبلشرز کسی مصنف سے کتاب ترجمہ کروا کر اسے اپنے ادارہ کے نام سے شائع کرتے تھے۔ لیکن اس پر تو پبلشر کا نام بھی درج نہیں۔

ماضی میں ترکی میں مارشل لاء کے دنوں میں اکثر ادیب و شاعر زیر زمین چلے جاتے تھے اور فرضی ناموں سے لکھتے تھے یا نام کی بجائے مخفف یا ابتدائی حروف استعمال کئے جاتے تھے۔ جیسے کہ اقبال کے خطبات کے ترکی ترجمے "اسلامن روحو" پر نام کا مخفف ای۔ اے درج کیا گیا ہے۔ غالباً جس زمانے میں مذکورہ کتاب شائع کی گئی وہ دور ترکی میں سیاسی عدم استحکام کا زمانہ تھا۔ ممکن ہے کہ مترجم نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس پر اپنا نام دینا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اس زمانے میں "ڈاکٹر نثار احمد اسرار" استنبول یونیورسٹی کے طالب علم تھے اور وہیں رہتے تھے۔ شاید انھوں نے ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان کے ساتھ مل کر اس نیک کام کو سرانجام دیا ہو۔ بحر کیف جس نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے وہ ہستی قابل ستائش ہے کیونکہ ترکیہ میں یہ وہ پہلی کتاب ہے جس میں پہلی بار اقبال کے حالات زندگی کو سنجیدگی سے ترجمہ کر کے ترک قارئین تک پہنچایا ہے۔

ii. محمد اقبال

رمضان تونچ

Muhammad ikbal

Ramzan Tunç

یہ کتاب ''بیان یاین لری'' استنبول سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ کتاب ۹۶ صفحات ہیں۔ فہرست پر نظر ڈالی جائے تو اس کے چار حصے بنتے ہیں۔ پہلے حصے میں اقبال کے مختصر حالات زندگی' دوسرے میں کتب اقبال کا تعارف، تیسرے میں اقبال کے افکار اور چوتھے میں کلام اقبال سے انتخاب شامل کئے گئے ہیں۔

آغاز میں مصنف نے ۲ صفحات کا ایک پیش لفظ دیا ہے جس میں انھوں نے اقبال کی عظمت اور کتاب کی غرض و غائت بیان کی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ'' مشرقی مفکروں میں بلند لب و لہجے والے مفکر شاعر اقبال کو اس کتاب کے ذریعے نوجوان نسل سے متعارف کراوایا گیا ہے۔ کیونکہ اقبال ہر نفس پر زندگی کے نئے راز آشکار کرتا ہے۔ دوسرے اس مختصر کتابچہ میں اقبال جیسی عظیم ہستی کے بارے میں سب کچھ لکھ دینا ممکن نہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ کتابچہ (ترکیہ میں) اس موضوع پر نئے لکھنے والوں کے لیے کئی نئے در وا کرنے کا باعث بھی ہوگی۔

اس کے بعد مصنف نے اقبال کے حالات زندگی کے آغاز میں'' بچپن' نوجوانی اور ابتدائی تعلیم'' میں اقبال کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے' ان کی پیدائش سیالکوٹ میں بتائی ہے۔ یہاں انھوں نے اقبال کے اپنے بارے میں کہے فارسی شعر'' تنم گل ز۔۔۔ شیراز است'' کو ترکی حروف میں لکھ کر اس کا ترکی مفہوم قوسین میں لکھ دیا ہے۔ تا کہ ترک قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔

پھر اقبال کی تاریخ پیدائش پر بحث کرتے ہوئے ان کی پیدائش کی ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۷ء کی تواریخ درج کی ہیں اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے کہ اقبال نے چونکہ اپنے مقالے پر ۱۸۷۷ء کی تاریخ درج کی ہے لہٰذا اسے ہی قبول کر لینا چاہیے۔ اس مقام پر عبارت میں ایک ستارے کی علامت بنی ہے مگر حاشیے میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ (۷) اس کے بعد ان کے باپ کا نام شیخ نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی ہی لکھا ہے۔ پھر اقبال کی ابتدائی تعلیم، مدرسے میں قرآن پڑھنا' سکول میں میر حسن (جن کے نام کے آگے شمس العلماء لکھا ہے) سے علم اخلاق اور تصوف میں استفادہ کرنے کا ذکر ہے۔ اسی دور میں اقبال کی شعر گوئی کا آغاز ہوتا ہے اور لکھا ہے کہ میر حسن نے انھیں شاعری سکھائی۔ لہٰذا اقبال نے ۱۸۹۳ء سے شعر کہنا شروع کئے۔ یہ بات درست ہے اقبال کہ شعر گوئی کا آغاز اسی دور میں کیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے اسی زمانے میں داغ دہلوی سے اشعار کی اصلاح کی درخواست کی تھی۔

اس کے بعد اقبال کی تعلیم کے لیے لاہور آمد، گورنمنٹ کالج میں داخلا لینا' یورپ میں تعلیم، پھر'' پاکستان واپسی'' کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ آخرالذکر عنوان قابل غور ہے کہ انھوں نے "ikbalin Pakistan'a Dönüş"'' اقبال کی پاکستان واپسی'' لکھا ہے جبکہ اقبال یورپ سے ۱۹۰۸ء کو لاہور آئے تھے۔ اس زمانے تک ابھی پاکستان نہیں بنا تھا۔ (۸) اس عنوان کے تحت انھوں نے اقبال کی سیاسی و سماجی فعالیت کا ذکر ۱۲ صفحات میں کیا ہے۔ اسی باب میں اقبال کی ترکیہ سے دلچسپی، انجمن کے جلسوں میں ان کی شرکت اور ترکیہ کے حوالے سے کہے گئے کلام کا حوالہ دیا گیا ہے۔ قبال کے جنگ طرابلس اور بلقان کے حوالے سے کہے گئے ۱۱ اشعار اور ان کی نظم '' حضور رسالت مآب'' کے علاوہ ان کی نظم '' طلوع اسلام'' کے اشعار کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

اگلا عنوان'' ان کی بیماری اور آخری ایام'' میں مصنف نے ان کے گلے اور آنکھوں کی بیماری کا ذکر کیا ہے۔ یہاں اقبال کے جناح کے نام لکھے خطوط کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر قائد اعظم کے اقبال کے لیے کہے چند جملے درج کیے گئے ہیں۔'' کہ اقبال میرے

دوست اور فکری رہنما تھے۔''

اقبال کے مذکورہ حالات زندگی کا مواد مصنف نے غالباً ''دائرہ معارف اسلامی۔ایران'' سے اخذ کیا ہے کیونکہ اسی طرح کا مواد فارسی میں اس ''دائرہ معارف'' میں بھی موجود ہے۔(۹)

اس کے بعد کتاب کے دوسرا حصہ میں اقبال کے فکری تصورات ''محمد اقبالن دنیا گوریشیو'' (اقبال کا تصور دنیا)، ''اقبالن ادبیات انلیشی''، (اقبال کے نزدیک ادب) میں مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال ایسا شاعر ہے جس میں فن اور فکر اکٹھے موجود ہیں۔ان کی شاعری کا منبع فکر اور فن کی بنیاد عشق ہے۔اقبال عشق کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔اقبال کے نزدیک شاعر قوم کی بیدار آنکھ، سننے والے کان اور دھڑکتا دل ہے جس سے قوم فکری رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔(۱۰) اس کے بعد اگلا عنوان ''اقبال وے تصوف'' (اقبال اور تصوف) ہے۔ اس میں مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال کی روحانی شخصیت کی تعمیر میں سب سے زیادہ حصہ تصوف کا ہے۔بلکہ تصوف ہی ان کے خیالات کی اصل ہے۔(۱۱)

مذکورہ بالا تینوں موضوعات کے سلسلے میں مصنف نے ڈاکٹر علی نہاد تارلان کے ترکی تراجم کے دیباچوں میں دی گئی معلومات کے علاوہ ڈاکٹر ذوالفقار علی خان کی کتاب کے ترکی ترجمے "Doğudan bir ses" اور ڈاکٹر این۔احمد اسرار کے انتخاب کلام پر مبنی کتاب "Doğudan Esintiler" سے استفادہ کیا ہے اور کتاب کے حاشیے میں ان کا ذکر موجود ہے۔

اس کے بعد کتاب کا آخری حصہ ہے اس میں اقبال کے منتخب کلام کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

''پیامِ مشرق'': ''فصلِ بہار'، 'نوائے وقت'، 'غنی کشمیری'، 'دعا' اور 'تنہائی''

''بانگِ درا'': ''بلال''

''بالِ جبریل'': ''ہسپانیہ'، فرمانِ خدا (فرشتوں سے)۔''

''ضربِ کلیم'': '''توحید' کا فرو مومن'' اور چند متفرق رباعیات شامل ہیں۔'

کتاب کا اسلوب سادہ اور استدلالیہ ہے۔مصنف نے اقبال کی شخصیت وفکر کو دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔انتخابِ کلامِ اقبال کے حصہ کی اکثر نظمیں منظوم ہیں۔ان کا ترجمہ کرتے ہوئے غالباً ڈاکٹر علی نہاد تارلان کے ترکی تراجم اقبال کے علاوہ ڈاکٹر این اسرار احمد کے انتخاب کلام اقبال کے ترکی ترجمے پر مبنی کتاب ''دوغودین اسینتی لر'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

iii. محمد اقبال۔۔۔حیاتی، صنعت، مجادلےسی

Muhammed ikbal

Hayati, Sanati Mucadelesi

صلاح الدین یاشار

Selahaddin Yaşar

علامہ اقبال کی سوانح کے سلسلے کی یہ جیبی سائز کی کتاب ترک ادیب صلاح الدین یاشار نے ''ینی آسیہ یاین لری'' استنبول سے ۱۹۸۸ء میں شائع کی۔ کتاب ۱۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں مصنف نے علامہ اقبال کے مختصر حالات زندگی، فن اور جدوجہد کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے کتاب کا کوئی ''پیش لفظ'' نہیں دیا ہے بلکہ کتاب کے آغاز میں پبلشر کی طرف سے پیش لفظ دیا گیا ہے۔ جس میں علمی ترقی کے پیچھے عظیم شخصیت کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ انسانیت کی تاریخ میں ہزاروں انسان مرتے ہیں اور صرف مرنے کے بعد وہ زندہ رہتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں انسانیت کے لئے کچھ کیا ہو۔ دانشوروں کے علمی کام کی وراثت کو نئی نسل تک پہنچانا ضروری ہے تا کہ وہ اپنی تہذیبی ترقی سے آگاہ ہو کر اس کو مزید ترقی یافتہ شکل دیں۔ لہٰذا ''ینی آسیا تحقیقی مرکز'' نے علمی سنگ میل کی حیثیت رکھنے والے افلاطون، ابن سینا اور اقبال جیسی عظیم شخصیات کی سوانح پیش کر کے گزشتہ اور موجودہ نسل کے درمیان پل کا کام کیا ہے۔ (۱۲)

مصنف نے پہلے باب "Mechul Bir Mucadele" میں برصغیر پاک و ہند کے سیاسی و سماجی حالات کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے کی کوشش میں اسلامی روایات کو پامال کیا۔ اس کے بعد مصنف نے اہل فرنگ کی سازشوں کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان میں اسلام کی احیاء کے لیے کی گئی کوششوں خصوصاً ابوالکلام آزاد، سرسید احمد خاں اور شبلی نعمانی کی سیاسی جدوجہد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے آخر پر مذکورہ سیاسی حالات کے پس منظر میں اقبال کی ولادت، ابتدائی تعلیم، شعر گوئی کا آغاز، اقبال کی اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ روانگی اور مغربی فلسفے سے استفادہ کر کے اپنے فلسفیانہ خیالات کو اشعار میں ڈھالنے کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب کے اختتام پر ان کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں جن سے مصنف نے استفادہ کیا ہے۔ (۱۳)

ان کتب میں قول سعدی کی ''دوغونن اودیائش، نواب ذوالفقار کی کتاب کے ترکی ترجمے ''دوغودین برسیس'' کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر قراہ خان کے کلام اقبال کے منتخب ترجمے پر مبنی کتاب ''محمد اقبال وے اثرلردین سچےلر'' شامل ہیں۔

کتاب کی دوسری تحریر "Kurtuluş Topraga Kök Salmaktadir" یعنی ''آزادی کا بیج مٹی میں جڑ پکڑتا ہے'' کے عنوان پر مبنی ہے۔ اس میں مصنف نے اقبال کی یورپ سے وطن واپسی اور مسلمانوں کی بیداری کے لیے ان کی سیاسی جدوجہد پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے انھیں ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی رہنما ثابت کیا ہے۔

اس سے اگلے مضمون ''Dava-islam davasi'' میں مصنف نے ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال کے پس منظر میں برصغیر کے مسلمانوں کے سلطنتِ عثمانیہ کے لیے جو جذبات تھے ان کو بیان کیا ہے۔ وہ سلطنت عثمانیہ کے آخری دور کے سیاسی حالات کے پس منظر میں زوال پذیر عالم اسلام کے لیے علامہ اقبال کا کردار اور ان کی سیاسی جدوجہد کو مثالی قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کلام سے حوالے کے اشعار بھی درج کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے عالم اسلام کے لیے جدوجہد کی ان کا احوال بھی ضمناً بیان کیا ہے۔ مصنف اس سلسلے میں عظیم اسلامی رہنما محمد عاکف، علی سوعادی، خواجہ تحسین، نامق کمال، سعید نورسی، محمد عبدہٗ اور جمال الدین افغانی کا ذکر کرتے ہیں۔

اگلے مضمون کا عنوان "Yeni Bir Ay-Yildiz Doğuyor" یعنی ''ایک نیا چاند ستارہ طلوع ہو رہا ہے۔'' مصنف اس باب میں اقبال کے تصورِ پاکستان اور اس کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے اقبال کی سیاسی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس حوالے سے اقبال

کے جناح کے ساتھ خط کتابت' علامہ کا خطبہ الہٰ آباد، گول میز کانفرنس میں ان کی شرکت وغیرہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

اگلی تحریر "Geleceğin Sesi" یعنی ''مستقبل کی آواز'' ہے۔ اس میں اقبال کی شاعرانہ صلاحیتوں پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ اقبال نے شاعری سے اصلاحِ ملت کا کام لیا ہے اور اسلامی روایات کو زندہ کیا ہے۔ اُن کے نزدیک اقبال کسی ایک دور یا کسی ایک قوم کا شاعر نہیں اور نہ ہی انھیں کسی حدود میں قید کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت میں اقبال' مسلم اُمہ کے شاعر ہیں جن کی شاعری' آنے والے دور کی آواز ہے۔

اگلے مضمون کا عنوان "Sanata Sindirilen Teffekkür" یعنی ''فن میں رچا بسا تفکر'' ہے۔ اس میں مصنف لکھتے ہیں کہ اصل بات شعر کہنا نہیں بلکہ شعر میں احساسات کو منتقل کرنا ہے۔ اقبال نے نہ صرف احساسات کو شعر کی متاثر کن زبان دی بلکہ انھوں نے اپنے فلسفیانہ فکر کو شاعری کی لطیف اور دلکش زبان میں پیش کیا ہے۔ اس باب میں اقبال کے تصورِ فن پر کلام اقبال کی روشنی میں بحث کی ہے۔

کتاب میں اس کے بعد کی تحریر "ikbal Ve Rumi" ہے جس میں مصنف نے رومی اور اقبال کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال کو رومی کا حقیقی مرید قرار دیا ہے۔ وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال مغربی طرزِ زندگی اور فلسفے سے واقف تھے مگر انھیں مشرقی فلسفے خصوصاً رومی کے خیالات میں تسکین ملتی تھی۔ لہٰذا وہ فکری طور پر رومی کے قریب ہو گئے اور انھوں نے ''مثنوی ومعنوی'' سے اکتساب فیض کیا۔ مصنف اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا رومی کے یوں تو بہت سے شاگرد تھے مگر' اقبال نے رومی سے دیگر شاگردوں کی نسبت شعری فکر کے ساتھ ساتھ شعری ہیجان' جوش اور جذبہ بھی حاصل کیا ہے جس نے کلامِ اقبال میں اثر پیدا کر دیا ہے۔

اس کے بعد تصانیفِ اقبال کی اہمیت پر مبنی ایک تحریر ہے جس کا عنوان "Eserlerle Ebedileşmek" یعنی ''تصانیف کے ذریعے ابدیت حاصل کرنا'' ہے۔ مصنف نے آغاز میں اقبال کی فکری جہت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کے فلسفہ خودی اور بے خودی کو بیان کرنے کے بعد ان کی فارسی کتب کا تعارف کروایا ہے۔ اس کے بعد وہ اقبال کی دیگر تصانیف اور ان کا ذکر تفصیلاً کرتے ہیں۔

آخری تحریر "Ve...Değismeyen Netice" ''اور۔۔۔نہ بدلنے والے نتائج'' کے تحت علامہ اقبال کی بیماری ان کے گلے کی خرابی' ان کے صحت کے مسائل اور آخری ایام کا ذکر کیا گیا ہے۔

مصنف کے خیالات سادہ اور کتاب کا اسلوب بیانیہ ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ علامہ اقبال کے اشعار کا ترکی ترجمہ دیا گیا ہے جس سے کتاب میں دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ کتاب کے عنوان میں ''سوانح محمد اقبال'' لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب سوانح سے زیادہ علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کی تشریح پر مبنی ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کے نام درج کیے گئے ہیں۔ (۱۴)

(ب) ترکی میں اقبال پر تشریحی وتوضیحی کتب

i. پاکستانن بیوق ملی شاعری اقبال حقندا کانفرنس لر
Pakistan'in Büyük Milli Şairi ikbal Hakkinda Konferanslar

یہ کتاب علامہ اقبال کے بارے میں ترکی کے مشاہیر کی تقاریر پر مشتمل ہے۔اس کے ۳۹ صفحات ہیں۔یہ کتاب ''انیل مطبع سی'' استنبول سے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔اس میں کوئی پیش لفظ نہیں دیا گیا۔کتاب کا آغاز فہرست سے ہوتا ہے۔اس میں تین مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ''اقبال لاہوری'' کے عنوان سے ہے۔اس مضمون کے آغاز میں ایک نوٹ دیا گیا ہے جس کے مطابق یہ ایک تقریر ہے جو انھوں نے اقبال کی ۱۴ویں برسی کے موقع پر مارمرہ (استنبول) میں منعقدہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر کی تھی۔اس تقریر میں انھوں نے علامہ اقبال کی شخصیت اور فن پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی تاریخ پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء درج کی ہے۔مضمون میں ربط کا فقدان ہے۔دراصل یہ اقبال کے حوالے سے ایک تعارفی تقریر ہے۔جس میں اقبال کے مختصر حالات زندگی،اُن کی چند تصانیف کا تعارف' ان کا اسلوب' ان کے فن کے بنیادی عناصر کو بیان کیا ہے اس کے علاوہ ان کے فلسفہ فکر کی بنیاد تصوف کو قرار دیا گیا ہے۔ان کے نزدیک اقبال پاکستان کے خالق ہیں۔انھوں نے اقبال کے فارسی شعر گوئی کی تعریف کرتے ہوئے ان کے اسلوب کو ''سبکِ ہندی'' قرار دیا ہے جو سبکِ ایرانی اسلوب کی بجائے ''سبکِ اصفہانی'' کے زیادہ قریب ہے۔لیکن اس اسلوب میں لکھنے والے شاعروں سے اقبال کو عرفیؔ' صائبؔ' شوکتؔ اور کلیم سے مختلف قرار دیا ہے۔حالاں کہ ان شاعروں نے بھی تصوف کو اپنا موضوع بنایا ہے مگر اقبال کا نظریہ تصوف ان سب سے قدرے مختلف اور زندگی آموز ہے۔علاوہ ازیں اقبال کے ہاں ایک فلسفیانہ انداز اور خیالات کا ایک نظام موجود ہے جس کے اجزاء ان کی فارسی اور اردو شاعری میں بکھرے پڑے ہیں۔

علی نہاد کے نزدیک اقبال کا کلام الہامی ہے اس کی حقیقت تسخیر (کائنات) ہے۔وہ انفرادی خودی کی تربیت کر کے اجتماعیت میں ڈھل جانے کا جوز کر کرتا ہے وہ دراصل ہمارے اجتماعی مسائل ختم کرنے کا اولین قدم ہے۔اقبال بے شک ہندوستان کا شاعر ہے مگر وہ ہم سب (ترکوں) کے غموں اور مصیبتوں سے واقف ہے۔(۱۵)

علی نہاد نے اس میں کئی منظومات اقبال کا ترکی زبان میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ان میں ''پیام مشرق'' سے جلال و جمال (کا شعر:۱'۳'۴ اور ۵)' میخانہ فرنگ' محاورہ علم وعشق' پند باز با بچہ خویش' اگر خواہی حیات اندر خطر زی' خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا حدی (نغمہ ساربان حجاز)' بوئے گل' اور ''زبورِ عجم'' کے حصہ دوم کی انیسویں نظم ''از خواب گراں خیز!'' کے ۶ بندوں کا ۸ بندوں کی صورت میں ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔جبکہ اس نظم کا فارسی متن اگلے صفحہ پر شامل ہے۔اس نظم کے ۶ کے بجائے ۵ بند دیے گئے ہیں جبکہ پانچواں بند حذف ہے۔ اس تقریر میں انھوں نے اقبال کے مذکورہ ۵ بندوں کے علاوہ چند اشعار بھی فارسی متن میں دیے ہیں۔انھوں نے ''پیام مشرق'' کی تمہید کے درج ذیل شعر سے اگلے ۳ مزید اشعار دیے ہیں۔

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

ان اشعار کا ترکی زبان میں مفہوم ۸ سے ۱۰ لائنوں میں دیا گیا ہے۔اس کے بعد اقبال کے درج ذیل شعر کی تقریباً ۱۲ لائنوں میں تشریح کی ہے۔

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است

اس مضمون میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی تقریر کرتے ہوئے تصویر بھی دی گئی ہے۔(۱۶)

دوسرا مضمون اسماعیل حبیب سیووک کی تقریر کا حصہ ہے جو انھوں نے مذکورہ بالا تقریب میں پیش کی۔اس کا عنوان ''اقبال وے ترکیہ'' ہے جس میں انھوں نے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے اقبال کی ترکیہ سے محبت کو بیان کیا ہے۔وہ ایک ضمنی موضوع: ''بیوق انسان لرین رولو'' (عظیم ہستیوں کا کردار)، میں لکھتے ہیں کہ ملت کی تعمیر و تشکیل میں عظیم لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہاں شیکسپیر کا ایک قول'' کہ دنیا عظیم لوگوں کی تاریخ ہے'' درج کیا ہے۔دوسرے ضمنی عنوان ''پاکستان لا بعض بلعمین سمبل'' (پاکستان سے ربط کی علامت) میں وہ لکھتے ہیں کہ اقبال ترکیہ اور پاکستان کے درمیان روحانی رشتوں کو جوڑنے کی علامت ہیں۔ترکیہ پر جب بھی مصیبت نازل ہوئی تو شاعروں نے اپنی جذباتی بے چینی کا اظہار کیا۔محمت عاکف نے جنگ بلقان کے دوران اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا۔

اے رب! زمین و آسمان کیا سن رہے ہیں میری روح میں اُتر کر

لاہور کا شاعر اقبال بھی اسی دور میں شعری زبان میں ترکوں کی مصیبتوں کا اللہ سے ''شکوہ'' کے ذریعے اپنے جذبات اظہار کرتا ہے۔اس نے ''بانگِ درا'' میں اپنی نظم ''محاصرۂ ادرنہ'' شامل کی ہے جو ترکوں سے ان کی محبت کا ثبوت ہے۔اس کے بعد اگلا ضمنی موضوع ''مولانا وے آتا ترک'' میں لکھتے ہیں کہ اقبال نے اپنی شاعری میں مولانا روی کے ساتھ جس عقیدت و احترام کا اظہار اور ان کی مثنوی سے جو فیض حاصل کیا ہے وہ ہمارے لئے ایک مثال ہے۔اسی موضوع کے تحت وہ اقبال کے اتاترک کی جدو جہد آزادی اور ان کی فتوحات کے حوالے سے کہے گئے اشعار خصوصاً ''طلوع اسلام'' کا حوالہ دیتے ہیں۔اس کے بعد وہ ''مولانا بزوے اقبال'' میں مولانا رومی کا ترکوں سے تعلق کے حوالے سے ان کے چند فارسی اشعار درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اقبال نے مولانا روی کے علم و فلسفے سے استفادہ کر کے ہماری توجہ اُن کی فکر کی طرف دلائی۔حالاں کہ ترک شاعر شیخ غالب نے بھی مولانا کے خیالات کی شرح کی ہے مگر اقبال کا مقام پھر بھی بلند ہے۔اگلا ضمنی موضوع ''کارش لکلی بیوق اثرلر'' اور اس کے بعد کے موضوع ''انسان علوی لی'' (انسانی علویت) کے بعد چند ضمنی موضوعات میں اقبال اور مولانا کا فکری موازنہ کرتے ہوئے ان کے ہاں عشق اور عقل جیسے موضوعات پر بحث کی گئی اور رومی و اقبال کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے ہیں۔اس کے بعد ''اتاترک دے اقبال'' کا ضمنی موضوع ہے۔اس میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۵ء اپریل میں ترک اسمبلی کے چالیس پچاس نمائندے ملک کی سیاسی صورت حال پر بحث کر رہے تھے۔ایک سوال یہ تھا کہ ترکیہ کو سب سے زیادہ خطرہ کس سے ہے؟ کسی نے کہا کہ انگریز خطرناک دشمن ہے۔اتاترک نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا جی نہیں۔انگریز کو ہمارے ملک سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔البتہ وہ صرف اس بات سے خوف زدہ ہے کہ کہیں ہماری فتح دیگر مسلمان اقوام کی آنکھیں نہ کھول دے۔بس اتنی سی بات ہے۔لیکن تقدیر کے سامنے وہ بے بس ہو جائے گا۔'' اس پر اسماعیل کہتے ہیں کہ انقرہ میں مصطفیٰ کمال پاشا اور لاہور میں اقبال ایک ہی حقیقت کو آشکار کر رہے ہیں۔(۱۷) اس کے بعد وہ ''عمر رضا دوغرل آتش'' میں لکھتے ہیں کہ عمر رضا دوغرل جو ''ترک پاکستان ثقافتی انجمن'' کے صدر تھے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اقبال تصور کے پاکستان کے خالق ہیں۔انھوں نے ۱۹۵۰ء میں انقرہ میں منعقدہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر کہا تھا کہ ''پاکستان کو اقبالستان'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

اسماعیل حبیب آخر پر ''نورلوشلث'' میں اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال مشکلات کے تاریک دور میں ترکوں کے ہر غم میں برابر کے شریک تھے۔لہٰذا اقبال کے حوالے سے پاکستان ہمیں عزیز ہے اور ہم پاکستان اور ترکیہ کے رشتے میں اقبال کو رابطے کی کڑی سمجھتے ہیں۔لہٰذا ہم اقبال اور پاکستان کو سلام کرتے ہیں اور سلام کرتے رہیں گے۔

کتاب کا آخری مضمون ڈاکٹر عبدالقادر قراہ خان کی تقریر ہے۔یہ تقریر انھوں نے ۱۴ویں ''یوم اقبال'' کے مناسبت سے لکھی تھی جو اخبار ''وطن'' میں اگلے دن ۲۲ اپریل ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔اس مضمون میں اقبال کے ایک شعر کا ترجمہ دیا ہے۔

Allah'a inanmiyan, hoca gözünde kafir

kendine inanmiyan bence kafirden kafir.

اس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

اللہ کو ماننے والا مُلا کی نظر میں کافر

خود کو نہ ماننے والا میرے نزدیک کافر سے بدتر

آغاز میں انھوں نے اقبال کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش ۲۱ اپریل ۱۸۷۳ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔وہ مصر اور استنبول سے بہت قریب ہیں۔اس کے بعد وہ اقبال کی تصانیف میں ترکوں کا جہاں جہاں ذکر آیا ہے ان حوالوں کو بیان کرتے ہوئے نظم ''طلوع اسلام'' کا ذکر کرتے ہیں۔وہ مزید لکھتے ہیں کہ اقبال اور ٹیگور اس صدی کی اہم شخصیتیں ہیں۔اقبال کی مغربی دنیا میں شہرت کا باعث ان کی مثنوی ''اسرار خودی'' کا وہ ترجمہ ہے جو فارسی ادبیات کے مستشرق پروفیسر نکلسن نے کیا تھا۔جبکہ اقبال نے ترکوں سے اپنی محبت کا ثبوت اپنی تصانیف میں یادگار چھوڑا ہے لہٰذا اقبال کے ترکیہ میں تعارف کے سلسلے میں ہمیں تیزی سے کام کرنا ہوگا۔تاکہ ہم بھی اقبال کی فکر سے استفادہ کر سکیں۔اس کے بعد وہ اقبال کی مولانا رومی سے عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے مشترکہ فکری موضوع ''ایمان وے عشق'' پر روشنی ڈالتے ہیں اور آخر میں اقبال کو ''رومی عصر'' اور ''مشرق کا گوئٹے'' قرار دیتے ہیں۔کتاب کے آخر پر تقریب کی دو تصاویر شائع کی گئی ہیں جن میں کثیر تعداد میں حاضرین موجود ہیں۔(۱۸)

ii. اسلامن شاعر فیلوضوفو محمد اقبال

islamin Şair Filozofu
Muhammad ikbal

سفارت خانہ پاکستان

اس کتابچے پر "اسلامن شاعر فیلوضوفو محمد اقبال" (اسلامی شاعر اور فلسفی محمد اقبال) عنوان دیا گیا ہے اور یہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے سرورق پر علامہ اقبال کی تصویر اور آخری صفحہ پر مزار اقبال کی تصویر دی گئی ہے۔تصویر کے بعد ایک نوٹ بھی دیا گیا ہے۔جس کے مطابق مذکورہ کتابچہ "یوم اقبال" کے موقع پر سفارت خانہ پاکستان کی طرف سے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا گیا ہے۔اس میں تین مضامین اور آخر پر اقبال کی کتاب "جاوید نامہ" کے اشعار "خطاب بہ جاوید سخنے بہ نژاد نو" کا ترجمہ "Cavid'e Hitap" دیا گیا ہے۔

اس کتابچہ میں تینوں مضامین اور اشعار کے ترکی ترجمے پر کسی مصنف یا مترجم کا نام درج نہیں کیا گیا۔اس میں پہلا مضمون "اقبالن حیات" یعنی حیاتِ اقبال کے بارے میں ہے جس میں ۵ صفحات میں علامہ اقبال کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی گئیں ہیں۔اس باب میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۷ء بغیر مہینے اور تاریخ کے درج کی گئی ہے۔اس کے بعد ان کی ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم، کا ذکر ہے۔پھر مصنف نے لکھا ہے کہ عبدالقادر نے علامہ اقبال کی پہلی نظم "ہمالہ" مخزن میں ۱۹۰۱ء میں شائع کی تھی۔اقبال کی اس نظم پر مصنف تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نظم کی ترکیب فارسی اور انداز انگریزی ہے۔اس کے بعد وہ اقبال کی یورپ میں تعلیم، یورپ سے واپسی، گورنمنٹ کالج کی ملازمت، وکالت کا پیشہ اپنانے اور شعر گوئی کے حوالے سے ان کی دیگر نظموں کے ساتھ ساتھ "ترانہ ہندی" لکھنے وغیرہ کی تفصیلات دی گئی ہیں۔اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں بلقان اور طرابلس کی جنگ کے حوالے سے اقبال کے اشعار "حضور رسالت مآبؐ میں" کے آخری بند "حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی۔۔۔۔۔طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں" کا ترکی زبان میں مفہوم دیا گیا ہے۔(۱۹) اس کے بعد اقبال کی ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اول کے زمانے میں لکھی چند نظموں کا تذکرہ کیا ہے۔اس کے بعد اگلے صفحات میں اقبال کی تصانیف کا موضوعات کے حوالے سے تعارف کروایا گیا ہے۔پھر علامہ کی سیاسی و سماجی خدمات کا تذکرہ ہے۔اس کے بعد امت مسلمہ کے لیے ان کی شاعری کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

مصنف کے نزدیک اقبال کی شاعری میں شعری آہنگ کے ساتھ ساتھ اسلامی فلسفہ بھی موجود ہے۔آخر میں اقبال کے اپنی وفات سے پیشتر کہی گئی مشہور رباعی "دیگر دانائے راز آید کہ ناید" کا ترجمہ دیا گیا ہے۔(۲۰)

اگلا مضمون "Terihin akisini değistirip, bir Milletin kaderine tesir eden şair" یعنی "تاریخ کا راستہ موڑ کر قوم کی تقدیر پر اثر انداز ہونے والا شاعر" کے عنوان سے تین صفحات پر دیا گیا ہے۔اس مضمون میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال میں اقبال کی شعری کائنات کا کردار بیان کرتے ہوئے ان کے ذاتی کوائف کو حوالہ بنایا گیا ہے۔تیسری تحریر "ikbal Ve Batili Sairler" یعنی "اقبال اور مغربی شعراء" کے عنوان سے دی گئی ہے۔مصنف نے آغاز میں پاکستان کے عظیم شاعر اقبال کی شاعری کی فکری اہمیت بیان کرتے ہوئے موضوعات کے لحاظ سے اقبال کو فارسی شاعر بیدلؔ اور نظیریؔ کے مماثل قرار دیا ہے۔مصنف کے نزدیک اقبال شرقی اور مغربی شعریات کے علاوہ فلسفے سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔اس لیے ان کی شاعری میں فن کے ساتھ ساتھ فلسفہ بھی موجود ہے۔اس کے بعد مضمون نگار نے اقبال کے شعری موضوعات کا موازنہ مغربی شعراء ورڈز ورتھ، ملٹن، گوئٹے، دانتے اور براؤننگ سے کیا ہے۔

کتاب کے آخر پر علامہ اقبال کی کتاب '' جاوید نامہ'' کے آخری حصہ '' خطاب بہ جاوید (سخنے بہ نژادِنو)''' کا ترکی زبان میں بعنوان "Cavid'e Hitap'' کا مکمل منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ غالباً یہ ترجمہ ترک شاعر اور قانون دان حسین پرویز حاتمی نے کیا ہے۔ کیونکہ اسی طرح کا ترجمہ ان کی کتاب "Cavid-e-Hitab" میں بھی موجود ہے جو استنبول سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔(۲۱)

اقبال کی نظم '' خطاب بہ جاوید'' کا پہلا شعر یہ ہے۔

این سخن آراستن بے حاصل است

بر نیاید آنچہ در قعرِ دل است! (۲۲)

حسین پرویز حاتمی نے مذکورہ فارسی شعر کا ترکی ترجمہ یوں کیا ہے۔

Sōylemek bir fayda vermez her zaman

Dil değildir kalbe uygūn tercūman. (23)

(اردو مفہوم:

ہر وقت کچھ کہنے کا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ زبان قلب کی مناسب ترجمان نہیں ہوتی۔)

مجموعی طور پر یہ مذکورہ کتابچہ اقبال کے بارے میں بنیادی معلومات کا حامل ہے۔ کتابچے کے مضامین کا اسلوب صاف چغلی کھا رہا ہے کہ یہ ترجمہ شدہ ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ پاکستان سفارت خانہ نے انگریزی مضامین کو ترکی میں ترجمہ کروا کے شائع کیا ہے۔

iii. محمد اقبال
Muhammad ikbal

سفارت خانہ پاکستان، استنبول ۱۹۶۹ء

یہ کتاب ''سفارت خانہ پاکستان'' نے اپریل ۱۹۶۹ء میں سر امطبع استنبول سے شائع کروائی۔ اس کے سر ورق پر علامہ کے چہرے کا دائیں رخ کا سکیچ بنا ہوا ہے۔ کتاب میں پانچ مضامین ہیں جو دراصل ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن استنبول'' کی طرف سے منعقدہ ''یوم اقبال'' پر پیش کی گئی تقاریر ہیں۔ اس کے کل ۳۹ صفحات ہیں۔ کتاب کے آخری صفحہ پر ''اسلامن یاپیندا حرکت پرنسیپی'' (اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول) کی مضمون نگار ''پری خان آر برون'' کی ۲۵ جنوری ۱۹۶۷ء کو مزار اقبال پر حاضری دیتے ہوئے لی گئی تصویر شائع کی گئی ہے۔

پہلا مضمون ''دولت آدم اولارک اقبال'' (اقبال بحیثیت بانی ریاست) ہے۔ مضمون نگار ابتداء میں لکھتے ہیں کہ ''میرے لیے اقبال ایک دوست' ایک رہبر اور ایک فلسفی تھے کہ جنھوں نے انتہائی تاریک دور میں برصغیر کے مسلمانوں کو روشن مستقبل کی راہ بجھائی تھی۔(۲۴) اس کے بعد اقبال کی وفات پر قائداعظم نے جو کلمات ادا کیے ان کا ذکر ہے پھر علامہ اقبال کے مختصر حالات زندگی درج ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۳ء جائے پیدائش سیالکوٹ اور ابتدائی تعلیم حاصل کر کے لاہور سے برطانیہ جانے اور پھر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان کی برطانیہ سے واپسی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے تشخص کے لیے سیاسی، ثقافتی اور سماجی کوششوں کا ذکر ہے۔ ۱۹۰۹ء میں امرتسر کے ایک جلسے میں اقبال کی تقریر کے اس حصے کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کی بنا پر الگ الگ قوم ہیں۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے مسلمانوں سے کیے گئے سلوک اور اس کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اقبال کی سیاسی جدوجہد' ان کے الٰہ آباد ۱۹۳۰ء کے خطبے، گول میز کانفرنس ۱۹۳۰۔۳۱ء میں شمولیت کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس کے بعد اقبال کا محمد علی جناح کو مسلمانوں کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے ہندوستان بلانے کے لیے لکھے گئے خطوط کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۷ء میں جناح کے نام لکھے گئے خط کا ذکر بھی ہے جس میں اقبال نے مسلمانوں کے لیے ہندوستانی فیڈریشن کی بجائے الگ مملکت کا ذکر کیا ہے۔ مضمون نگار آخر میں لکھتے ہیں کہ اقبال نے دس سال پہلے جس مملکت کا خواب دیکھا تھا وہ ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آ گئی مگر افسوس اقبال دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کو بنتے دیکھ نہ پائے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔(۲۵)

اگلا مضمون سفیر پاکستان افتخار علی کی تقریر کا متن ہے جو بعنوان ''مسلمان لرن بام سزلک مجادلے سی وے اقبال'' (مسلمانوں کی جدوجہد آزادی اور اقبال) ۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں تاریخی پس منظر کے حوالے سے برصغیر میں اسلامی تحریکوں' مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ دنیا کے مسلمانوں کی آزادی اور مسلم اقوام کی کامیابی کے لیے یکجہتی پر زور دیا گیا ہے۔

معروف ترک اقبال شناس پروفیسر علی نہاد تارلان کی ایک طویل تقریر ''اقبال وے عشق'' (اقبال اور عشق) پر ہے۔(۲۶) اس تقریر میں انھوں نے اپنی ایک نظم ''اقبال'' کے عنوان سے لکھ کر اقبال کے ''تصور عشق'' کو مع ''اسرار خودی'' کے فارسی اشعار کا حوالہ دے کر ۱۷ صفحات میں واضح کیا ہے۔ یہ اس کتاب کا طویل ترین مضمون ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو بعد میں ان کے کلام اقبال کے ترجے ''محمد اقبال ان

اُچ اثری، یولجولو، اے شارق توم لری، کھولے لک" (محمد اقبال کی تین مثنویاں: مثنوی مسافر، پس چہ بائد کرد، بندگی نامہ) میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں علی نہاد رقمطراز ہیں:

"میں نے اقبال کی تصانیف پر بہت کام کیا ہے۔ میں ان کے فکر و فلسفہ سے بہت متاثر ہوا ہوں میں نے ان کی محبت میں ڈوب کر ان پر ایک الہامی نظم لکھی ہے اور اس نظم کی حدود میں اس عظیم انسان کی شخصیت اور فکر پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ سات سال پیشتر ۱۹۶۱ء میں قونیہ میں حضرت مولانا رومؒ کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے یہ دونوں پیر و مرشد میرے تصور میں بغل گیر ہو رہے تھے۔ یہ نظم اسی کیفیت کا حاصل ہے"۔

یہ نظم یوں ہے۔

اقبال

گزیدہ بندۂ مولاست اقبال
مرید خاص مولاناست اقبال
بہ انوار کمال پیر رومی
مصفا معکس و مجلاست اقبال
بچشم دل فلک حایل نباشد
ورائ پردہ را بیناست اقبال
دلت از پرتو عشق آفریدہ
تجلائ ید بیضا ست اقبال
دری کز نور وحدت پر فروغ است
نہ دری فسحت دریاست اقبال
سما سجادۂ ارشاد او گشت
رموز عشق را گویا ست اقبال
زہی عنقائ اوج آرائ عرفان
حریم راز اوادناست اقبال
سوئ راہ خلاص آدمیت
زابروئ قدر ایماست اقبال (۴۷)

مذکورہ تقریر جو مضمون کی شکل میں کئی جگہ شائع ہوا ہے۔(اس کے اہم نکات کا خلاصہ اس مقالہ کے حصہ مضامین میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)۔اس کے بعد ''پری خان آری بورن'' صاحبہ کا مضمون جو دراصل اقبال کے چھٹے انگریزی خطبے ''اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول'' کے ۳۳ صفحات کا ترکی زبان میں ''اسلامن یاپسندا کی حرکت پرنسیبی'' کے عنوان سے ساڑھے آٹھ صفحات میں اہم نکات کا خلاصہ دیا گیا ہے۔مضمون نگار کی زبان مناسب اور اختصار نویسی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔انھوں نے ترجے کو ایک مضمون جیسا ربط دے دیا ہے۔اگر وہ مضمون کے شروع میں عنوان کے بعد ''اقبال دین'' یہ تحسین تو یقیناً یہ اسلام میں حرکت وعمل اور اجتہاد پر ایک اچھا مضمون تصور کیا جاتا۔(۲۸) مگر ایک بات راقم کے مطالعہ میں آئی ہے محترمہ نے اقبال کے چھٹے خطبے کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اس کا مکمل متن ''اسلامن روحو'' نامی کتاب میں ''ای۔اے'' صاحب نے اقبال کے جو چار خطبات: پانچویں، چھٹے، ساتویں اور آخر پر تیسرے خطبے کا ترجمہ دیا ہے۔اس کتاب کے چھٹے خطبے کا جو ترجمہ ہے، شواہد بتاتے ہیں کہ محترمہ نے مذکورہ خطبے کا خلاصہ کرتے ہوئے اقبال کے انگریزی خطبات کی بجائے ''ای۔اے'' کے ترکی ترجے سے مدد لی ہے۔(۲۹) البتہ محترمہ نے یہ احتیاط ضرور کی ہے کہ ای۔اے مترجم نے انگریزی سے ترکی ترجمہ کرتے ہوئے جو فارسی الفاظ وتراکیب استعمال کی ہیں ان کی بجائے انھوں نے ان کے متبادل ترکی الفاظ درج کیے ہیں نیز ''اسلامن روحو'' کتاب میں شامل خطبے کے تراجم مصنف نے ۱۹۴۷ء میں انگریزی سے ترجمہ کر کے ترکی کے مختلف رسائل ''رسالہ سبیل الرشاد، رسالہ سلامت'' وغیرہ میں شائع کروائے تھے جو بعد میں کتابی شکل میں ''سرالمطبع استنبول'' سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئے۔یہ تراجم ترکیہ میں اقبال شناسی روایت قائم کرنے کے حوالے سے بڑے اہم ہیں۔(۳۰)

اس کتاب کی آخری تحریر ترک مجاہدین کے ساتھ ترکی میں ہجرت کرنے والے پاکستانی ظفر حسن ایبک کی ہے جس کا عنوان ''ڈاکٹر محمد اقبال آیت شخصی خاطرہ لرم'' (اقبال کے حوالے سے میری یادیں) ہے۔اس کے آغاز میں وہ اقبال سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرنے کے بعد اقبال کے خدوخال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ جب یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لیے لاہور آئے تو ان کی اقبال سے ملاقات ہوئی تب اقبال کی عمر ۳۸ سال تھی وہ دراز قد، وسیع جثہ اور جوشیلے انسان تھے۔اس کے بعد وہ جنگ بلقان اور طرابلس کے ساتھ ساتھ ترکوں کی جدوجہد آزادی کے حوالے سے اقبال کی ولولہ انگیز شاعری کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبال کی نظم ''حضور رسالت مآب میں'' کے چند اشعار کا ترکی ترجمہ لکھتے ہیں۔(۳۱)

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر مَیں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں(۳۲)

iv. دوغونن اویانش

Doğunun Uyanışi

مصنف: قول سعدی

Yazar: Kul Sadi

''قول سعدی'' کی کتاب "Doğunun Uyaniş" یعنی ''مشرق کی بیداری'' ۱۹۸۵ء میں استنبول میں شائع ہوئی۔ اس کی ضخامت ۲۰۸ صفحات ہے۔ ابتداء میں مصنف کا پیش لفظ پھر صفحہ ۱۱ سے ۱۹۱ تک ترجمہ شدہ کا مواد ہے۔ اس کے بعد ایک ضمیمہ ''اقبالن کائناق لری اوزرینده برده ینه'' (اقبال کے شعری ماخذ) اور آخر پر ۸ صفحات کی ''کتابیات'' دی گئی ہے۔

کتاب کے ''اون سوز'' (پیش لفظ) میں مصنف کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم اپنے ماضی اور حال پر نظر رکھتی ہے وہی قوم اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہے۔ آج کے علم و عرفان اور ثقافت کو ہدف بنا کر جو نسل محنت کرتی ہے، قطع نظر اس کے وہ درست سمت میں چل رہی ہے یا غلط سمت میں۔ اگر وہ مسلسل محنت کر کے آگے بڑھ رہی ہو تو وہ اپنے فکری معاملات کو خود بخود درست کر لیتی ہے۔ ہر زمانے میں فکری سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس دور کے فکری سوالات کے جواب ہندوستان میں رہنے والا اقبال اپنی استعداد کے مطابق لایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ماخذ قرآن پاک، سنت نبوی ﷺ کے بعد مثنوی رومی ہے۔ مصنف کتاب کے مندرجات کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ''اس تصنیف کا پہلا حصہ اقبال کی تصانیف اور ان سے متعلق بعض یادوں پر مبنی ہے اور دوسرا حصہ افکار اقبال کے ایک پہلو ''بیداریٔ مشرق'' سے متعلق ہے۔'' (۳۳) پیش لفظ کے بعد مصنف نے بال جبریل کی نظم ''دعا'' کا منظوم ترجمہ دیا ہے۔

کتاب کے حصہ اول ''مظلوم لرین سیسی'' (مظلوموں کی آواز) میں مترجم نے ملت اسلامیہ خصوصاً برصغیر کے سیاسی و سماجی حالات کا جائزہ ماضی کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے محمد بن قاسم سے لے کر علامہ اقبال کے زمانے تک کی اسلامی تاریخ پر سرسری روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد اگلا باب ''بر اقبال یشادی'' میں ۲۳ صفحات پر مشتمل اقبال کے حالات زندگی دیے ہیں۔ اس باب میں اقبال کی پیدائش، تعلیم، سفر برطانیہ، پی ایچ ڈی کے لیے میونخ یونیورسٹی جانا، پھر ہندوستان واپسی، گول میز کانفرنس کے علاوہ ان کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں وغیرہ کا ذکر تفصیلاً کیا گیا ہے۔ اگلا باب ''شعرلرینده اقبال'' (اقبال اپنے اشعار میں) کے زیر عنوان اقبال کے وہ اشعار درج کئے ہیں جو اقبال کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور ان کی ذات کے مختلف فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ دس صفحات کے اس باب میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ مروجہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے اقبال کی شخصیت کا تعارف ان ہی کے اشعار کی روشنی میں کرائیں گے۔ اسی سلسلے میں مصنف نے جو اشعار درج کئے ہیں ان کو ڈاکٹر علی نہاد تارلان کے اقبال کی کتب ''زبور عجم، اسرار و رموز، پیام مشرق اور پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' کے ترکی تراجم سے لیا گیا ہے۔ اس کے اگلے باب میں ''گرچیکن افاده سی'' (حقیقی استفادہ) کے عنوان سے مصنف نے مختلف شخصیات کی اقبال سے متعلق یادیں اور تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔

یہاں انھوں نے پہلے ابوالحسن الندوی کی تصنیف کے ترکی ترجمے ''اقبالن مه ساج'' (مترجم: یوسف اشچیق) سے بعض واقعات درج کئے ہیں۔ جن میں اقبال کو حکومت برطانیہ کی طرف سے جنوبی افریقہ میں کسی عہدے پر تعیناتی اور دوسرا حکومت فرانس کی دعوت کا ذکر ہے جس میں انھیں پیرس یونیورسٹی کے دورہ پر بلایا گیا تھا مگر اقبال نے یہ دعوتیں قبول نہیں کیں۔ (۳۴) مصنف نے ابوالحسن علی ندوی کی اقبال سے چند ملاقاتوں کے حوالے سے ان کی کچھ یادیں درج کی ہیں جس میں اقبال نے تصوف، تجدید اسلامی، تصور پاکستان اور مسلمانان ہند کے مستقبل کے موضوعات پر اظہار خیال کیا تھا۔

اس کے بعد مصنف اقبال کے ہم عصر محمد عاکف ارصوئی کے حوالے سے اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ محمد عاکف، اقبال سے ان کی تصانیف کے ذریعے واقف ہوئے اور انھیں اپنے خیالات کے قریب پایا۔ کیونکہ دونوں ہی گلستانِ اسلام کے بلبل تھے۔ دونوں ہی ایک ہی عشق، ایک ہی درد اور ایک ہی مقصد کے لیے آواز بلند کر رہے تھے۔ اقبال عالمِ اسلام کے مشرقی حصے میں فارسی اور اردو میں جبکہ محمت عاکف اسلام کے مغربی حصے میں ترکی زبان میں کہتے اور لکھتے تھے۔ پھر مصنف محمت عاکف کے اس خط کا متن پیش کرتے ہیں جو ۸ مارچ ۱۹۲۵ء کو انھوں نے مصر سے اپنے دوست حافظ عاصم کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں محمت عاکف، اقبال کی والہانہ تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''گزشتہ ہفتے مجھے ہندوستانی شاعر علامہ محمد اقبال کی دو منظوم کتب موصول ہوئیں۔ میں نے اس شاعر کا انقرہ میں مختصر رسالہ دیکھا تھا۔ میں نے اس شاعر کو اپنے جیسے خیالات ہی کا مالک پایا۔ وہ مشرقی فلسفے کے علاوہ میونخ سے مغربی فلسفے کا مطالعہ بھی کر چکا ہے۔ اقبال ہندوستانیوں میں بہت مقبول شاعر ہے۔ انھوں نے مولانا رومی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور خود کو مولانا کا مرید قرار دیتا ہے۔ نظموں کی کتابوں میں ایک ''پیام مشرق'' ہے۔ اس میں بہت خوبصورت قطعات اور غزلیں ہیں۔ ایک دو غزلوں نے تو مجھے تڑپا دیا۔ اقبال کی عربی دانی اچھی ہے اس کے علم وعرفان اور شاعرانہ قدرت کا میری صلاحیتوں سے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بے حد ارفع ہے لیکن اس کی فارسی گوئی میرے ترکی زبان کے تصرف سے کچھ کم ہے۔ اگر حضرت کا اسلوب نیا ہوتا تو ایرانی ادبیات میں قیامت برپا ہو جاتی۔ انشاء اللہ تمھیں پیام مشرق سے کچھ اشعار نقل کر کے ارسال کروں گا۔

استنبول کے قیام کے زمانے میں رسالہ ''سبیل الرشاد'' کے ادارے میں ۲ ہندوستانیوں سے ملاقات ہوئی ان کے ذریعے میں نے اقبال کو اپنی کتاب ''صفحات'' کی کچھ کاپیاں بھجوائیں۔ امید ہے انھیں مل گئی ہوں گی۔ شاعر نے یہ کتابیں شاید خود بھجوائی تھیں کیونکہ اس کے ایک طرف دستخط اور چند جملے لکھے تھے۔ وہ مثال ہے نہ کہ آم کھاؤ پیڑ مت گنو کہ مصداق ہم آم کھانے لگے اور کھاتے کھاتے مدہوش ہوتے رہے۔ جس نے یہ کتاب بھیجی ہے اللہ اس سے راضی ہو۔'' اس خط کے نیچے مصنف نے اشرف ادیب کی کتاب ''محمد عاکف صفحہ ۲۴'' کا حوالہ بھی درج کیا ہے۔ (۳۵)

خط کے بعد مصنف نے اقبال کے فرزند جاوید کی کچھ یادیں درج کی ہیں جو انھوں نے جاوید اقبال کے مضمون ''میرا باپ'' کے ترکی ترجمے سے حاصل کی ہیں۔ (۳۶) اسی باب کے حاشیے میں انھوں نے فرزندِ اقبال، جسٹس (ر) جاوید اقبال سے اپنی ملاقات کا حوالہ دیا ہے۔ یہ ملاقات اقبال کے سویں جشن ولادت کے موقع پر قونیہ میں منعقدہ ''یوم اقبال'' پر ہوئی تھی۔ جس میں مصنف نے ان سے اقبال کے بارے میں بہت سی مفید معلومات حاصل کیں تھیں۔ اس کے بعد مصنف نے ۸ صفحات پر اقبال کی ۱۴ تصانیف کا تعارف سنِ اشاعت کی ترتیب سے کرایا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ ۸۳ سے شروع ہوتا ہے اس کا عنوان مصنف نے ''ادیان درین اویکودا'' (گہری نیند سے جاگو) کے تحت دے کر انھوں نے اقبال کی ''بیداریٔ مشرق کے حوالے سے کی گئی سیاسی جدوجہد پر بحث کی ہے۔ مصنف نے پہلے'' درتلر وے چارے سی'' (تکلیفیں اور ان کا مداوا) کے عنوان کے تحت مسلم اقوام کو درپیش مسائل اور ان کا حل بیان کیا ہے۔ اس میں وہ ایک مورخ کے انداز میں ناصحانہ طریقے سے مسلم اقوام پر ہونے والے مظالم سے بچنے کے لیے انھیں اقبال کی فکر سے راہنمائی حاصل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس باب میں انھوں نے اقبال کے جنگِ بلقان کے دوران میں کہے اشعار اور نظم ''شکوہ'' پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ مصنف اقبال کی نظم ''شکوہ'' کے اشعار کی روشنی میں مسلم اقوام کے مسائل اور ان کے پس منظر میں موجود تاریخی وسیاسی عوامل کا جائزہ تاریخی واقعات کی مدد سے پیش کرتے ہیں۔ پھر وہ ''جواب شکوہ'' کی تشریح میں ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔

اگلا باب ''طارق ویدی کی'' (طارق نے کہا کہ) میں اسلامی جہاد کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔جس میں طارق کی فتح ہسپانیہ ' مثالی جہاد کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ نیز انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ملک خدا کا ہے لہٰذا احکام خدا کو نافذ کرنا ہر مرد مومن کا اولین فرض ہے۔(۳۷) موضوع کی وضاحت کے سلسلے میں مصنف نے اپنے خیالات کے ساتھ ساتھ اقبال کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔آخر میں مصنف نے لکھا ہے کہ ''عصر حاضر میں اسلامی ملت کے لیے طارق بن زیادہ جیسے مجاہدوں کی ایسی ضرورت ہے جیسے کسی انسان کو پانی' روٹی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔(۳۸)

جہاد کے موضوع کے بعد مصنف نے ''یا بنجی لش مک'' (خارجی بننا) اور ''دیولیشتری لین جوجہ :بطی'' (طاقت ور ہوتا مغرب) یہ دونوں ابواب ۲۷ صفحات پر مشتمل ہیں۔ان میں مصنف نے مسلمانوں کے ہاں پائے جانے والے مغرب پسندی کے رجحانات پر بحث کی ہے اور اسے مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصیبت قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک ہزاروں سال اہلِ مغرب کے لیے علم وعرفان کا منبع بننے والی مسلمان ملت اب مغربی علوم اور مغربی ترقی کی چکا چوند کی مقلد بن گئی ہے اور ان کے طور طریقوں میں ڈھلتی جارہی ہے۔ مصنف نے اس صورت حال کو ملی شناخت کے لیے خطرناک قرار دیا ہے۔اس کے تاریخی عوامل پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مغرب کی مادہ پرست تہذیب کھوکھلے پن کا شکار ہے۔اس مغرب پسندی کے جال سے نکلنے کے لیے اقبال کے کلام ہی سے اس کا حل بھی تلاش کیا ہے۔

مغرب پسندی کے بعد اگلا باب ''اویان درین اویکودا'' مصنف نے آغاز میں بھی اسی عنوان سے ایک (گہری نیند سے بیدار ہو جاؤ) باب لکھا تھا۔مگر یہاں وہ پوری کتاب کے خیالات کا نچوڑ دیتے ہیں۔وہ اقبال کی تصنیف ''زبورِ عجم'' کی اس ترکیب ''از خواب گراں خیز'' کو اقبال کا نعرہ تصور کرتے ہوئے عالم اسلام کو غفلت کی گہری نیند سے جگانا چاہتے ہیں۔اس سلسلے میں انھوں نے کلام اقبال سے کئی اشعار اور نظموں کے بندوں کا ترکی زبان میں ہوا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا ہے۔نیز ''زبورِ عجم'' کی نظم ''انقلاب'' کا ترجمہ بھی شامل کیا ہے۔باب کے آخر پر اپنی باتوں کو سمیٹتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کے اشعار میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے کی گئی آہ وفغاں رائیگاں نہیں گئی اور برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی وفات کے ۹ سال بعد ایک آزاد ملک پاکستان مل گیا۔(۳۹)

کتاب کا آخری مضمون ''اقبال کا یناق لری اوزرینده بر دینمه'' (اقبال کے ماخذ پر ایک مضمون) جس میں مصنف اقبال کو چودہ سو سال کی مدنیتِ اسلام کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال سے پیشتر بہت سے علماء صوفیاء اور فلسفی گزرے۔اقبال اسی کا ہی ایک تسلسل اور کڑی ہیں۔اقبال کی فکر کا ماخذ قرآن پاک اور احادیث نبویؐ ہیں۔انھوں نے اپنی فکر کی تشکیل کے لیے بہت سے علماء صوفیاء کے علمی سرمائے سے بھی استفادہ کیا ہے۔جن میں سرفہرست مولانا جلال الدین رومی اور سعدی شیرازی ہیں۔آخر میں مصنف نے ان کتب کی فہرست دی ہیں جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے۔

مصنف نے کلام اقبال کی روشنی میں اپنے موضوع کو خوب نبھایا ہے۔ان کا اسلوب نگارش بیانیہ اور فکر انگیز ہے۔کہیں کہیں افسانوی انداز نے کتاب کو انتہائی دلچسپ بنا دیا ہے۔جس سے کتاب کے مطالعہ کی طرف قاری کی رغبت بڑھتی ہے۔

۷. شعرلری آئینہ سنداقبال
Şiirleri Aynasinda ikbal

محمد خان کیانی
Muhammed Han Kayani

یہ کتاب استنبول بلدیہ کی طرف سے شائع کی گئی۔ کتاب اکتوبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ۵۶ صفحات ہیں۔ اس میں سرورق کے دوسری طرف محمد خان کیانی کے مختصر حالاتِ زندگی کے بعد فہرست دی گئی ہے۔ فہرست کے مطابق استنبول بلدیہ کے میئر رجب طیب اردگان کی ''تقدیم'' ہے۔ اس کے بعد مصنف کا ''پیش لفظ'' ہے۔ کتاب کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ''شعرلری آئینہ سنداقبال'' یعنی ''اشعار کے آئینے میں اقبال'' دوسرے حصے میں ''شکایت وے جواب'' یعنی ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' کا ترجمہ دیا ہے۔ تیسرے حصے کا عنوان ''اقبالن انسانِ کامل آرایش'' یعنی ''اقبال کی انسان کامل کی تلاش'' ہے۔

کتاب کی ''تقدیم'' ترکیہ کی مقبول سماجی شخصیت اور بلدیہ استنبول کے میئر رجب طیب اردوغان نے لکھی ہے۔ جس میں وہ اقبال کو اسلامی فکر و فلسفے کے حوالے سے عالم اسلام کے شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اقبال نے مغربی سوچ کے برخلاف اپنی زندگی کو دین کے معاملات کی اصلاح و تشکیل کے لیے وقف کیے رکھا۔ اس بنا پر عالم اسلام ''یوم اقبال'' کا انعقاد کر کے انھیں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ لیکن ترکوں کی ''یوم اقبال'' کو منانے کی خاص وجہ یہ ہے کہ اقبال نے ترکوں کی تحریکِ جدوجہد آزادی میں ہمیشہ ہر طرح سے ان کی مدد کی ہے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ استنبول کی بلدیہ پاکستان کی اس عظیم شخصیت کو ترک نوجوانوں سے متعارف کروانے کے لیے ۳۰ نومبر تا ۶ دسمبر کے دوران ''بین الاقوامی کانفرنس'' تصویری نمائش اور مباحثوں کا انعقاد کر رہی ہے۔ امید ہے اس طرح ہم ترکیہ میں اقبال کو بہتر طریقہ سے متعارف کرواسکیں گے۔'' (۴۰)

اس کے بعد مصنف کا ''پیش لفظ'' ہے۔ اس میں وہ بچپن میں اقبال کی نظم ''شکوہ'' و ''جواب شکوہ'' کے ذریعے ان سے متعارف ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ''جواب شکوہ'' کا درج ذیل شعر کا ترکی ترجمہ درج کرتے ہیں جواب بھی انھیں یاد ہے:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو (۴۱)

ترکی ترجمہ یوں دیا ہے۔

Siz Seyyid, Tŭrk Veya Afganı olabilirsiniz
Hal bŏyleyken Sŏyleyin Siz Musluman misiniz?(42)

(اردو مفہوم:

تم سید، ترک اور یا افغان ہو سکتے ہو، یہ حالات ہیں تو کہو تم مسلمان بھی ہو کیا؟)

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ انھوں نے کتاب کو ترکی کے ساحلی شہر انطالیہ کے ایک گاؤں میں ۱۹۹۲ء میں لکھنا شروع کیا تھا۔ کتاب کے ترکی تراجم کے سلسلے میں انھوں نے یوسف قراءجہ کے علاوہ اے جے آربری کے اقبال کی نظموں کے انگریزی تراجم سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ نیز انھوں نے کتاب میں ترک اخبار نویس ''یاسمین تو مبول'' کا شکریہ بھی ادا کیا ہے جنھوں نے ان کی کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کی۔ اس کے بعد انھوں نے پاکستان کی فکری اساس کے لیے اقبال کی اہمیت بتا کر انھیں مصورِ پاکستان قرار دیا ہے۔ یہاں ضمنی طور پر اقبال کے یورپ جانے اور پھر لاہور واپسی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے جنگ طرابلس کے پس منظر میں اقبال کے کہے اشعار

''حضورِ رسالت مآبؐ میں'' کا ترکی ترجمہ پیش کر کے اقبال کا ترکوں کے سیاسی معاملات سے تعلق ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد اقبال کا حضور اکرم ﷺ سے عشق واضح کرتے ہوئے اُن کی مشہور نظم شکوہ کے آخری شعر کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں(۴۳)

ترکی ترجمہ یوں دیا ہے۔

Eğer Muhammed (s.a.v)'e Vefa gösterirseniz, sizinleyiz

Bu cihan nedir Ki? Levh ve Kalem Sizindir (44)

کتاب میں پہلا باب "Sirrleri Aynasinda ikbal" یعنی ''شعروں کے آئینے میں اقبال'' کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں کہ الطاف حسین حالی نے ''مسدس حالی'' اور ابوالاثر حفیظ جالندھری نے ''شاہنامہ اسلام'' اردو میں تصنیف کیں۔ مگر اسلامی فکر کے قلعہ کے معمار کے طور پر یہ شہرت اقبال کو نصیب ہوئی۔ اس کے بعد اقبال کی پیدائش کے حوالے سے ان کے والد شیخ نور محمد کے اقبال کی پیدائش کے حوالے سے دیکھے خواب کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں وہ اس روحانی خواب کو اقبال کی تربیت کا نقطۂ آغاز بناتے ہیں۔ پھر والد کے سایہ میں اقبال کی صوفیانہ تربیت کا ذکر کرنے کے بعد ان کی شعر گوئی کی طرف آتے ہیں۔ یہاں وہ اقبال کی بانگ درا کی نظم ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کا ترکی زبان میں ترجمہ دیتے ہیں۔ پھر وہ اقبال کے ۱۹۰۵ء میں یورپ جانے کا ذکر کرتے ہیں یہاں وہ مغربی تہذیب کے متعلق لکھے گئے اشعار کو فرداً فرداً درج کر کے ان کے مفہوم کی روشنی میں اپنے خیالات پیش کرتے ہیں۔ آگے چل کر انھوں نے ۱۹۱۱ء میں اٹلی کے طرابلس پر حملے کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کی ترکوں کے ساتھ جذباتی وابستگی کو بیان کرنے کے لیے اقبال کی نظم ''فاطمہ بنت عبداللہ'' کا ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں اقبال کی مشہور نظمیں شکوہ "Şikayet" اور ''جواب شکوہ'' "Şikayete Cevap" کے عنوان سے مکمل ترجمہ دیا ہے۔ اقبال کی نظم ''شکوہ'' کا پہلا شعر ہے:

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں — فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں — ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے، خاکم بدہن، ہے مجھ کو(۴۵)

اس کا ترجمہ محمد خان کیانی یوں کرتے ہیں۔

Niye ziyanda kalayim, faydami düşünmeyeyim;

Istikbali düsümeden geçmişe aglayayim;

Bülbülün ağlamasini dinleyerek medhoş olayim?

Ey dost! Ben gül muyum ki daima sessiz kalayim?

Kuvvet-i natika beni şikayete itte,

Ağzim kurusun, o bana, Allah'a şikayeti öğretti. (46)

(اردو مفہوم:

میں فائدے کی بجائے زیاں کا کیوں سوچوں، مستقبل کی فکر کرنے کی بجائے ماضی کو کوستا رہوں اور بلبل کے نالے سن کر مدہوش رہوں۔ اے دوست! میں کوئی پھول ہوں کہ مستقل خاموش رہوں۔ میری قوت نطق نے مجھے شکایت پر مائل کیا ہے۔ میرے منہ میں خاک کہ اس نے مجھے اللہ سے شکوہ سکھایا ہے۔)

مذکورہ بند کا محمد خان کیانی نے منظوم ترجمہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود شعر کا مفہوم بگڑنے نہیں پایا۔ پوری کتاب میں دیئے گئے اقبال کے اشعار کو انھوں نے اسی طرح منظوم پیش کیا ہے۔

اس کے بعد کتاب کا آخری باب "ikbal in Insan-i kamil arayişi" یعنی ''اقبال کے ہاں انسان کامل کی تلاش'' میں مصنف نے علامہ اقبال کا ''تصور خودی'' پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں ابتداً لکھتے ہیں کہ اقبال نے خودی کا تصور جرمن فلسفی نٹشے اور عرب فلسفی الجیلی کے خیالات سے اخذ کیا ہے۔ مصنف نے تصور خودی کی ماہیت بیان کرنے کے بعد اقبال کی کتاب ''اسرار خودی'' کا ذکر کیا ہے جس میں اقبال نے اپنے اس نظریہ کی وضاحت کی ہے۔ مصنف یہاں ''اسرار خودی'' میں افلاطون کے بارے میں لکھے اقبال کے اشعار کا ترجمہ دے کر لکھتے ہیں کہ اقبال نے ''وحدۃ الوجود'' کے نظریہ کو مسلمانوں کے لیے زوال کا سبب اس لئے قرار دیا تھا کہ یہ فلسفہ انسان کی روح کو مرجھا کر اس کی قوت عمل سلب کر لیتا ہے جس سے انسان زوال آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے اقبال نے مسلمانوں کو اپنی خودی کی تعمیر و تشکیل کی تلقین کی ہے۔ (۴۷) یہاں مصنف اقبال کی کتاب ''اسرار خودی'' میں بیان کیے گئے خودی کی تربیت کے تین مراحل اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کو الگ الگ عنوان دیتے ہیں۔ ان عنوانات کے تحت وہ فارسی کلام اقبال سے منتخب اشعار کا ترکی زبان میں ترجمہ دے کر انھیں واضح کرتے ہیں۔ یہاں اقبال کے اشعار کا ترجمہ بھی منظوم دیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود بڑی وقیع ہے اس میں فکر اقبال کے حوالے سے صرف چند ایک موضوعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کلام اقبال کی ترکی زبان میں خوبصورت تشریح پیش کی گئی ہے۔ کتاب کا اسلوب اور پیش کئے گئے کلام اقبال کے انتخاب کا منظوم ترجمہ دلچسپ اور خوبصورت ہے۔

(ج) اقبال پر لکھی کتب کے ترکی تراجم

i. بیوق اسلام شاعر محمد اقبال Büyük islam Şairi Dr. Muhammed ikbal روائع اقبال

مترجم: علی علوی قوروجو
مصنف: ابوالحسن علی ندوی

علی علوی قوروجو نے ابوالحسن ندوی کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' کا ترکی ترجمہ بعنوان "Ebu'l Hasan En Nedevi Büyük islam Şairi Dr. Muhammed ikbal" کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۵۷ء میں انقرہ سے شائع ہوا۔ ضخامت ۸۲ صفحات کو محیط ہے۔ دوسری بار یہی ترجمہ ۱۹۹۰ء میں ''ہلال یاین لری'' استنبول سے شائع ہوا۔ اس کی ضخامت ۱۱۷ صفحات ہے۔ ترجمے کے سرورق کے اندرونی صفحہ پر اقبال کی مسجدِ قرطبہ میں نماز ادا کرتے ہوئے لی گئی تصویر شائع کی گئی ہے۔ دوسری اشاعت میں صفحات کا فرق صرف کتابت کی وجہ ہے کیونکہ دوسری اشاعت میں کتاب جیبی سائز کی ہے۔

کتاب کے آغاز میں ''محترم او کوجولر'' کے عنوان سے کتاب کے ایڈیٹر کی طرف سے ڈیڑھ صفحے کا نوٹ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہلال مطبوعات نے پاکستان کے مشہور دانشور ابوالاعلیٰ مودودی کی مشہور کتاب (''شہادتِ حق'' کے عربی ترجمے) ''الشہادۃ'' سے بعنوان ''کلمۂ شہادت'' ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس بار یہ ادارہ دوسری کتاب عظیم اسلامی شاعر علامہ محمد اقبال کے بارے میں ابوالحسن الندوی کی کتاب ''روائع اقبال'' کا ترکی زبان میں ترجمہ شائع کر رہا ہے۔ یہ ترجمہ معروف سکالر علی علوی قوروجو نے کیا ہے۔ عظیم اسلامی شاعروں میں سے اقبال اور محمت عاکف کے بعد علی علوی قوروجو ایک بلند مرتبہ شاعر ہیں۔ بے شک اس کتاب کی ضخامت کم ہے مگر فکری و معنوی لحاظ سے بلند ارفع تصنیف ہے۔ مترجم نے اس کا اعلیٰ پائے کا ترجمہ کیا ہے اور موقع و محل کے مطابق اپنے بہترین اشعار سے اس تصنیف کی قدر و قیمت میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب قارئین کو ادبی اور فکری لحاظ سے جلا بخشتی ہے۔ (۴۸) اس کے کتاب میں مترجم نے آٹھ صفحات کا ''مترجمن اودن سوزو'' (پیش لفظ) لکھا ہے۔ جس میں وہ اقبال کے بارے میں عقیدت کا اظہار اپنے اشعار سے کرتے ہیں۔

مترجم نے ابوالحسن ندوی کا کوئی پیش لفظ شامل نہیں کیا بلکہ اس کتاب کی دوسری اشاعت میں پیش لفظ بھی مترجم نے خود ہی لکھا ہے۔ اس پیش لفظ میں علی علوی، اقبال اور عاکف کے خیالات میں موجود مشترک عناصر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال ہندوستان کا ایک قومی شاعر ہے۔ اسی طرح محمت عاکف بھی ترکیہ کے قومی شاعر ہیں۔ یہ دونوں عظیم شاعر نوجوانوں میں ''انسانِ کامل'' کی خصوصیات تخلیق کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ اقبال کے ''ترانۂ ہندی'' کے چند مصرعے مثلاً ''چین و عرب ہمارا'' لکھ کر اقبال کے پیغام کی آفاقیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ آگے چل کر مترجم ابوالحسن الندوی سے مدینہ منورہ میں ہونے والی اپنی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''محترم ندوی صاحب نے سرزنش کے انداز میں پوچھا کہ میری کتاب کی دوسری اشاعت نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کی سستی کے باعث ایسا ہے یا میری کتاب میں جان نہیں؟'' علوی صاحب یہاں کتاب کے دوسری اشاعت کی غرض و غایت پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ زیرِ مطالعہ اشاعت میں ماسوائے کتابت کا سائز چھوٹا کرنے کے یا فہرست میں صفحہ نمبر درج کرنے کے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

اس ترجمے میں عربی کتاب کے آغاز کی تحریر "صلتي بمحمد اقبال و شعره" کے تحت (میرا اقبال اور ان کے فن سے) کا ترجمہ نہیں شامل کیا گیا بلکہ ترجمے کا آغاز ابوالحسن ندوی کے دوسرے مضمون "شاعر الاسلام" : الدکتور محمد اقبال' حیاتہ و ثقافتہ، شاعریتہ و اناخبہ" (۴۹) کے ترکی زبان میں ترجمے بعنوان ''بیوق اسلام شاعر ڈاکٹر محمد اقبال'' سے ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت مترجم نے

ابوالحسن کے اقبال کے سوانح پر لکھے تمام خیالات کا دس صفحات میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔عربی کتاب میں مصنف نے تین حاشیے دیے تھے جن میں سے ایک حاشیہ یہ تھا کہ ''مذکورہ مقالہ سعودیہ ریڈیو سے ۱۹۵۱ء میں نشر ہوا تھا'' مترجم نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا البتہ جہاں اقبال کے ہندوستان کے ''ترانہ ملی'' (۵۰) کے آہنگ میں جو ولولہ پایا جاتا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں وہاں حاشیے میں لکھا ہے کہ محمت عاکف کے ترکیہ کے قومی ترانے ''استقلال مارش'' (۵۱) میں بھی اُسی طرح کا جوش پایا جاتا ہے۔نیز مترجم نے عربی اشعار کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے چند ترکی اشعار کا اضافہ بھی کیا ہے۔اس کے بعد مصنف کے تیسرے باب "العوامل التي كونت شخصية محمد اقبال" کا بعنوان ''ایم۔اقبال شخصیتنی وجود گیترین عامل لر'' ترجمہ کیا ہے۔اس میں اقبال کی شخصیت کی تعمیر کے پانچوں تخلیقی عناصر کا ذکر کیا ہے۔مصنف کے نزدیک علامہ کی شخصیت کا پہلا عنصر ''مستحکم ایمان'' ہے۔اور دوسرا ''قرآن پاک'' سے اقبال کا لگاؤ ہے۔(اقبال خوش الحان تھے) قرآن کی قرأت سے اقبال پر کائنات کے پوشیدہ اسرار کھلتے رہے۔تیسرا عنصر اقبال ''اہل نظر صوفیا'' کے مرتبے پر فائز تھے۔چوتھا نکتہ اقبال نے مطالعہ کتب کے ساتھ ساتھ مشاہدہ حق بھی کیا تھا۔انھوں نے ارکان اسلام کی پابندی کرتے ہوئے حضور کبریا میں گریہ سحرگاہی بھی کیا ہے۔پانچواں عنصر ان کی عظیم شخصیت کی تعمیر میں مولانا رومی کی مثنوی نے ادا کیا ہے۔اس بحث میں مصنف نے اپنی بات کی تائید میں اقبال کے اشعار سے مثالیں دی ہیں جن کا مفہوم مترجم نے درج کرتے ہوئے اپنے اشعار بھی بطور وضاحت و تائید درج کئے ہیں۔نیز اس میں مصنف کی طرح حوالہ دیا ہے کہ انھوں نے یہ تقریر ۱۹۵۱ء میں ریڈیو سعودیہ سے نشر کی تھی۔اس باب میں مترجم نے اشعار کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیے میں لکھا ہے کہ اشعار کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کتنا مشکل ہے اس بات کو ایک شاعر سے بہتر کون جان سکتا ہے۔(۵۲)

''روائع'' کے چوتھے باب ''نظرۃ محمد اقبال، الی نظام التعلیم العصری'' کا ترکی زبان میں ترجمہ ''بوگونو کی تعلیم وے تربیے سستمین تنقیدی'' کے عنوان سے اس کے مزید دو اجزاء ''آرائوہ فی العلوم ولآداب'' اور ''تصویر الشباب المسلم'' (علم وادب پرآراء اور مسلم نوجوان کو کیسا ہونا چاہیے) پر اقبال کے تصور تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال کے مشرقی و مغربی طریقہ تعلیم پر کی گئی تنقید کو بیان کیا ہے۔

مترجم نے عربی کتاب کے چھٹے باب کا ترجمہ نہیں دیا بلکہ یہاں انھوں نے ساتویں باب "الانسان الكامل فيي نظر محمد اقبـــال" کا ترکی زبان میں ترجمہ بعنوان ''اقبال گورہ انسان کامل'' کیا ہے۔اس باب کے تمام اجزاء کا ترجمہ کیا گیا ہے۔نیز اس جگہ اگلے باب کے تمام اجزاء ماسوائے ''برلمان ابلیس'' کا ترکی ترجمہ شامل کر دیا ہے۔اس کے بعد ''اسلامی براوانش'' (اسلام کی بیداری) کے عنوان سے دو اقتباس درج کیے ہیں جو دراصل عربی کتاب کے عنوان "المسلم هو باني العالم الجديد" کے تحت دی گئی عبارت کا خلاصہ ہے۔(۵۳)

اس باب میں مصنف نے مثالی مسلمان، دنیا میں مسلمانوں کا صحیح منصب و مرتبہ اور فرائض کے عنوانات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔یہ ساری باتیں مصنف نے قرآن، حدیث اور کلام اقبال کی روشنی میں بیان کی ہیں۔مترجم نے انھیں بے کم و کاست بیان کیا ہے اور جا بجا اپنے اشعار ادرج کئے ہیں۔جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں چند حاشیوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔علی علوی نے ''روائع اقبال'' میں شامل نویں باب کا ترجمہ شامل نہیں کیا۔ترجمے کے آخر پر انھوں نے اپنی دو نظمیں شامل کیں ہیں۔پہلی نظم دراصل ایک مختصر مرثیہ ہے۔جس کا عنوان ''بیوق اقبالن عزیز روحونا'' (اقبال کی عزیز روح کے نام) ہے۔جس کے تیس اشعار ہیں۔دوسری پرشکوہ نظم کا عنوان ''مجاہد'' ہے۔اس میں مترجم نے انتیس اشعار دیے ہیں۔(۵۴)

علی علوی قورو جو ایک مسلم سکالر اور معروف شاعر ہیں۔انھوں نے اس کتاب کا ترکی زبان میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔چونکہ وہ عربی دان تھے اور عربی زبان ہی سے انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔شاید اس لیے اس ترجمے میں عربی الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کثرت سے استعمال کی گئی ہیں جس بنا پر یہ ترجمہ عام ترک قاری کے لیے سمجھنا آسان نہیں ہے۔

ii. دوغودین بر سیس

Doğudan Bir Ses

مصنف: ذوالفقار علی خان

A Voice from the east.

مترجم: ترگت آکمان

یہ کتاب انگریزی میں ۱۹۲۲ء میں ہندوستان سے شائع ہوئی۔ اس کے سرورق پر "اے وائس فرام دی ایسٹ" کے نیچے قوسین میں "دی پوئٹری آف اقبال" لکھا ہے۔ مصنف کے نام "ذوالفقار علی خان کے نیچے کے۔ ٹی۔ سی۔ ایس۔ آئی آف ملیر کوٹلہ کے بعد "فارورڈ بائی" کے نیچے امروسنگھ لکھا ہے۔ اس کے کل چوالیس صفحات ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں بی۔ اے ڈار کے تعارف کے ساتھ اقبال اکیڈمی کراچی سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ جبکہ ترکی زبان میں اس کا ترجمہ "ترگت آکمان" نے ۱۹۸۱ء میں "بن بر یرک یاین" استنبول سے شائع کروایا۔ یہ ترجمہ جیبی سائز کا ہے۔ جس کے ۸۰ صفحات ہیں۔ اقبال اکیڈمی کی طرف سے شائع ہونے والے ۱۹۶۶ء کے ایڈیشن میں پہلے صفحے پر اس کتاب کے پہلے ایڈیشن ۱۹۲۲ء کی عکسی نقل دی گئی ہے۔ جس کے سرورق پر سب سے اوپر اقبال کا یہ شعر نقل ہے:

در دشت جنوں من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور' اے ہمت مردانہ!

(اقبال)

اس کے بعد کتاب کا نام درج ہے جبکہ اقبال اکیڈمی کے ۱۹۶۶ء کے ایڈیشن میں یہ شعر درج نہیں ہے۔ اسی طرح اس کتاب کا تیسرا انگریزی ایڈیشن سنگ میل کی طرف سے لاہور سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اس پر بھی یہ شعر درج نہیں۔ اسی طرح ترگت آکمان کے ترکی زبان کے ترجمے میں بھی یہ شعر درج نہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ترکی مترجم نے غالباً کوئی ایسا ایڈیشن دیکھا ہے۔ جس کے سرورق پر یہ شعر درج نہیں۔ جو یقیناً ۱۹۶۲ء کے بعد کا ایڈیشن ہے۔

ترگت آکمان کے ترکی زبان کے ترجمے میں مصنف نے اپنی طرف سے کوئی پیش لفظ نہیں لکھا بلکہ مذکورہ ترجمے میں شامل بی۔ اے ڈار صاحب کا تعارف امراؤ سنگھ کا پیش لفظ، مصنف کا پیش لفظ اور اس کے بعد چھ موضوعات پر مشتمل انگریزی کتاب کے مندرجات مع اشعار کا ترکی میں حرف بہ حرف ترجمہ کیا ہے۔

ترکی ترجمے کے تعارف میں بی۔ اے۔ ڈار لکھتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کی زندگی میں یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں ان کی رضامندی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مصنف اقبال کے قریبی دوست تھے۔ لہٰذا اس کتاب کی کئی حوالوں سے اہمیت ہے۔ علامہ اقبال اپنی قوم کے حوالے سے ان سے خیالات کا تبادلہ کیا کرتے تھے۔ نواب ذوالفقار صاحب ایک پڑھے لکھے اور ادبی حلقوں میں جانے پہچانے شخص تھے۔ وہ علامہ اقبال کے خیالات سے بہت متاثر اور مسلمانوں کے حوالے سے اقبال کی شاعری کی اہمیت سے خوب آگاہ تھے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ یہ علامہ اقبال کی شاعری پر پہلا قابلِ ذکر تبصرہ ہے جو انگریزی میں شائع ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر نکلسن کے "اسرار خودی" کے ۱۹۲۰ء کے ترجمے کی وجہ سے انگریزی حلقے میں اقبال کا تعارف ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نکلسن کے ترجمے نے انگریزی حلقے میں کچھ غلط فہمیاں بھی کر دی تھیں جسے دور کرنے کے لیے اقبال نے ڈاکٹر نکلسن کے نام خط بھی لکھا تھا۔ جب کہ ذوالفقار کی مذکورہ کتاب اقبال کی شاعری اور فکر کے حوالے سے مغرب میں پیدا ہونے والی کئی غلط فہمیاں دور کرنے کی ایک طویل کوشش کا حصہ بنی۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اس دور کی لکھی کتب میں یہ کتاب ایک کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا ہمیں فخر ہے کہ یہ کتاب اقبال اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ (۵۵)

اس کے بعد ''اون سوز'' کے عنوان سے چار صفحات میں امراؤ سنگھ کے انگریزی کے دو صفحے کا ''فارورڈ'' (پیش لفظ) ہے جس میں علامہ اقبال کی شاعری کی تفہیم کے سلسلے میں نواب ذوالفقار کی کتاب کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نواب صاحب کا ''آتھرز پریفیس'' کا ترجمہ ''یازرن اون سوزو'' ہے جو ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔ جبکہ مترجم نے یہ ترجمہ دو صفحات میں دیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ اصل انگریزی کتاب کا سائز ترکی ترجمے سے تقریباً ڈیڑھ گنا ہے۔

ذوالفقار علی کے پیش لفظ ''یازرن اون سوزو'' میں مترجم نے بیان کی گئی تمام باتوں کو درج کیا ہے۔ مصنف اس میں کتاب لکھنے کی غرض و غائت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب لکھنے کا بنیادی مقصد اقبال کی چند نظموں کے ذریعے اقبال کی خوبصورت شخصیت کو سامنے لانا ہے۔ وہ اقبال کی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح ایرانیوں کے لیے ''تخت طاؤس'' اور انگریزوں کے لیے ''کوہ نور'' ہیرا ان کے لیے فخر کا باعث ہے اسی طرح اقبال کی شاعری فکری حوالے سے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ (۵۶) آخر پر وہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں شامل فارسی اشعار ڈاکٹر نکلسن کے اسرار خودی کے انگریزی ترجمے سے لیے گئے ہیں۔ جب کہ اقبال کی اردو نظموں کے اشعار کو انگریزی کے خوبصورت قالب میں امراؤ سنگھ نے ڈھالا ہے۔

اس کے بعد اصل کتاب کا ترکی ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ ''دی پیریڈ آف ڈیکیڈینس'' کا ترجمہ ''چوکش دونیمی'' کے عنوان سے ساڑھے تین صفحات کے مکمل متن کا ترجمہ چھ صفحات میں دیا ہے۔ اس کے بعد اگلے عنوان ''دی ڈان آف انڈین رینے سانس'' کا ترکی ترجمہ ''ہنت رونے سانس نن دوغوشو'' (ہندوستان میں نشاۃ ثانیہ کا ظہور) اڑھائی صفحات میں مکمل ترجمہ دیا گیا ہے۔ ''اقبال ارلی ڈیز'' مضمون کا ترکی ترجمہ ''اقبال ن گینجلک ییل لر'' کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے اقبال کی ابتدائی شاعری کے نمونے کے طور پر ان کا وہ شعر دیا ہے جو انھوں نے لاہور کے ایک مشاعرے میں پڑھا اور خوب داد وصول کی:

موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

ترکی مترجم آکمان نے اس شعر کا نثری ترجمہ کرتے ہوئے اسے اپنی ترکی عبارت میں شامل کیا ہے اور اس کا مفہوم سمجھنے میں بھی ان سے غلطی ہوئی یہاں ''شانِ کریمی'' سے حضور ﷺ کی ذات مراد لینے کی جائے وہ اسے ''اللہ'' مراد لیتے ہیں۔ جس سے اس شعر کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو گیا ہے:

Nedametin alnimda biriken ter damlari Allah'in inayeti ile inci tanelerine donuştürülerek devisirildi. (57)

اس کے بعد مضمون ''ہز سٹڈی ان یورپ'' کا ترجمہ ''اروپہ دا کی چلش مالر'' کا ترجمہ کیا ہے۔ جس میں حوالے کے طور پر اقبال کے چند اشعار دیے گئے ہیں جن کا ترجمہ اردو کے بجائے انگریزی ترجمے کے زیادہ قریب ہے مثلاً

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

The time of unveiling has come, the beloved will be seen by all;
The secret which veiled by silence shall be become manifest.(58)
Eristi sirlarin acilma vakti, gorünecek Sevgili bütünüyle;
Sukunla ortulu esrürin açilacak perdesi.(59)

کتاب کے صفحہ ۱۴ پر قرآنی آیات کا ترکی ترجمہ مترجم نے صفحہ ۳۹ پر بڑی احتیاط سے دیا ہے۔اس کے بعد اگلے حصے میں ''سلیکشن فرام ہز پوئمس'' کا ترجمہ ''شعرلرندن تیچہ لر'' کے تحت دیا گیا ہے۔ یہاں اقبال کی تین اردو نظمیں ''تصویر درد''، ''محبت'' اور ''صقلیہ'' کے چند اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ جبکہ ترک مترجم نے ''تصویر درد'' کے دس اور ''صقلیہ'' کے دیے گئے تمام اشعار کا ترجمہ تو دیا ہے مگر نظم ''محبت'' کے اشعار کو حذف کر دیا ہے۔ مصنف نے یہاں ایک فٹ نوٹ دیا ہے (۶۰) جس میں وہ لکھتے ہیں کہ تصویر درد کے دس میں سے پانچ اشعار ''بانگ درا'' کے صفحہ ۶۷ میں درج ہیں اور وہ اس نظم کے چند اشعار کے مصرعوں کی تبدیلی کی نشاندہی بھی کرتے ہیں مگر ترک مترجم نے اس فٹ نوٹ کا کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ انھوں نے ترکی ترجمے میں کسی بھی فٹ نوٹ کو درج نہیں بلکہ اپنی طرف سے چند ایک فٹ نوٹ دیے ہیں۔
لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''بانگ درا'' ۱۹۲۲ء میں ابھی شائع نہیں ہوئی تھی تو مصنف نے بانگ درا کا حوالہ کیسے دیا؟ دوسرے بانگ درا جو بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو منظر عام پر آئی ہے (۶۱) نظم ''تصویر درد'' میں تقریباً آٹھ بند شامل ہیں غالباً اقبال اس زمانے میں بانگ درا کو مرتب کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ بانگ درا میں اقبال کا ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کا کلام شامل ہے۔

اس کے بعد مصنف نے انگریز شاعر پی۔ بی۔ شیلے کا ایک شعر، ورڈز ورتھ کی دو لائنیں اور کیٹس کا ایک شعر درج کیا ہے جس کا ترکی ترجمہ مترجم نے خوب کیا ہے۔اس کے بعد آگے جا کر ترک مترجم نے صفحہ ۵۸ پر آرنلڈ کے حوالے سے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ آرنلڈ ایک مستشرق تھا جو ۱۹۳۰ء میں فوت ہوا اور وہ ہندوستان کے بعض کالجوں میں پڑھاتا رہا ہے۔اور ساتھ ہی اس کی کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' ''صفحہ ۵۵ کا حوالہ دیا ہے جبکہ مصنف نے صرف یہاں آرنلڈ کی کتاب اور اس کے صفحہ نمبر کا حوالہ دیا ہے مگر آرنلڈ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

اس کے بعد کتاب کے آخری حصے ''ہز گریٹ ورک'' کا ترکی ترجمہ آکمان نے ''این بیوق اثری'' کے عنوان سے کیا ہے۔اس میں اقبال کی دو مثنویوں ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' کی اہمیت ثابت کی گئی ہے۔ یہاں اصل فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے۔ترکی مترجم نے ان تمام فارسی اشعار کا زبردست منظوم ترجمہ کیا ہے۔ فارسی اشعار کا ترکی ترجمہ کتاب میں دیے گئے اردو اشعار کے ترجمے سے بہت بہتر ہے۔اس کتاب کے ترکی ترجمے میں اصل کتاب میں درج آخری شعر کا ترکی ترجمہ نہیں دیا گیا۔اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس شعر کے ساتھ انگریزی ترجمہ شامل نہیں۔

دیگر بہ دشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم
مئے گذشتہ و جام شکستنی دارد

ترکی ترجمے اور اصل کتاب کے موازنہ سے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ترک مترجم نے پوری کتاب کا ترجمہ اصل انگریزی کتاب کے عین مطابق کیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی چیز شامل نہیں کی۔ترکی ترجمے میں مترجم کی زبان کی عبارت بڑی رواں اور اعلیٰ قسم کی ہے جس سے ترکی کتاب پر ترجمے پر گمان نہیں ہوتا۔

iii. اقبال وے قرآنی حکمت

ikbal Ve Kurani Hikmet

"Iqbal and Quranic Wisdom"

مترجم:ایم۔علی اوزکان

پروفیسر محمد منور کی انگریزی کتاب "Iqbal and Quranic Wisdom" ۱۹۸۱ء میں اقبال اکادمی، لاہور سے شائع ہوئی۔اس میں منور صاحب کے ۹ مضامین شامل ہیں۔انھوں نے اپنے بعض اردو مضامین کے مطالب کو انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، مثلاً "Iqbal on Quranic Concept of History" کے مطالب ''برہانِ اقبال'' میں اور "Iqbal on Life after Death" کے مطالب ''ایقانِ اقبال'' میں موجود ہیں۔ایک مضمون "Iqbal Idea of Taqdir" ''ایقانِ اقبال'' میں شامل 'اقبال کا تصورِ تقدیر' کے مفہوم سے بہت قریب ہے۔خیالات وہی ہیں مگر ترتیب قدرے مختلف ہے۔اسی طرح "Harmony in Iqbal's Thought" ''میزانِ اقبال'' میں شامل مضمون 'توازن:اقبال کی شاعری کا ایک پہلو' کا خلاصہ ہے۔

پروفیسر منور نے علامہ اقبال کے قرآنی افکار کو اس سے قبل اردو میں بھی مختلف پہلوؤں سے بیان کیا ہے اور اب اس کتاب میں بھی انھوں نے قرآن کے حوالے سے اقبال کے مختلف نظریات کو انگریزی میں پیش کیا ہے۔ان کے خیال میں ''علامہ اقبال کے ہاں قرآن وسنتِ رسول ﷺ ہی زندگی میں سب سے بڑا محرکِ فکر وعمل ہے۔درحقیقت وہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی (خفتہ) صلاحیتوں سے صرف اسی صورت میں آگاہ ہوسکتا ہے کہ جب وہ احکاماتِ الٰہی پر کاربند ہو اور زندگی کے تمام تر پہلوؤں میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرے۔(۶۲)

اس کتاب کا ترکی ترجمہ محمت علی اوزکان نے ۱۹۹۵ء میں ''انسان یاین لر'' استنبول سے شائع کروایا۔مترجم نے آغاز میں ''اقبالن اثرلری وے چیوری اوزرندے'' (اقبال کی تصانیف اور ترجمے کے حوالے سے) میں مذکورہ ترجمے کے مسائل اور ان کے حل کے بعد اقبال کی ترکی زبان میں شائع شدہ چند کتب کا تعارف کروایا ہے۔اس کے بعد انگریزی کتاب میں موجود اے۔کے۔بروہی کے ''تعارف'' اور اقبال کے ''پیش لفظ کا ترجمہ بالترتیب ''غریش'' اور ''اون سوز'' کیا ہے۔اس کے بعد پروفیسر منور کے ۹ انگریزی مضامین کا ترکی ترجمہ صفحہ ۳۱ تا ۲۱۴ میں دیا ہے۔

کتاب کے مترجم نے آغاز میں ''اقبالن اثرلری وے چیوری حقندا'' ترجمے کے بارے کئی باتوں کی وضاحت کردی ہے۔اس میں وہ لکھتے ہیں کہ'' مصنف نے کتاب میں اقبال کی فکر کی وضاحت کے لیے جگہ جگہ اشعار اقبال سے کام لیا ہے۔کبھی وہ الگ سے اشعار درج کرتے اور کبھی نثر میں اشعار کا مفہوم استعمال کرتے ہیں۔ان میں سے متعدد اشعار کو میں نے ترکی میں از سرِ نو ڈھالا ہے۔عبارت میں مصنف کی طرف سے درج اشعار بعض مقامات پر موضوع سے ہٹ کر تھے اگر ایسا تھا تو ان کو شعری لباس میں درج کرنے سے بعض اوقات بات بننے کی بجائے بگڑتی نظر آتی تھی۔اگر نثر میں ان اشعار کا مفہوم دیا جائے تو وہ بھی موضوع کی وضاحت کرنے سے قاصر نظر آتے تھے۔لہٰذا میں نے اپنی استعداد کے مطابق یہی بہتر سمجھا کہ انھیں شعری آہنگ میں (ردیف قافیے کی پابندی سے) پیش کروں۔ یہاں وہ قوسین میں لکھتے ہیں کہ اب قارئین یا قسمت ہی جانتی ہے کہ وہ کس حد تک اس کام میں کامیاب رہے ہیں۔

مترجم نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد انھوں نے ''رموزِ بے خودی'' کے اشعار کے مفہوم کے لیے ''ابوالعلیٰ معریٰ'' کے عربی ترجمے کو ملاحظہ کیا تو انھیں کچھ جگہوں پر معمولی تبدیلی کرنا پڑی۔(۶۳)

اس کے بعد وہ اقبال کی چند کتب کے ترکی تراجم کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک صوفی حوری نے "خطبات اقبال" کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اب پرانا ہو چکا ہے۔ جبکہ پاکستانی مترجم ڈاکٹر این۔ نثار احمد کا خطبات اقبال (ری کنسٹرکشن) کا ترجمہ ان کی نظر سے تب گزرا جب وہ کتاب کا ترجمہ مکمل کر چکے تھے۔ اس کے بعد وہ ان شعری کتب اقبال کے ترکی تراجم کا ذکر مع اس کے مترجم کرتے ہیں جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے۔ اس میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان کے "اسرار خودی"، "رموزِ بے خودی"، "زبورِ عجم"، "ضربِ کلیم"، "ارمغانِ حجاز" کے علاوہ ڈاکٹر آنا میری شمل کے "جاوید نامے"، یوسف صالح قراجہ اقبال کے تراجم کا ذکر مع سنِ اشاعت و پبلشرز کیا ہے۔ (۶۴)

مترجم نے کتاب میں دیے معروف قانون دان اور دانش ور جناب اے۔ کے۔ بروہی کے پیش لفظ کا ترجمہ "اون سوز" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ جس میں انھوں نے بروہی صاحب کے خیالات کو بعینہٖ ترجمہ کیا ہے۔ مترجم لکھتے ہیں کہ بروہی صاحب کے خیال میں علامہ اقبال کے پیغام سے روشنی حاصل کرنے والے اہل دانش میں پروفیسر محمد منور سرفہرست ہیں۔ ان کے نزدیک افلاطون کو سقراط سے جو تعلق تھا، وہی تعلق مرزا منور کو اقبال سے ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ علامہ اقبال اور پروفیسر محمد منور دونوں کے تصورات کا ماخذ ایک ہے اور وہ ہے قرآن حکیم۔ (۶۵)

اس کے بعد مصنف کے پیش لفظ کے ۱۲ صفحات کا مکمل ترجمہ دیا ہے۔ مترجم نے مصنف کے پہلے مضمون "Harmony in ikbal's thought" کا ترجمہ "اقبالن فکر یاتندا آہنگ" (اقبال کے ہاں توازن و ہم آہنگی) کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ مضمون پروفیسر محمد منور کے مضمون 'توازن: اقبال کی شاعری کا ایک پہلو' مشمولہ میزانِ اقبال کی ایک مختصر شکل ہے۔ اس حصے میں مترجم لکھتے ہیں کہ "کائنات اور انسان دونوں کی تخلیق ایک توازن کی وجہ سے ممکن ہو سکی ہے۔ انسان اپنے وجود اور اعمال و افعال میں نظم قائم کر کے اپنی زندگی کو بہتر انداز سے بسر کر سکتا ہے۔ اقبال نے تضادات کے ذریعے سے چیزوں کی اصل حقیقت کو سمجھا ہے۔ اقبال کے 'مردِ مومن' سے ہم ان کے توازن کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مردِ مومن حقیقت میں وہ ہے جو گفتگو کے وقت نرم ہوتا ہے اور جستجو کے وقت سرگرمِ عمل ہوتا ہے۔ اس باب میں مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے اقبال کے اردو اور فارسی متن کو منور صاحب کی کتاب کی طرح درج کرنے کے بعد ان کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ جس سے منور صاحب کے خیالات کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہا۔ مثلاً اقبال کے درج ذیل شعر کا منور صاحب نے متن دیا ہے پھر اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ مترجم نے مصنف کی طرح پہلے اقبال کے شعر کا متن اور پھر اس کا ترکی میں ترجمہ دیا ہے۔

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز (۶۶)

مصنف نے اس شعر کے نیچے انگریزی میں ذیل کا مفہوم دیا ہے۔

He (Mumin) mild in speech and wild in action. Be it battlefield or the assembly of friends, he is pure of heart and action. (67)

مترجم نے مذکورہ شعر کا متن دینے کے بعد اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"Soz söylerken mütedildir o, isbaşinda sert,
Hem meydan-i-harpte, hem dost meclisinde,
Kalbi de, işi de paktir onun. (68)

اس کے بعد مصنف کے دوسرے مضمون "Iqbal's Idea of Faqr" کا مترجم نے ترکی ترجمہ بعنوان ''اقبال دے فقر دشنجے سی'' (اقبال کا تصورِ فقر) کیا ہے۔ اس باب کا ترجمہ بھی پہلے باب کی طرح رواں اور بامحاورہ ہے۔ اور جہاں جہاں مصنف نے اشعار کی بجائے اقبال کے اشعار کا مفہوم دیا وہاں مترجم نے مصنف کی طرح ترکی زبان میں مفہوم لکھ دیا ہے۔ اس باب میں مصنف لکھتے ہیں کہ ''فقیر عام مفہوم میں تو ایک مفلوک الحال، درماندہ اور ٹھکرایا ہوا شخص ہوتا ہے۔ لیکن اقبال کے نزدیک فقر ایک دوسری ہی کیفیت کا نام ہے۔ حقیقت میں وہ سوز و سازِ رومی اور پیچ و تاب رازی کی تفسیر ہے۔

اقبال نے ایسے فقیر کی جتنی خصوصیات بیان کی ہیں، ان کے مطابق راہب فقیر نہیں ہے، کیونکہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ پروفیسر محمد منور نے ماضی کے فقیر، صوفی اور درویش حضرات کے حوالے سے کہا ہے کہ وہ غیر معمولی علم کے حامل ہوتے تھے اور لوگوں کو شریعت کی طرف مائل کرتے اور کتابیں تحریر کرتے تھے۔ وہ زندگی کی مقصدیت کے قائل تھے۔ ایسے فقیروں کے سامنے دنیا کی ساری دولت کے ڈھیر بھی لگا دیے جائیں تو اس سے بےزاری ظاہر کریں گے۔ اقبال نے مسجدِ قرطبہ میں ایسے فقیروں کی شان بیان کی ہے کہ یہ مردانِ حق اور عربی شہسوار، خلقِ عظیم کے مالک تھے۔ صاحب صدق و یقین تھے۔ پروفیسر محمد منور نے شیخ احمد سرہندی کی مثال دی ہے کہ ان جیسے عظیم عالم اور فقیر نے شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی اطاعت قبول نہ کی اور جیل جانا پسند کیا۔ جب تک مسلمانوں میں اللہ والے موجود رہے ان کے معاشرے توانا رہے:

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ (۶۹)

اقبال فقری کو مُلّا اور صوفی سے برتر مقام دیتے ہیں۔ کیونکہ فقیر مستقبل کے بارے میں سوچتے ہیں اور فکر و عمل کے نئے زاویے وا کرتے ہیں۔

۱۲۸ اشعار اور ایک درجن سے زائد قرآنی آیات کے ذریعے سے پروفیسر محمد منور نے اقبال کے تصورِ فقر کی بخوبی وضاحت کی ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غنیٰ، تقویٰ اور فقر کی کمی کی وجہ ہی سے مسلمان زوال کا شکار ہیں۔ مترجم نے ان تمام باتوں کا احاطہ کیا ہے۔

مترجم نے مصنف کے تیسرے مضمون "Iqbal and Quranic Concept of History" کا ترجمہ ''اقبالن قرآن تاریخ تورامی اوزرینده دشندوق لری'' کیا ہے۔ اس باب میں مصنف نے قرآن کا تصور تاریخ بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اقبال نے اپنی شعری تخلیقات میں بھی قرآن کا تصورِ تاریخ بیان کیا ہے۔ مصنف نے اپنی اردو کتاب ''میزانِ اقبال'' میں ایک مضمون: 'قرآن تصور تاریخ اور علامہ اقبال' زیرِ نظر مضمون میں اسی مضمون کے مفاہیم و مطالب کو انگریزی میں بیان کیا گیا ہے۔ مترجم نے اس باب کا ترجمہ بھی رواں اور بامحاورہ کیا ہے۔ مگر وہ ترجمے میں پروفیسر صاحب کی انگریزی کتاب صفحہ ۵۵ کے دوسرے اقتباس تا ۵۶ کے پہلے اقتباس تک کی عبارت کا ترجمہ شامل نہیں کر سکے۔ مترجم نے اقبال کے شعر ''فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے۔۔۔ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف'' کا ترجمہ دینے کی بجائے اگلے شعر کا فارسی متن (چیست دیں برخاستن از روے خاک۔۔۔ تا زخود آگاہ گردد جان پاک) دیے بغیر اس کا ترجمہ دیا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان دو طویل اقتباس حذف کر دیے ہیں۔ (۷۰) غالب امکان ہے کہ یہ غلطی کتاب کے اجزاء جوڑتے وقت پیش آئی ہوگی۔

اس کے بعد مترجم نے چوتھے باب "Iqbal on Life after Death" ''اولمن سونرا حیات حقندا اقبالن فکرلری'' (اقبال کا تصورِ حیات بعد الموت) یہ مضمون مصنف کی کتاب ''ایقانِ اقبال'' (ص ۹۵، ۱۲۰) میں ہے جو اسی نوعیت کے مطالب پر مبنی ہے۔ جبکہ پانچویں

باب کا "Iqbal's idea of Taqdir" ''اقبالن تقدیر فکری'' (اقبال کا تصور تقدیر) کے عنوان سے ترجمہ دیا ہے ۔ یہ مضمون بھی مصنف کی کتاب ''ایقانِ اقبال'' میں شامل ہے ۔اس میں مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک تقدیر کھلے امکانات میں انتخاب کا نام ہے انسان کسی پہلے سے طے شدہ مقدر میں جکڑا ہوا نہیں بلکہ وہ ہر لحظہ اپنے انتخاب کے ذریعے کھلے امکانات سے اپنا مقدر تراشتا رہتا ہے۔

مترجم نے کتاب میں چھٹے باب "Iqbal on Advancement Sans Morals" کا ترکی ترجمہ بعنوان ''Ahlaktan Yoksun Ilerleme Uzerine Ikbal'in Dusundukleri'' (اقبال اور بلا اخلاقیات ترقی) کیا ہے۔اس میں مصنف لکھتے ہیں کہ زندگی آرام یا صرف حصولِ مسرت کے لیے نہیں ہے بلکہ زندگی انسان کے پاس موجود ایسا سرمایہ ہے۔ جس کے صحیح استعمال سے انسان بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔زندگی اخلاقی قواعد و ضوابط کے ساتھ معیاری اور بے مثال بن سکتی ہے آج کے انسان نے ٹکنالوجی میں اپنی ذہانت سے مہارت حاصل کر ہی ہے' مگر اس کے پس منظر میں مادہ پرستانہ سوچ کارفرما ہے۔مغرب نے مادی اصول کے تحت ہی ترقی کی ہے۔اقبال کے خیال میں مغرب کو افراد سے زیادہ اشیاء کی ساخت و بناوٹ اور حفاظت سے دلچسپی ہے۔انسانیت کو جس تہذیب کی ضرورت ہے' اس کی فکر کسی کو نہیں ہے۔اس لیے ان کے ہاں ٹیکنالوجی کی ترقی ہو رہی ہے' مگر انسانیت کی نہیں۔(۷۱)

پروفیسر محمد منور مزید کہتے ہیں کہ اقبال نے اس نقطۂ نظر کو اپنی نظم اور نثر دونوں میں بیان کیا ہے کہ مادری طور پر انتہائی خوش حال قومیں بھی انسانی رویے سے عاری ہیں۔اقبال کا اصرار ہے کہ انسان پہلے اپنی ذات کو پہچانے' تب ہی وہ تسخیر قائنات کے اولین مراحل طے کر سکتا ہے۔جو شخص اپنی خودی کو نہ پہچان سکے' وہ کسی دوسرے کی 'خودی' 'انا' اور 'مساوی حقوق' کو نہ تو سمجھ سکتا ہے نہ اسے برابر کے حقوق دے سکتا ہے۔(۷۲)

لیکن 'خودی' کی شناخت اور تربیت نظریاتی طور پر ممکن نہیں ہے۔جس طرح ایک موچی صرف نظریاتی تربیت سے جوتے تیار کرنے والا نہیں بن سکتا' یہی حال خودی کی تربیت چاہنے والے فرد کا بھی ہے۔انسان کا عزم اس کے رویے کو بہتر بناتا ہے' لیکن عزم بھی عقیدے کی مضبوطی کے بغیر بے کار ہے۔اسی بنیاد پر معاشرے کی غالب اکثریت خیر کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے۔اس سے پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ افراد سے معاشروں کی اصلاح ہوتی ہے' نہ کہ معاشرے' افراد کی اصلاح کرتے ہیں۔

الغرض خودی کی اصلاح' تربیت اور بہتری کے لیے فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔یہ ایک فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر لحہ اپنے عمل کا جائزہ لیتا رہے' کیونکہ ایک فرد کی خود احتسابی اس کے 'آج' معاشرے اور پھر پوری انسانیت پر اثر انداز ہوتا ہے' (۷۳)

مصنف کے ساتویں مضمون "Iqbal on Realisation of Self" کا ترکی میں ترجمہ بعنوان ''Ikbal Ve Benliğin Gerçekleştirilmesi'' (اقبال اور خودی کا احساس) دیا گیا ہے۔جس میں وہ لکھتے ہیں کہ جانور محدود حسیات کے مالک ہوتے ہیں۔جبکہ انسان کو اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ ایک مغربی مفکر ولیم ٹمپل کے مطابق انسان کو اس قدر صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں' محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہی کائنات کا مالک ہے۔(۷۴)

انسان کو علم کے ساتھ 'ذہن' بھی عطا کیا گیا ہے اور ذہن بہت بڑی نعمت ہے۔قرآن کے مطابق انسان کے اندر حیوانیت موجود ہے۔(۲۲:۸) اور جب تک اس کی تربیت نہ کی جائے' وہ برائی پر آمادہ رہتا ہے۔خودکشی کرنے والوں میں بھی یہی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔حیوانی اور سفلی خیالات انسان کو اس حد تک گمراہ کرتے ہیں کہ آج کے زمانے کی ظاہری روشنی ان کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے اور وہ اپنے حیوانی جذبات کے تابع ہو جاتے ہیں۔یہ تہذیبی گمراہی ہے' جس نے آج کے پڑھے لکھے عام انسان کو بھی کردار کے لحاظ سے بلندی عطا نہیں کی بلکہ وہ دلدل میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔(۷۵)

پروفیسر محمد منور کے نزدیک اقبال نے اس تہذیب حاضر سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ بتایا ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کا اتباع کرے کیونکہ خدا ہی انسان کی زندگی کے صحیح استعمال کا راستہ بتانے والی ذات ہے۔ پھر انسان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک کل (کائنات) کا جزو ہے۔ لہٰذا اسے اپنا آپ دریافت کرنا ہے۔ جب وہ اپنی ذات (جزو) کو دریافت کرلے گا تو 'کل' کو دریافت کرنا (یعنی کائنات کو تسخیر کرنا) بہت آسان ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنی زندگی کے سطحی پہلوؤں کے گرداب میں پھنسا رہے گا تو وہ شناخت سے محروم رہے گا۔ (۷۶)

مصنف نے آٹھویں مضمون "Iqbal on Man's Quest for the object Worthy of Human Worship" کا ترکی زبان میں ترجمہ "Insanin Ubudiyete Layik Mabud Arayisi Konsunda Ikbal" (اقبال 'انسانیت کے لیے لائق عبادت مرکز کی تلاش میں) دیا ہے اس باب میں مصنف لکھتے ہیں کہ ہر انسان کسی ایسی ہستی کی تلاش میں رہتا ہے جو اس سے برتر ہو۔ اسے تحفظ فراہم کر سکے اور اس کو ذہنی ونفسیاتی آسودگی دے سکے۔ پروفیسر محمد منور کہتے ہیں کہ جو شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے وجود میں کوئی خلا ہے تو آخر کار وہ خدا کی ہستی تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

پروفیسر محمد منور مزید وضاحت کرتے ہیں کہ خدا کا قانون انسان کی فطرت کے لیے بہترین راستہ ہے۔ اس قانون کے ذریعے وہ اپنے فرائض 'ذمہ داریوں' پسند اور ناپسند کو جانچ سکتا ہے۔ نہ صرف اپنی ذمہ داریاں بلکہ دوسروں کے حقوق بھی۔ اور اسی طرح وہ فطری انداز میں اپنی ذات کی تربیت کرتا چلا جاتا ہے' کہ اسے شریعت کے یہ ضابطے کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتے۔ گویا کہ اس کی فطرت خود اس' قانون' کی متلاشی تھی' اور انتظار میں تھی کہ اس کو سنوار کر سامنے لایا جائے۔ اسی وجہ سے قرآن اور سنت راہنمائی کے لیے پختہ ذرائع ہیں' لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر 'ضبطِ نفس' کی صلاحیت پیدا کرے اور اپنے اردگرد کے لوگوں پر بھی اس ضبط کو نافذ کرے' یعنی اپنے آپ پر قابو پانے' اپنے آپ کو منظم کرنے اور اس نظم وضبط کو معاشرے میں بھی رائج کرے۔ (۷۷)

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اقبال نطشے پر ترس کھاتے تھے کیونکہ وہ شخص خدا کے وجود کو محسوس کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی ذات اس چیز کی متقاضی ہے کہ اسے تربیت ملے' ضابطہ ملے' اور ہر چیز اپنے مقام پر ہو۔ اسی چیز کا نام شریعت ہے۔ اقبال نے شاہ ولی اللہ کی تعریف کی ہے' جنھوں نے امتِ مسلمہ کی کمزوریوں کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی کی۔ پروفیسر منور آخر میں کہتے ہیں کہ علامہ نے بہت پتے کی بات کہی ہے کہ نظامِ زندگی کو جو تم چلا رہی ہیں' ہم ان کو یک دم بجھ نہیں سکتے۔ اس کو ہر لمحے اپنے سامنے راہنمائی کے لیے ایک چراغ کی ضرورت ہے اور وہ چراغ ہے دینِ اسلام۔ (۷۸)

پروفیسر محمد منور کی کتاب کا آخری باب "Iqbal on Man's Accountability" کا ترکی ترجمہ بعنوان "Ikbal'in Insanin Mesuliyeti Hakindaki Fikirleri" (اقبال اور انسان کا محاسبہ) دیا گیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ مشرق اور مغرب میں انسانیت سے محبت کرنے والے افراد ایسی تجاویز پیش کرتے رہے ہیں جس سے انسانیت کی بھلائی ہو۔ اقبال بھی انسان کے مستقبل کے بارے میں فکرمند نظر آتے ہیں۔

پروفیسر صاحب اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ ایک انسان ایک حقیقی انسان اس وقت بن سکتا ہے جب وہ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور شریعت کی پابندیوں کو تسلیم کرے۔ اقبال کی اس بات کے قائل ہیں۔ کیونکہ زندگی دینے والا خدا ہی ہے۔ اس کے احکامات مانے بغیر دنیا کی زندگی میں بہتری ممکن نہیں ہے۔ جو شخص صرف اپنے ذاتی مستقبل کو بہتر بنانے کی فکر کرے گا' اس کا طرزِ عمل 'حیوانیت' ہے۔ صرف اپنی بات پر توجہ دینے سے اس میں خود غرضی کی صفت پروان چڑھتی ہے جب کہ انسان کی ترقی کی معراج یہ ہے کہ اس کی زندگی کا مرکز خدا اور اس کے احکامات ہوں۔ اگر انسان کے اپنے اندر موجود سفلی صفات سے پاک ہونا چاہتا ہے تو پھر وہ دوسروں کے لیے

قربانی، خلوص، ایثار اور خیر سگالی کے جذبات اپنے اندر پیدا کرے۔ فطرت کا نظام یہ ہے کہ وہ فرد کو پنپنے کا موقع بھی دیتی ہے اور معاشرے کے قیام و استحکام کی کوشش بھی کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور مشیت ہے۔(۷۹)

مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ انسان اس صورت میں زندہ رہ سکتا ہے، جب وہ اپنے آپ سے آگاہ ہو۔ اقبال نے اس پر زور دیا ہے کہ جو اپنے آپ سے آگاہ نہ ہو وہ نیکی اور بدی میں کسی طرح تمیز کر سکتا ہے۔ قدرت بھی انھی لوگوں کی مدد کرتی ہے جو اپنی روح، کائنات اور خدا سے واقف ہوں، سمجھ دار ہوں۔ اس کی یہی خود احتسابی اقبال کے ہاں مرکزی مضمون ہے۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک، اگر اللہ تعالیٰ کائنات کا مرکز ہیں تو رسالت مآب ﷺ دنیا کا مرکز ہیں۔(۸۰)

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مترجم نے پروفیسر منور صاحب کی انگریزی کتاب کا ترکی زبان میں مکمل ترجمہ دیا ہے۔ پروفیسر محمد منور اقبال کے شیدائی تھے۔ ان کا انداز تحریر توضیحی اور تشریحی ہے یہی انداز مترجم نے اس ترجمے میں قائم رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انگریزی کتاب میں درج اقبال کے تمام اشعار کے فارسی اور اردو متن کے ساتھ ساتھ تمام حواشی ترجمے میں ہر صفحہ کے نیچے درج کیے ہیں۔ جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

iv. این۔ندوی اقبالن مہ ساجی | روائع اقبال | En-Nadvi ikbalin Mesaji

مترجم: پروفیسر ڈاکٹر یوسف اشجق | مصنف: ابوالحسن علی الندوی | Ceviri: Prof. Dr. Yusuf Işicik

ابوالحسن الندوی کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' کا دوسرا ترجمہ ہے۔ اسے ترک پروفیسر ڈاکٹر اشجق نے ۱۹۹۰ء میں ''برلے شق'' یاین جی لک، استنبول سے شائع کروایا۔ ترجمہ ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں فہرست کے بعد ''تقدیم'' (پیش لفظ) ہے۔ اس کے بعد کتاب کی دوسری اشاعت کا ''اون سوز'' یعنی پیش لفظ دیا گیا ہے جس پر ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کے بعد ''روائع اقبال'' کے ترکی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

''تقدیم'' میں مترجم ابوالحسن الندوی کا تعارف بڑے احترام سے کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ندوی عالم اسلام کی ایک بڑی علمی شخصیت ہیں۔ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک عالم، مفکر اور داعی اسلام کے حوالے سے ترک مسلمان ان سے بہ خوبی آشنا ہیں''۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ استاد مولانا مودودی نے جہاں اپنا مشن چھوڑا تھا ابوالحسن ندوی نے وہیں سے اُن کے مشن کو جاری رکھا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں شخصیات امت مسلمہ کے لیے اثاثہ ہیں۔ پھر ڈاکٹر یوسف ''روائع اقبال'' کے ترکی ترجمے کی اشاعت کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابوالحسن ندوی اپنی کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ کروانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ترجمہ کرنے کے زمانے میں ندوی صاحب کی طرف سے موصول ہونے والے ایک خط کا ذکر کیا ہے جس میں ندوی صاحب ''روائع اقبال'' کے ترجمے کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ کرنے پر آپ کا ممنون ہوں۔ یہ کتاب ترک نوجوان نسل کے لیے یقیناً راہ خیر پر چلنے کے لیے انھیں تقویت فراہم کرے گی۔ میں اس کتاب کا ترجمہ علی علوی قوروجو سے کروانا چاہتا تھا کیونکہ وہ ایک ترک ادیب اور شاعر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ کام آپ کے ہاتھ سے مکمل کروانا چاہتا ہے'' اس کے بعد مترجم نے لکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب ''روائع'' کی دوسری اشاعت کا ترجمہ کر کے انھیں خط لکھ کر پوچھا کہ ''کیا آپ کا پیغام درست طور پر آگے پہنچایا ہے یا نہیں؟'' اس پر ندوی صاحب نے ان کو اپنی کتاب کی تیسری اشاعت کا ایک نسخہ ارسال کرتے ہوئے لکھا کہ ''مذکورہ ترجمے میں تیسری اشاعت کا آخری مضمون "الحقائق التاریخیة فی شعر اقبال" شامل نہیں ہے۔ لہٰذا مترجم نے اُسے موجودہ اشاعت میں نہ صرف اسے شامل کیا بلکہ ''روائع'' کی تیسری اشاعت میں شامل مصنف کا پیش لفظ بھی ترجمہ کر کے شامل کیا۔ مترجم نے حاشیے میں خط کی تاریخ ۲۳ رمضان ۱۳۷۹ء درج کی ہے۔ یہ ۱۹۸۰ کا زمانہ بنتا ہے یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ مترجم نے علی علوی قوروجو کے ترجمہ کرنے کا ذکر تو کیا ہے اس کے شائع ہونے کا نہیں بتایا حالاں کہ انھوں نے یہ ترجمہ ۱۹۵۷ء میں انقرہ سے شائع کروادیا تھا۔ دوسرا مترجم نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں کی کہ یہ ''روائع'' کے ترجمے کی دوسری اشاعت ہے۔

اس کے بعد مصنف کے طبع دوم کے عربی ''اون سوز'' کا ترجمہ چار صفحات میں دیا ہے۔ آغاز میں ''روائع اقبال'' کی پہلی طباعت کا سال ۱۹۶۰ء درج کیا گیا ہے۔ (۸۱) حالانکہ اس سال ''روائع اقبال'' کا انگریزی ترجمہ ''دارالفکر'' دمشق سے شائع ہوا تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر علی علوی قوروجو نے اس کا ترجمہ کتاب کی طباعت سے تین سال پہلے یعنی ۱۹۵۷ء میں کیسے کر لیا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''روائع اقبال'' ۱۹۵۷ء سے پہلے عربی میں شائع ہو چکی تھی۔

مصنف نے اس پیش لفظ میں لکھا ہے اقبال کے سنجیدہ حلقوں کی طرف سے کتاب کو جو پذیرائی حاصل ہوئی ہے اس پر انھیں مسرت بھی ہے اور حیرت بھی۔ کیونکہ یہ کتاب عرب دنیا کے قارئین کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی تھی تاہم دیگر ممالک میں اس کی پذیرائی نے مصنف کی ہمت

بندھائی۔اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مصنف کے لیے فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کے یہ الفاظ ایک طرح کی سند کا درجہ رکھتے ہیں کہ" آپ نے فکرِ اقبال کے مختلف پہلوؤں کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے جیسے غالباً اقبال محسوس کرتے یا چاہتے تھے۔(۸۲) پھر مترجم اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ہونے والے تراجم کا ذکر کرتے ہیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر یوسف نے ''روائع'' کی دوسری اشاعت میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے وقیع ''مقدمے'' کو کتاب میں شامل کرنے کی خبر دی ہے۔مگر مترجم نے ایسا کوئی ''مقدمہ'' ترجمے میں شامل نہیں کیا۔نیز انھوں نے اس کتاب کے انگریزی ترجمے کی اشاعت کی خبر دی ہے جس کے مطابق اس کتاب کا انگریزی ترجمہ محمد آصف قدوائی نے ''گلوری آف اقبال'' کے نام سے کیا۔اس پیش لفظ کے نیچے ابوالحسن علی کا نام اور تاریخ ۲ فروری ۱۹۷۸ء درج ہے۔

کتاب میں ترجمے کا آغاز ''گیرش'' (تعارف) کے زیرِ عنوان عربی کتاب کے عنوان ''صلتی بمحمد اقبال وشعرہ'' کے ۱۵ صفحات کا ترجمہ ۱۳ صفحات میں بعنوان ''محمد اقبال وے شعرلرا یلے الگی لین اشیم'' (میرا تعلق اقبال اور ان کے فن سے) دیا گیا ہے۔اس میں مصنف نے اقبال کے کلام کا تعارف اور ان کی شاعری کے ذریعے اقبال کی فکری شخصیت کا خاکہ کھینچا ہے مصنف اقبال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''میری پسند اور توجہ کا مرکز وہ (اقبال) اسی لئے ہیں کہ وہ بلند نظری' محبت اور ایمان کے شاعر ہیں۔'' (۸۳) اسی عبارت کا مترجم ترکی زبان میں یوں ترجمہ کرتے ہیں:

"Aslinda bana O'nun siirlerini beğendiren en buyuk amil neden Coşkunluk, sevgi ve iman duyğularidir.(84)

(اردو مفہوم:

حقیقت میں میری ان کی شاعری کو پسند کرنے کی بڑی وجہ اُن کے ہاں جوش، محبت اور ایمان ہے۔)

اس کے بعد ترجمے میں عربی کتاب کے باب نمبر ۲ "شاعر السلام :الدکتور محمد اقبال حیاته وثقافته ، شاعریته و انتخابه ." ۔کا بعنوان: ''شاعرِ اسلام محمد اقبال۔حیاتی' کلتر' شاعرلعی وے اثرلری'' دس عربی صفحات کا ۹ صفحات میں ترکی زبان میں ترجمہ دیا ہے۔اس باب کے پہلے صفحہ میں اقبال کی پیدائش کے لیے عربی لفظ ''میلاد'' استعمال کیا گیا ہے جبکہ ترکی میں عموماً اس کے لیے لفظ 'Dogum" لکھا جاتا ہے۔اسی صفحہ پر مزید عربی لفظ ''تحصیل، استاد، ذکی، طلبا، قدر، حکومت، امتحان، نشان، حق'' وغیرہ لکھے گے ہیں۔یہی نہیں بلکہ پوری کتاب میں جگہ جگہ عربی الفاظ و اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔(۸۵)

مترجم نے اقبال کے ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپسی پر سسلی سے گزرتے ہوئے جو اشعار کہے ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یوں دیا ہے۔

وہ رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

ترکی ترجمہ:

"Ey kisi! Gözyasi degil, gözyaşlari dok? Cünkii burasi
Hicaz medeniyetinin defnolunduğu yerdir."

(اردو مفہوم:

اے شخص رو نہیں' آنسوؤں کو بہاؤ! کیوں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حجاز کی مدنیت دفن ہے)

اس باب میں اشعار کا مفہوم مذکورہ مثال کی طرح ہی کیا گیا ہے۔ اگلے باب "العوامل التی کونت شخصیة محمد اقبال" کا ترکی زبان میں بعنوان "محمد اقبالن شخصیتینی اولشطران نے دین لر" کا ترجمہ ۱۹ صفحات میں کیا ہے۔ اس باب کے آغاز میں مصنف نے جو نوٹ دیا ہے اس کا ترجمہ عربی کتاب میں العامل الاول، العامل الثانی، العامل الثالث، العامل الرابع اور العامل الخامس کا ترکی زبان میں ترجمہ دیتے ہوئے ہر جزو کا مرکزی خیال ایک لفظ میں اس کے عنوان کے ساتھ بڑھا دیا ہے مترجم نے ان اجزاء کا ترجمہ بالترتیب برنجی اتیتقین: ایمان، ایکنجی اتیتقین: قرآن کریم، اوچونجو اتیتقین: کیندی نی بلمے سی (خود شناسی)، دوردنجی اتیتقین: روحانی حیات دے زوہد، آل تنجی اتیتقین: مثنوی (مراد مثنوی و معنوی مولانا روم) کیا ہے۔ جس سے عبارت کے موضوع کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگلا باب "نظرته محمد اقبال الی نظام التعلیم العصری" کا ترجمہ "محمد اقبالن چادش ایتم دے اور عتم کھروم لرنا بکش" ساڑھے پانچ صفحات میں دیا اور عربی کتاب کے ضمنی موضوعات کی سرخیاں دے کر ترجمہ کیا ہے۔ عربی کتاب کے پانچویں باب "نظری محمد اقبال الی العلوم والآداب" کا ترجمہ بعنوان: اقبالن علملر وہ ادبیاتا بکش" کے دو ضمنی موضوعات "آرائوہ فی العلوم و الآداب"، اور "تصویر الشباب المسلم"، "علم وادبیات حقندا کی گورشلری" (علم وادبیات کے بارے میں آراء) اور "اقبال اسلام گینجلعنی انلیتیور" (اقبال مسلم نوجوان کو بتاتے ہیں) بھی ترجمے میں شامل ہیں۔ چھٹے باب "الحضارة الغربیه و التربیه العربیه" کے عنوان کا ترجمہ مکمل نہیں دیا صرف "باطی مدنیت دے ایتم" (مغربی تہذیب اور تعلیم) کیا ہے۔ اس باب کا ترجمہ کتاب کی طرح دس صفحات میں دیا گیا ہے۔

عربی کتاب کے اگلے باب "الانسان الکامل فی نظر محمد اقبال" کا ترجمہ "اقبال گورہ کامل انسان" کے عنوان سے ۲۲ صفحات میں دیا ہے۔ اس باب کے تمام ضمنی موضوعات کا مکمل ترجمہ دیا گیا ہے۔ آٹھویں باب "برلمان ابلیس" کا ترکی ترجمہ "ابلیس پارلامنتو سو" (ابلیس کی مجلس شوریٰ) ۱۵ صفحات میں دیتے ہوئے تمام ضمنی موضوعات شامل کیے گئے ہیں۔ اس باب میں اقبال کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے اشعار کا ترکی میں سیدھا سادا مفہوم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مترجم نے عربی کتاب کے موضوعات 'فی جامع قرطبہ'، 'فی ارض فلسطین'، 'فی غزنین'، 'دعاء طارق'، 'حدیث الربیع'، 'نیاحۃ ابی جہل'، 'عورۃ الجاھلیۃ'، 'ساعۃ مع السید جمال الدین الافغانی'، 'فی مدینۃ الرسول ﷺ'، 'شکوی و مناجاۃ' کا ترکی ترجمہ بالترتیب 'قرطبہ جامی ایندے'، 'ابو جہالن آغیت'، 'جاہلی تین وریلشی'، 'جماتین افغانی ایلے برساعت'، 'پیغمبر ﷺ شہر ایندے' اور 'شکایت دے یل وارش' کے ناموں سے دیا ہے۔ عربی کتاب کے آخری عنوان "الحقائق التاریخیة فی شعر اقبال" کا ترجمہ "اقبالن شعرلیندے تاریخی حقیقت لر" ۲۵ صفحات میں کیا ہے۔ مذکورہ مترجم کے ابواب کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ترجمے کے انداز اور اس بات کا ادراک ہو سکے کہ انھوں نے کتاب کے کن اجزاء کا کس معیار کا ترجمہ کیا ہے؟

پروفیسر یوسف اثیحق نے ابوالحسن ندوی کی "روائع اقبال" کا تقریباً مکمل اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ ابوالحسن ندوی کا اسلوب نگارش دلچسپ اور عالمانہ ہے۔ وہ "روائع" کے ذریعے اقبال کے باطن، ان کی اندرونی شخصیت اور ان کے قلب و روح کو فطری حالت میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انھیں اقبال خدا کی حمد کرتے اور رسول اکرم کی محبت میں سرشار اور بیقرار نظر آتا ہے۔ اقبال انھیں اسلام کی عظمت رفتہ پر آنسو بہاتا نظر آتا ہے وہیں ان کو تاریخ اسلام کے عروج و زوال پر نظر ڈالتا ہوا بھی نظر آتا ہے۔

پروفیسر اثیحق نے غالباً "روائع اقبال" کے انگریزی اور عربی متن کو مدنظر رکھ کر رواں اور شائستہ زبان میں کر ترکی ترجمہ کیا ہے۔ پروفیسر اثیحق اور علی علوی قوروجو دونوں کے تراجم متوازن ہیں مگر پروفیسر اثیحق کا ترجمہ علی علوی قوروجو کی بہ نسبت مکمل اور بہتر ہے۔ تاہم دونوں حضرات نے ترکی ترجمہ کرتے ہوئے عربی الفاظ وتراکیب کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔

۷. بزوے اقبال　　　**Biz ve ikbal**　　　ماواقبال

مترجم: ارگن قلیچ توتن　　　مصنف: ڈاکٹر علی شریعتی

ڈاکٹر علی شریعتی کی اقبال پر لکھی فارسی کتاب کا نام ''ماواقبال'' ہے۔اس کا اردو ترجمہ جاوید اقبال قزلباش نے کیا ہے جو دفتر ثقافتی قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران اسلام آباد سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے ۱۳۸ صفحات ہیں۔علی شریعتی کی اسی کتاب کا ترکی زبان میں با محاورہ ترجمہ ارگن قلیچ توتن نے ۱۹۸۵ء میں کر کے استنبول سے شائع کروایا۔اب تک اس ترجمے کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کی ضخامت ۱۷۳ صفحات ہے۔اصل فارسی کتاب کے مندرجات یوں ہیں۔

فہرست (فارسی)

عنوان	صفحہ
یاداشت ناشر	ج۔و
ماو اقبال	۲۹۴۔۱
پیش گفتار	۲۰۔۲
دفتر اول: اقبال مصلح قرن اخیر "من مسلمان" دراین عصر	۱۱۲۔۲۱
رنجهایش وپرسشهایش	۲۵
رنجهای قرن بنیستمی من	۲۷
اسلام تجزیه شده، علمی متلاشی شده	۲۸
تجدید ساختمان	۳۲
دفتر دوم: ماو اقبال	۲۸۸۔۱۱۷
قرن بیستم	۱۲۹
خدا لایموت است	۱۳۵
ما	۱۳۹
اقبال	۱۴۲
بینش اصیل اسلامی	۱۴۸
اقبال	۱۵۴
جهان بینی اقبال	۱۷۵
بینانی اتشناك خونین معنی یاب	۱۸۰
ایمان و اسلامی که به هراس میافکند	۲۲۲

صفحہ	عنوان
۲۲۵	مذهب علیه مذهب
۲۳۰	موج روشنفکری ما
۲۳۷	جامعۂ ماو تماس با غرب
۲۵۹	سوسیالیسم
۲۶۳	دنیائی که در آن زندگی میکنیم
۲۸۸-۲۸۱	ملحقات
۲۹۶-۲۸۹	نمونه ها: عکس برخی از صفحات نسخه های اصل
۳۵۶-۲۹۷	پیوستها
۲۹۹	مآخذ
۳۰۱	یاداشتها و توضیحات
۳۰۹	فهرست آیات قرآن
۳۱۱	فهرست نام اشخاص و قبائل و فرق
۳۱۵	فهرست اماکن و مؤسسات
۳۱۹	فهرست کتب و مقالات
۳۲۱	فهرست موضوعات و مفاهیم و تعبیرات

اس کتاب کے اردو ترجمے کی فہرست یوں ہے۔

فہرست (اردو)

صفحہ	عنوان
۷	مقدمہ (فارسی)
۱۱	مقدمہ (اردو)
	ہم اور اقبال۔ حصہ اول
۲۱	دور حاضر میں مسلمان کا تشخص اور اس کی تکالیف اور استفسارات
۲۳	میری بیسویں صدی کے آلام
۲۵	پراگندہ اسلام اور منتشر علی
۲۹	عمارت کی تجدید

ہم اور اقبال کا۔حصہ دوم

بیسویں صدی	۱۰۷
جہاں شناسی	۱۲۱

ترکی ترجمے کی فہرست درج ذیل ہے۔

فہرست (ترکی)

عنوان	صفحہ	اردو ترجمہ
اون سوز	۵	پیش لفظ
برنجی بولوم	۷	حصہ اول
عصرِ میزداکی مسلمانن درت لری وے سورن لر	۱۳	میرے عصر کے مسلمانوں کی تکالیف اور استفسارات
بینیم یرمنجی عصرداکی درت لریم	۱۶	بیسویں صدی کے میرے عصری مسائل
بولن مُش اسلام		منتشر اسلام
اکینجی بولوم		حصہ دوم
آنیڈولوجی لروے اسلامن کونومو	۷۵	اسلامی موضوع اور ہمارے نظریات
اللہ اولم سوزدُر		اللہ کو موت نہیں
دین کھارش دین	۱۴۴	دین کے مقابل دین

مذکورہ بالا تینوں فہارس پر نظر ڈالنے سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اصل فارسی کتاب کے موضوعات ترکی ترجمے میں بھی اسی ترتیب سے آئے ہیں جبکہ اردو مترجم نے اپنی آسانی کے لیے حصہ دوم کے چند فارسی موضوعات ''خدالا یموت است، ما، اقبال، بینش اصیل اسلامی اور اقبال'' کو اردو ترجمے میں شامل نہیں کیا بلکہ اس حصہ کا نام ''جہاں شناسی'' رکھ کر مذکورہ موضوعات کی چیدہ چیدہ باتوں کو شامل کر لیا ہے۔دوسرے مترجم کا یہ اردو ترجمہ انتہائی ثقیل، گنجلک اور بھاری بھر کم الفاظ پر مشتمل ہے۔طویل اور مبہم جملے عبارت میں جھول پیدا کر رہے ہیں جس سے عبارت کو پڑھنا اور سمجھنا آسان نہیں ہے۔یہاں مترجم کی عبارت کا ایک مختصر نمونہ اور اس بات کی وجہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کتاب کے حصہ دوم کے کچھ موضوعات کو کیوں حذف کر دیا۔

''یہ ترجمہ جو آپ کے پیش نظر ہے جلد اول اور دوسری جلد کے ایک حصہ کے خلاصہ کا ترجمہ ہے مع کچھ تصرفات کے جو علامہ اقبالؒ اور ان کے افکار کے پہلوؤں کے تعارف سے متعلق ہے۔جلد دوم کا بیشتر حصہ جو اصل کتاب کے متن میں موجود ہے لیکن یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا اکثر عمرانیات کی رو سے دین اور اس وقت کے ایرانی معاشرہ کے تجزیہ سے متعلق ہے۔لہٰذا وہ پاکستانی حضرات کے لیے چنداں قابل فہم اور قابل استفادہ نہیں ہے۔اس تصرف شدہ خلاصہ میں بعض مضامین جو غالباً طولانی موضوعات اور معترضہ جملوں کے طور پر اصل کتاب کی عبارات کے درمیان میں آئے ہیں یا ایسی مثالوں اور شہادتوں کو جو خاص طور پر اردو زبان کے قارئین کے لیے قابل فہم نہیں اور تاریخ، معاشرہ اور اصل کتاب کے متن میں آئے ہوئے ایرانی اور فارسی کنایات اور اشارات کو جو نوجوانوں کے لیے نامانوس ہیں، حذف کر دیا گیا ہے۔(۸۶)

مذکورہ صراحت مقدمہ میں مترجم کی بجائے ''علی ذوعلم'' نے لکھی ہے جو ثقافتی قونصلر ہیں۔ مگر لگتا ہے انھوں نے یہ مقدمہ فارسی میں لکھا تھا جس کا اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے یہ صراحت خود اس مقدمہ میں شامل کی ہے۔ حالانکہ اچھا مترجم کتاب کے متن کا مکمل بامحاورہ ترجمہ پیش کرتا ہے۔ اسے یہ کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ کتاب کے کچھ حصوں کا ترجمہ کرے اور کچھ حصوں کو اس لیے چھوڑ دے کہ یہ کسی خاص علاقے کے لوگوں سے متعلق ہیں۔

ڈاکٹر شریعتی کی اس کتاب کا خلاصہ ''ہم اور اقبال'' کے عنوان سے خواجہ حمید یزدانی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ، رواں اور عام فہم ہے۔ یہ ترجمہ مجلّہ ''اقبال'' اکتوبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا اور جو ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی کا انداز تحریر و تقریر قدرے علمی و ادبی معیار کا ہے۔ اس بارے میں حمید یزدانی لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر علی شریعتی مرحوم کا انداز تحریر اور تقریر کچھ ایسا ہے کہ وہ بات سے بات نکالتے چلے جاتے ہیں اور اسی دوران میں بعض مرتبہ بڑے بھاری بھرکم حوالے دیے جاتے ہیں، جو ان کے وسیع مطالعہ اور گہری نظر کی غمازی کرتے ہیں لیکن اس کے نتیجے میں اصل مطلب بڑی دور جا پڑتا ہے جو قاری یا سامع کے لیے خاصی ذہنی الجھن کا سبب بنتا ہے۔ (۸۷)

مذکورہ اقتباس سے ترجمے کی ثقالت کے محرکات کا بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے یعنی ڈاکٹر علی شریعتی کا انداز تحریر و تقریر عالمانہ ہے لہٰذا قزلباش کا فارسی سے اردو ترجمہ شاید اسی لیے ثقیل اور گنجلک زبان میں ہے۔ اب اصل فارسی کتاب اور ترکی ترجمے کی فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارگن نے اصل فارسی کتاب سے اسے ترکی زبان میں منتقل کیا ہے۔

''ہم اور اقبال'' کے ترکی ترجمے کے آغاز میں مترجم نے فارسی کتاب کی ''یاداشت ناشر'' کا ترکی ترجمہ شامل کیا ہے۔ جس میں ناشر لکھتے ہیں کہ ''اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مسلم اقوام یوں تو مختلف وجوہ کی بنا پر اسلام سے دور ہوئی ہیں' تاہم زمانہ قریب میں مسلمانوں کی یہ دوری اسلام میں افکار مغرب کی ملاوٹ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ چنانچہ مسلمان دانشور اور مفکروں نے ایک طرف تو اصلی اور حقیقی اسلام رائج کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف اسلام کو مغرب کی فکری' ثقافتی اور سیاسی بے راہ روی سے پاک کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی ہے۔ اقبال ان روشن خیال مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے یہ کام کامیابی سے سرانجام دیا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اقبال سے پوری پوری آگاہی حاصل کرے اور اس کے افکار سے فائدہ اٹھائے۔'' اس کے بعد مترجم نے ڈاکٹر علی شریعتی کا ایک صفحہ میں مختصر انتعارف پیش کیا ہے۔

اس کے بعد مترجم نے ''پیش گفتار'' کا ترکی زبان میں ''اون سوز'' کے عنوان سے مکمل بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر شریعتی نے ابتدا میں ''حسینیہ ارشاد' ادارے کا شکریہ ادا کیا جس نے انھیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد وہ اقبال کی علمی، فکری اور شعری اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی عظیم تصنیف ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں اپنا موضوع ''اسلام میں مذہبی طرز فکر کی تعمیر نو'' قرار دیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ ہماری تحقیقات اور معنوی، فکری، علمی اور اسلام شناسی کی کوششوں کے سلسلے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ (۸۸)

پیش لفظ کے اختتام پر ڈاکٹر علی شریعتی نے لکھا ہے کہ سید جمال الدین افغانیؒ اور اقبال جیسے انسانوں کو پہچاننا ایک فرد کی شخصیت کو پہچاننا نہیں ہے بلکہ ایک مکتب فکر اور ایک نظریہ اور ہمارے اپنے مخصوص حالات اور احوال کا پہچاننا ہے۔ درحقیقت اقبالؒ ایک باب کا عنوان ہے اقبالؒ یا سید جمال الدینؒ کو پہچاننے سے ہم ایک ایسے ''متن'' میں پہنچ جاتے ہیں جس کا عنوان یہ شخصیات ہیں اس کا ''متن'' خود ہم، ہماری فکر، ہماری مشکلات اور ہماری مشکلات کے حل کرنے کے طریقے ہیں۔ اسی سے سید جمال الدینؒ اور اقبال کی شناخت خود اسلام' مسلمانوں اور ہمارے زمانہ حال و آئندہ کی پہچان ہے۔ (۸۹)

''اون سوز'' کے بعد فارسی کتاب کا ترکی زبان میں بامحاورہ، رواں، شستہ اور قابل فہم ترجمہ دیا گیا ہے۔ جس سے یقیناً ہر قاری لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ اب ترکی ترجمے میں دیے گئے مصنف کے خیالات کا خلاصہ ملاحظہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچرز کا مجموعہ بعنوان ''ما و اقبالؒ'' علامہ محمد اقبالؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے جو حلقۂ علم و دانش میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس مجموعے میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ اقبالؒ کے خلاف اٹھائے جانے والے سوالوں کے جواب بہت فہم و فراست سے مہیا کیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلام پر مشکل حالات میں علامہؒ کی شاعری اور وجود نے مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور یہی چیز ان کو دیگر معتبر شخصیات میں نمایاں کرتی ہے۔ دینِ اسلام میں اتنی قوت موجود ہے کہ غلامی اور معاشرتی ناانصافی کے دور میں بھی علامہؒ جیسے عظیم مفکرین پیدا کرسکتا ہے۔ ان کی شخصیت متوازن کثیرالجہت اور مشرق و مغرب کا حسین امتزاج تھی۔ مسلمانوں کے لیے جدوجہد آزادی کو ڈاکٹر شریعتی نے اپنا نصب العین بنایا۔ انھوں نے اسلام کے صحیح تشخص کو اجاگر کرتے ہوئے مسلمانوں پر سے مغربی سامراجیت کے سائے ہٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انھوں نے اپنی گفتگو میں کہا کہ ادارہ حسینیہ ارشاد کا اقبالؒ کی یاد منانا برحق ہے کیوں کہ اس کے ذریعے علامہؒ کو علمی اور معاشرتی سطح پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ وہ شخصیت جس نے اہلِ سنت ہوتے ہوئے بھی اہلِ بیت کی مداح سرائی کی اور یہ اہلِ تشیع پر بڑا قرض ہے۔ بجائے ان خدمات کا اعتراف کرنے کے ان کو متعصب نظروں سے دیکھا جانا اس علمی ادبی اور فکری محقق کے شایانِ شان نہیں۔ جس کے قلم اور کلام کو اسلام کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔

مشرق کے مسائل صرف مشرقی مسلمان ہی ٹھیک طور پر بیان اور حل کرسکتا ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے جہاں حضرت جمال الدین افغانیؒ نے اسلامی تحریک کا آغاز کیا تو علامہؒ نے اس کا اختتام کیا۔ علامہؒ کی شخصیت کی خصوصیات حضرت علیؑ کے اوصاف کی مانند محسوس ہوتی ہیں۔ علامہ کی فہیم اور پراثر شخصیت اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے۔ ان کی سوچ انقلابی خصوصیات کی حامل تو ہے ہی لیکن اس ضمن میں بھی وہ دوسرے مفکرین اور غازیوں کے مقابلے میں منفرد اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے مطابق اسلام دینی و دنیاوی معاملات میں بطریقِ احسن رہنمائی کرتا ہے۔ مذہب، سائنس اور فلسفے کے بارے میں ان کا فکر و عمل میانہ روی سے بھرپور ہے اور وہ عشق والہام کو روحِ انسانی کے لیے لازم و ملزوم ٹھہراتے ہیں۔ اقبالؒ کے مطابق انسان کو بیک وقت کئی خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے۔

وہ ایسے مصلح ہیں کہ اپنے اردگرد کے حالات پر انتہائی ذمہ داری سے غور و فکر کرتے ہیں۔ وہ حضرت رومی کے روحانی عاشق ہیں۔ ایک جامع انسان اور مسلمان ہونے کے ناتے انھوں نے خود کو بیسویں صدی کا فلسفی منوایا۔ مغرب کے معترف ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی ذات کو مغربیت میں جذب نہیں ہونے دیا۔ ان کی سوچ اہلِ تصوف کے تصورِ قسمت سے جدا ہے۔ وہ تقدیرِ انسانی کی بجائے سعیٔ انسانی کو ماننے والے تھے۔ وہ برصغیر کے بیٹے تھے۔ لیکن مغرب میں اپنا لوہا منواتے ہوئے علومِ عصرِ حاضر کی تمام تر رعنائیوں سے لیس ہوکر اپنے وطن لوٹے۔ مشرقی دل اور مغربی دماغ کے حامل ہوتے ہوئے مشرق کو مغرب کے تمدن و اخلاق سے مزین کیا۔ انھوں نے انقلاب کو بنیاد فراہم کرتے ہوئے محض علم دریافت کو ذریعہ فلاح قرار نہیں دیا بلکہ باعمل اور باشعور افراد پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو کہ قدیم و جدید تہذیب کے سرمایے سے واقف ہوں اس ضمن میں ان کی اپنی کامل اسلامی شخصیت ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔

علامہؒ اسلامی انقلاب کے داعی تھے۔ اسلامی انقلاب دنیا کا سب سے بڑا انقلاب ہے جس نے انسانوں کے جذبۂ عشقِ مذہب سے معاشرتی ترقی کا کام لیا۔ وہ انتہائی غیر متعصب طریقے سے مغربی تہذیب پر تنقید کرتے ہیں۔ اقبال مغرب کی استعماریت کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کے اس کے بانی انگریز قرآن پاک سے ڈرتے ہیں جو ان کو مسلمانوں پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ انھوں نے مغربی اور ایرانی تمدن کو بہت قریب سے جانچا۔ اقبالؒ کی سوچ مسلمانانِ برصغیر کی سوچ ہے۔ انھوں نے خود اپنی ازسرِ تشکیل کرتے ہوئے مکتبِ اسلامی کی

از سرِ نو تعمیر کی۔ ان کے فلسفہ خودی نے تیسری دنیا کے پسے ہوئے مسلمانوں کو متاثر کیا۔ علامہؒ متعصب نہیں تھے آج کے جامد اسلامی معاشرے میں ہمیں ایسے ہی معلمین کی ضرورت ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تمام انصاف کے ساتھ بیان کریں۔ علامہ ان معیارات پر پورا اترتے ہیں۔ وہ اصحاب رسول ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی معاشرتی اور فکری لحاظ سے بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ انھوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی کے لیے جدوجہد کے ضمن میں اپنے کلام کو استعمال کیا۔ مزید یہ کہ انھوں نے مغرب کی سائنسی ترقی سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ روح ایمان و اخلاقیات کو بھی زندہ رکھنے کی تلقین کی۔ علامہ کے مطابق مذہب کی پیروی کرتے ہوئے جدید علوم و افکار کو اپنانے ہی سے مسلمان دنیا کو مسخر کر سکتے ہیں۔ وہ پاکستان میں بیسویں صدی کا ایک ایسا معاشرہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جو شرق و مغرب کا حسین امتزاج ہو۔ ان کی تحریر ''بازگشت با خویش'' تصورِ خودی کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مسلمانوں میں بے حد مقبول ہوئیں۔ وہ ایران میں بے انتہا مقبول ہیں اور علامہ اقبالؒ کا خطاب بھی ایرانیوں کی اقبال سے محبت کا ایک ثبوت ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ مذکورہ کتاب کی عکسی نقل راقم کو پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے فراہم کی تھی۔

2. Muhammad ikbal, Hayati ve Felsefesi, 1927, Sayfa 3

3. Muhammad ikbal, Hayati ve Felsefesi, 1927, Sayfa 11

۴۔ جلال سوئیدان، ڈاکٹر: مقالہ ترکی میں اقبال، نگران ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۹۰ء، صفحہ: ۱۲۹

5. Muhammad ikbal, Hayati ve Felsefesi, 1927, Sayfa 4

6. Muhammad ikbal, Dr. Muhammad ikbal Ve Eserlerinden Seçmeler, Çeviri: Dr. Abdül Kadir Karahan, Genclik Basimevi, 1974, Sayfalar 141, 70, 91.

7. Ramzan Tunç, Muhammad ikbal, Beyan Yayinlari, istanbul 1984, Sayfa 11

8. Ramzan Tunç, Muhammad ikbal, Sayfa 25

۹۔ دائرہ معارف اسلامی۔ ایران''، لفظ ''اقبال'' تہران ۱۹۷۸ء۔

10. Ramzan Tunç, Muhammad ikbal, Beyan Yayinlari, istanbul 1984, Sayfa 51, 52

11. Ramzan Tunç, Muhammad ikbal, Sayfa 59

12. Selahaddin Yaşar, Biyografiler Muhmmed ikbal Hayati, Sanati, Mucadelesi, Acar Matbaacilik, istanbul, 1988, Sayfa 7

13. Selahaddin Yaşar, Biyografiler Muhmmed ikbal Hayati, Sanati, Mucadelesi, Acar Matbaacilik, istanbul, 1988, Sayfa 35

14. = do =, Sayfa 171

15. Pakistan'in Buyuk Milli Şairi "ikbal Hakkinda Konferanslar", Anil Matbaasi, istanbul 1952, Sayfa 15

16. = do =, Sayfa15

17. = do =, Sayfa 33

18. = do =, Sayfa 39

19. Islam'in Sair Filozofu, Muhammad ikbal, Pakistan Basin Ateşeliği, Şark Matbasi' 1968, Sayfa 4

20. = do =

21. Muhammed ikbal, Çeveri, Huseyin Perviz Hatemi, Cavid-e-Hitab, Yeni matbasi, 1965, Sayfa 22-31

۲۲۔ کلیات اقبال۔ فارسی، صفحہ: ۷۸۷

23. islam'in Şair Filozofu, Muhammad ikbal, Sayfa 13

24. Muhammad ikbal, Pakistan Basin Ataşeliği, sira matbaasi, istanbul, Nisan 1969, Sayfa 1

25. == do ==, Sayfa 7

26. == do ==, Sayfa 11

27. == do ==, Sayfa 12

28. == do ==, Sayfa 28

29. Muhammad ikbal, Islamin Ruhu, Çev: E.A, Siralar Matbaasi, 1963, Sayfa 26-54.

30. Ahmet Albayrak, Divan dargisi, sayi:14, Istanbul, 2003/1, Sayfa 252.

31. Muhammad ikbal, Pakistan Basin Ataseliği, Sayfa 38

۳۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ: ۱۹۷

33. Kul Sadi "Doğunun Uyanişi, vahdat Yaynevi, Istanbul 1985, Sayfa 7

34. Kul Sadi, Sayfa 59

35. Kul Sadi,,Sayfa 72

۳۶۔ جاوید اقبال کے مضمون "میرا باپ" کا ترکی زبان میں ترجمہ "ینر کونوشین" (Yener Konusen) نے کیا تھا جو اخبار "ور یلیش" میں ۱۰ جنوری ۱۹۸۳ء، بروز اتوار کو شائع ہوا۔

37. Kul Sadi "Doğunun Uyanişi, vahdat Yaynevi, Istanbul 1985, Sayfa 127

38. Kul Sadi , Sayfa 144

39. Kul Sadi , Sayfa 188

40. Muhammed Han Kayani, Şiirleri aynasinda ikbal, istanbul Belediyesi, 1995, Sayfa 7

۴۱۔ "کلیاتِ اقبال۔ اردو" صفحہ: ۲۰۳

42. Muhammed Han Kayani, Şiirleri aynasinda ikbal, Sayfa 9

۴۳۔ "کلیاتِ اقبال۔ اردو" صفحہ: ۲۰۸

44. Muhammed Han Kayani, Şiirleri aynasinda ikbal, Sayfa 12

۴۵۔ محمد اقبال، "کلیات اقبال۔ اردو" صفحہ: ۱۶۳

46. Muhammed Han Kayani, Şiirleri aynasinda ikbal, Sayfa 23

47. = do = , Sayfa 47

48. Ebu'l Hassan En Nevdi, Büyük islam şairi: Dr. Muhammad iKbal, Hilal yayinlarin, istanbul, 1990, Sayfa 8.

۴۹۔ ابوالحسن ندوی: روائع اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۶۰ء، صفحہ: ۳۱

۵۰۔ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"

۵۱۔ ترکی کا قومی ترانہ محمت عاکف نے لکھا ہے اسے "Istiklal Marşi" کہتے ہیں۔ نیز ذیل میں حوالہ درج ہے۔

Ebu'l Hassan En Nevdi,

Buyuk islam şairi,Ali Ulvi Kurucu: Dr. Muhammad iKbal, Hilal yayinlarin, istanbul, 1990, Sayfa 18

52. = do =, Sayfa 50.

٥٣۔ابوالحسن ندوی: روائع اقبال، صفحہ: ١١٢

54. Ebu'l Hassan En Nevdi, Buyuk islam, şairiAli Ulvi Kurucu: Dr. Muhammad iKbal, Sayfa115.

55. Zulfiqar Ali khan, A voice from the East, Iqbal academy, karachi, 1966, page iii-iv

56. = do =, page viii

57. Zulfikar Ali han, Doğudan Bir Ses, çev: Turgut Akman, Binbirdirek, istanbul,1981,Sayfa 30.

58. Zulfiqar Ali khan, A voice from the East, page 11

59. Zulfikar Ali han,Doğudan Bir Ses, Sayfa 34.

60. Zulfiqar Ali khan, A voice from the East, page 17

٦١ ۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصنیف: اتصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، اقبال اکادمی لاہور، ١٩٨٢، صفحہ: ٥٣

62. Muhammad Munawar, "Iqbal and Quranic Wisdom", Iqbal academy, Lahore, 1981, Page 8

63. Muhammad Munawwer, çeveri M.Ali Ozkan: ikbal ve kuani Hikmet, insan Yayinlar, 1995, Sayfa 7

64. = do =, Sayfa 8

65. = do =, Sayfa 19

٦٣۔کلیات اقبال۔اردو (بال جبریل)، صفحہ: ٩٧

67. Muhammad Munawar, "Iqbal and Quranic Wisdom", Page 19

68. Muhammad Munawwer, çeveri M.Ali Ozkan: ikbal ve kuani Hikmet, Sayfa 35

69. Muhammad Munawar, "Iqbal and Quranic Wisdom", Page 59

70. Muhammad Munevver, çeveri M.Ali Ozkan: ikbal ve kuani Hikmet, Sayfa 85-86. **(OR)** Muhammad Munawar, "Iqbal and Quranic Wisdom", Page 55-56

71. Muhammad Munawwer, çeveri M.Ali Ozkan: ikbal ve kuani Hikmet, Sayfa 150

72. = do =, Kurani Hikmet, insan Yayinlar, 1995, Sayfa 152

73. Muhammad Munawwer, çeveri M.Ali Ozkan: ikbal ve kuani Hikmet, Sayfa 167

74. = do =, Sayfa 171

75. = do =, Sayfa 173

76. = do =, Sayfa 182

77. = do =, Sayfa 186-187

78. = do =, Sayfa 189

79. = do =, Sayfa 200

80. = do =, Sayfa 201

۸۱۔ دائرہ معارف اقبال، جلد اول، صفحہ: ۸۷

82. En-Nedvi, ikbalin Mesaji, Çeveri: Prof. Dr Yusuf Işicik, Birlesik Yayincilik, istanbul,1999

Sayfa 12

۸۳۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، سید، نقوش اقبال، مترجم، مولوی شمس تبریز خان، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء، صفحہ: ۳۲

84. En-Nedvi, ikbalin Mesaji, çeviri: Prof. Dr. Yusuf Isicik, Sayfa 14

85. = do =, Sayfa 28

۸۶۔ علی شریعتی، ڈاکٹر، "ہم اور اقبال" مترجم: جاوید اقبال قزلباش، دفتر ثقافتی نمائندگی جمہوریہ اسلامی ایران، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، صفحہ: ۱۴-۱۵

۸۷۔ حمید یزدانی، خواجہ، "ہم اور اقبال" مشمولہ "اقبال" اکتوبر ۱۹۸۱ء، جلد ۲۸، شمارہ: ۴، بزم اقبال، لاہور، صفحہ: ۳۲

88. Biz ve ikbal, Ali Sariti, Çeviren:Ergin Kiliçtuta, Anka Yayinlari, 2006, Sayfa: 7.

89. = do =, Sayfa: 20

باب ششم

محاکمہ

محاکمہ

ترک تہذیب کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ ترکوں کا ذکر ''زرتشت'' کی تعلیمات سے لیکر سنسکرت تک کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں ترک لفظ بہادر، سپاہی یا مسلمان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی تک اسلام کی روشنی ترکوں تک پہنچ چکی تھی۔ تاریخ گواہ ہے ترک شجاع اور مہمان نواز قوم ہے۔ سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت استنبول تاریخ میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی سے جنگ عظیم اول تک کا سفر ترکوں نے بڑی بہادری سے طے کیا' آج ترکیہ جمہوریہ میں پارلیمانی نظام حکومت قائم ہے۔

ترکی زبان کا سفر بھی مسلسل جدوجہد اور ارتقاء وترقی کی داستان ہے۔ ترکی زبان کا ماخذ، اس کے حروف تہجی اور رسم الخط اور اصلاحاتِ زبان ترکی کی تاریخ زبان وادب میں ایک وسیع مباحث اور قابل تقلید روایت لیے ہوئے ہے۔ اس ساری جدوجہد میں جس ہستی کی دوراندیشی اور افکار تازہ نے ترکی زبان کو جمود سے نکال کر متحرک بنادیا وہ مصطفیٰ کمال اتاترک ہیں۔ ترکی زبان کی تنظیم ''ترک دل کھرومو'' (TDK) نے اتاترک کے انقلابی خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ٹی۔ڈی۔ کے کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس تنظیم نے ترکی زبان کی اصلاح وترویج میں بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ ترکی زبان کے دامن کو کشادگی، آسانی اور عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔ تعلیم، ادب، صحافت، سائنسی اصطلاحات، کامرس، ثقافت اور مذہبی لٹریچر کی اشاعت وتفہیم جیسے اہم ترین شعبوں میں TDK کی عظیم جدوجہد سنہری لفظوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ البتہ اس تبدیلی سے ترک معاشرے میں پرانی اور نئی نسل میں خلیج بھی پیدا ہوئی لیکن ترک دانشوروں نے اس خلیج کو بڑے احسن انداز سے پُر کردیا اور اب ترکی زبان اپنے دامن میں یورپی ترقی کے ثمرات، اپنی صدیوں کی شاندار روایات اور روشن مستقبل کا سامان لیے ہوئے منزل مقصود کی طرف محوخرام ہے۔ قدامت پسند طبقات TDK کے حوالے سے کچھ تحفظات رکھتے ہیں۔ وہ عربی اور فارسی کے قدیم الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں۔ نئے حروف تہجی اور دیگر زبانوں سے حروف لے کر نئی ترکی زبان کی ترکیب وتشکیل بے شک ایک بہت بڑا انقلابی قدم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ترک قوم پر ترقی کے دروازے بھی اسی لسانی انقلاب کے بعد کھلتے ہیں۔ ترک آئین کے مطابق یکم نومبر ۱۹۲۸ء سے موجودہ انتیس لاطینی حروف تہجی قانونی طور پر رائج کردیئے گئے ہیں۔ ترکی زبان کی سطوت وجمال کی ایک جھلک ترکی زبان میں خطابیہ اور دعائیہ کلمات کی صورت میں اس باب میں شامل ہے۔ یہ کلمات ترک قوم کی نفاست پسندی اور وضع داری کی عکاسی کرتے ہیں۔

باب اول میں بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کے اپنے ترکی بھائیوں سے مراسم وتعلقات کو متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ برصغیر میں اسلام کی آمد اور اسلامی تاریخ میں ترک قوم کا ذکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت سے مغل خاندان کی حکومت تک ترکی النسل مسلمانوں اور ملک ترکیہ سے روابط کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ غزنوی، غوری، ایبک، التمش، تغلق اور ظہیرالدین بابر نے ترک تہذیب وتمدن، فنون لطیفہ، طرز تعمیر اور زبان وادب پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ہنوز ان نقوش کو اس خطے کی تہذیب وثقافت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ برصغیر بالخصوص پاکستان جدید ترکی کے اثرات وثمرات کا منتظر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاک ترک تعلقات متحرک طور پر سامنے آئے ہیں۔ آج پاکستان اور ترکیہ کے مابین جو سیاسی قربت، فکری برابری اور تہذیبی مناسبت موجود ہے اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اس باب میں بڑی سنجیدگی اور تاریخی حوالوں کے ساتھ برصغیر اور ترکوں کے سیاسی، معاشی، مذہبی اور معاشرتی تعلقات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ طرابلس پر حملہ ہو یا جنگ بلقان، سمرنا، تھریس کے چھن جانے کا غم ہو یا اناطولیہ کا زخم ہو ترکوں اور برصغیر کے مسلمانوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔

خلافت عثمانیہ کا سقوط ہو یا مقاماتِ مقدس کی حفاظت کی فکر ہو، سولانا محمد علی جوہر کا دورۂ انگلستان ہو یا تحریک خلافت کی اہمیت، علامہ محمد اقبال کا غم تحریکِ ترک موالات، اعزازات، خطابات کی واپسی ہو یا قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی جدو جہد ہو یا مصطفیٰ کمال پاشا کی جدو جہد اوران کی وفات پر برصغیر کے مسلمانوں کا سوگ منانا یہ سب حالات وواقعات ترکیہ سے برصغیر کے مسلمانوں کی محبت کا عملی ثبوت ہیں۔تحریکِ خلافت سے تین بڑی حکومتیں متاثر ہوئیں۔اس تحریک کے اثرات ہندوستان، ترکیہ اور انگلستان تک مرتب ہوئے۔اور یہ تحریک خالصتاً سلطنت عثمانیہ اور خلافت کی حفاظت کے لیے تھی اور برصغیر کے عظیم مسلم رہنما اس تحریک کے روح رواں تھے۔

پاکستان اور ترکیہ کی خارجہ پالیسیوں میں جو ہم آہنگی اور اتفاق پایا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عالمی مسائل، کشمیر کا تنازعہ، قبرص کا معاملہ، بڑی قوتوں کی جارحیت کا سامنا ہو، دونوں ممالک کا مؤقف ایک ہوتا ہے۔تجارتی، ثقافتی اور عسکری معاہدوں کا ذکر اور ترقیاتی کاموں میں ترکی کا تعاون ایک عظیم مثال ہے۔خیر سگالی کے وفود کا تبادلہ اور دانشوروں کو خیالات تازہ کے لیے مدعو کرنے سے دونوں ملک کے برادرانہ تعلقات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

ترکی ادب کی تاریخ کئی سو سال پرانی ہونے کے باعث بہت سی شاندار روایات کی حامل ہے۔ترکی ادب کا پس منظر بھی مذہبی تہواروں پر پھیلا ہوا ہے۔یہ مذہب کی اشاعت اور تبلیغ میں پڑھے جانے والے گیت اور نظمیں ہیں۔ازاں بعد اس میں رزمیہ شاعری کا دور آتا ہے۔ترکی کا اصل ادب اسلامی عہد میں تخلیق ہوا۔عثمانی دور کے حکمران ادب نواز تھے' مراد دوم سے لے کر سلیمان اعظم تک تمام حکمران ادیبوں کی خدمت کرتے تھے۔عربی اور فارسی کے بعد ترکی زبان بھی اسلامی دنیا کی اہم زبان ہے۔گیارہویں صدی میں ترکی کے عظیم ادیب محمود کاشغری نظر آتے ہیں۔ترکی زبان کا لغت'' دیوان لغاتِ'' ترک محمود کاشغری کا عظیم کارنامہ ہے۔قبول اسلام کے بعد ترک ایرانی اور عربی تہذیب وادب کے زیراثر آگئے۔یہاں پر یوسف حسن حاجب کا کلام بالخصوص ان کی نظم'' کتادوغوبلگی'' مسلم ترکی ادب کا اولین نمونہ ہے۔مزید یہ کہ صوفی شاعر یونس امرہ کا کلام قدیم ترکیہ کی روایات کا نمونہ ہے۔پندرہویں صدی میں ایرانی ادب کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔اس عہد میں ترکی میں مثنوی، قصیدہ اور غزل کی اصناف میں بہت کام ہوا۔یہاں سلیمان چلپی کی'' میلاد شریف'' قابل ذکر ہے۔ان کے علاوہ قاراجااوغلان، نائلی اور نیشاطی کے نام اہم ہیں۔ترکی کا نثری سرمایہ بھی ایک نایاب خزانہ ہے۔نثر نگاروں میں اولیا چلپی نے سفرنامے، سوانح عمری اور تاریخ کے موضوع پر بہت سا نثری کام کیا۔

ترکی ادب کا تنقیدی جائزہ لیں تو ہم اس ادب کے تین ادوار دیکھتے ہیں۔ پہلا دور'' دیوان ادب'' ہے۔ یہ ترکی ادب کا طویل ترین دور ہے۔اس دور کے مشہور ادیب شیخ زادہ، نسیمی اور احمدی ہیں۔ علاوہ ازیں یازیجی اوغلو نے رسول اللہ ﷺ کی منظوم حیات طیبہ'' محمدیہ'' کے عنوان سے لکھی۔احمد پاشا برصہ لی نے کلاسیکی ترکی عروض کو بہتر بنایا۔نجاتی کلاسیکی عثمانی شاعری کے بانیوں میں سے ایک ہے اور ترکی کا پہلا غزل گو شاعر بھی ہے۔سولہویں صدی کے شاعروں میں ذاتی، خیالی، باقی اور فضولی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔جبکہ نثر نگاروں میں کمال پاشازادہ اور مصطفیٰ علی چلپی ہیں۔سترہویں صدی کے شاعروں میں سب سے نمایاں نفعی اور نابی ہیں۔اولیاء چلپی کا چھ ہزار صفحات پر مشتمل'' سیاست نامہ'' ترکی ادب کا شاہکار ہے۔شیخ غالب (۱۷۵۷ء تا ۱۷۹۹ء) دیوان ادب کے آخری بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔باقی، نفعی، ندیم، غالب کا شمار پانچ بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔اس صدی میں مثنوی رو بہ زوال تھی۔لیکن شیخ غالب کی عظمت کی بنیاد ان کی مثنوی'' حسن وعشق'' ہے۔ان کی تخلیقی صلاحیت رنگین تشبیہات، اچھوتے استعارے اور طرز ادا نے ترکی شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔

سلطنت عثمانیہ کا آخری دور زوال کا دور تھا اور اس دور کا شاعر فکری آزادی سے محروم رہا اور حقیقی ادب تخلیق نہ ہو سکا۔ دوسرے دور میں تنظیمی اصلاحات کی گئیں۔ اس دور میں ہر چیز تغیر پذیر تھی۔ ایک ذہنی انقلاب برپا ہو رہا تھا جو فرانسیسی افکار اور فرانسیسی ادب سے متاثر تھا۔ ادب کے ذریعے فرانس کے سیاسی نظریات و خیالات پھیلے۔ ترکی ادیبوں نے ان اثرات کو قبول کیا اور جدید ترکی ادب تخلیق ہوا۔ اس دور کے بڑے بڑے شعراء اور ادباء میں ابراہیم شناسیؔ، نامق کمال، عبدالحق حامدؔ اور توفیق فکرت خاص مقام رکھتے ہیں۔ ابراہیم شناسی نے ''ترجمان احوال'' جاری کیا جس نے جدید ترکی ادب کی آبیاری کی۔ توفیق فکرت ہفتہ وار اخبار ''ثروتِ فنون'' کے مدیر رہے۔ سلطان عبدالحمید خاں کے دورِ حکومت کے مظالم کے بارے میں لکھا۔ ۱۸۷۶ تا ۱۹۰۹ کا دور ترکی ادب پر سیاہ رات کی مانند تھا۔ اس دور میں ابراہیم شناسی اور نامق کمال جیسے عظیم شعراء کی کتب پر پابندی لگا دی گئی۔ اور جیسا کہ مولانا الطاف حسین حالیؔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں فرماتے ہیں کہ ''بدترین دور میں بہترین ادب تخلیق ہوتا ہے''۔ لہٰذا اس ظلم کے دور میں ادبی رسالوں کے ذریعے سے ادب میں بے شمار تحریکیں پیدا ہوئیں۔ ان تحریکوں نے جابر حکمرانوں اور مذہبی انتہاء پسندی کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ اس دور کے ادب پر واضح طور پر مغربی ادب کی چھاپ ہے۔ اس دور کے بڑے شاعر اورحان ولیؔ کانک ہیں۔ آزاد نظم کو پھیلانے میں ناظم حکمت راں کا کردار بہت نمایاں ہے۔ بیسویں صدی کے بڑے شاعر احمد ہاشم، محمد عاکف ارصوئی اور یحییٰ کمال بیاتلی ہیں۔ محمد عاکف ارصوئی اور علامہ محمد اقبال کے افکار و نظریات میں بہت قربت پائی جاتی ہے۔ اس لیے محمد عاکف ارصوئی کو ترکی کا اقبال کہتے ہیں۔ ترکی کا قومی ترانہ محمد عاکف نے تخلیق کیا۔ دراصل عاکف بھی اقبال کی طرح مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن اور نمود و نمائش سے بیزار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر عام ترک شعراء و ادباء میں منفرد مقام کے حامل اور اسلام کے علمبردار ہیں۔ ان کی نظم ''مشرق'' ان کے نظریات کی ترجمان ہے۔ علاوہ ازیں احمد مدحت نے سو (۱۰۰) سے زائد معاشرتی ناول لکھے اور ذہنی جمود ختم کر دیا۔ حسن رحمی گورپنار آزاد اسلوب کے ادیب ہیں انھوں نے تینتیس (۳۳) سے زائد ناول لکھے ہیں۔ یہ وہ ادیب ہیں جنھوں نے ترکی کے لوگوں کو جدید نظریات سے روشناس کرانے، ظلم کے خلاف آواز اٹھانے، مذہبی طبقہ کے استحصالی ہتھکنڈوں سے نجات حاصل کرنے کا عزم و حوصلہ دیا۔

دراصل ترکی ادب نے اپنا سفر مختلف مراحل اور تاریخی نشیب و فراز میں طے کیا۔ آج کا ترک ادیب جس روشن خیالی، آزادی و حریت کے ساتھ ادب تخلیق کر رہا ہے۔ اس میں ترک دانشوروں اور قدیم ادباء کی قربانیوں، کاوشوں اور جہد مسلسل کا بہت عمل دخل ہے۔ آج ترکی میں عالمی معیار کا ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترک ادیب اورحان پامک ادب کا نوبل پرائز بھی حاصل کر چکے ہیں۔

پاک ترک تعلقات کے حوالے سے برصغیر کی تاریخ میں تحریک خلافت کی بڑی اہمیت ہے۔ اس تحریک نے مسلم اخوت کے رنگ کو بڑا نمایاں کیا۔ جنگ عظیم اوّل کے خاتمے پر یورپ اور اس کے اتحادی ممالک اپنے حریفوں جرمنی، ترکی اور آسٹریا کو برباد کرنے پر تل گئے۔ ترکی مسلمانوں کی خلافت کا مرکز تھا۔ مختلف وفود کے کامیاب دورے، ہندو مسلم اتحاد، برصغیر کی سیاست میں اتار چڑھاؤ، ترکوں کی مالی و اخلاقی امداد اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے تحریک خلافت سیاسی بیداری کے لیے روشنی کی پہلی کرن ثابت ہوئی۔ تحریک خلافت کا ایک اجمالی جائزہ لینے کے بعد اقبال کا نقطۂ نظر بھی بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبال دنیائے اسلام میں خاص طور پر عالمی سطح پر ایک بڑا دماغ تھے۔ ان کی سوچ کا دائرہ بھی محدود نہ رہا اور اقبال مسلم امت کے لیے بھی کوئی عارضی یا کمزور حل پسند نہ فرماتے تھے۔ اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اقبال کے نزدیک ترکی کی خلافت کی اساس اس انداز پر تھی ہی نہیں جو خلفائے راشدین نے رکھی تھی بلکہ ترکی میں عثمانیہ سلطنت تھی جو اسلام کا تصور حکمرانی ہرگز نہیں تھا۔ اقبال ترک مسلمانوں کی مدد تو چاہتے تھے لیکن ملوکیت کے

انداز پر قائم ہونے والی ''خلافت'' کو پسند نہیں فرماتے تھے۔اقبال چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت اسی انداز پر قائم ہونی چاہیے جس انداز پر خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ نے قائم کی۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک ملک و اقتدار اہم نہیں ہیں بلکہ احکام الٰہی اولی ہیں۔ اقبال کا نظریہ ریاست، تحریک خلافت سے فاصلہ، ترکی میں جمہوریت کا راج، اتاترک کے نظریات و جدوجہد سے اتفاق اور مغرب کی پیروی کرنے پر اختلاف، اقبال کے وسیع النظر ہونے کے بین ثبوت ہیں۔

باب میں اقبال اور ترک مسلمانوں کے درمیان جو محبت، احترام اور نظریاتی اتفاق پایا جاتا ہے اس پر بھی اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بات مبنی برحق ہے کہ اقبال کی فکر اور شاعری حریت، بلند پروازی اور محبت سے عبارت ہے اور ترک قوم میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے اقبال اپنے نظریات کے عملی نفاذ اور عالم اسلام کی عالمی قیادت کے لیے ترک مسلم قوم سے بڑی توقعات رکھتے تھے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں عظیم ترک حکمرانوں اور دانشوروں کو دل کھول کر داد تحسین دی ہے۔ علامہ اقبال نے عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؒ سے بڑی عقیدت و احترام کا اظہار کیا ہے۔ اقبال مولانا روم کو اپنا روحانی مرشد مانتے ہیں۔ انھوں نے مولانا کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ وہ ایک مقام پر اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

ایک اور جگہ مولانا رومیؒ کا مقام یوں بیان کرتے ہیں:

ہم خوگر محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اک بحر پرآشوب و پراسرار ہے رومیؔ

چنانچہ علامہ محمد اقبال کو فلسفہ خودی درپیش ہو یا معرکہ خیر و شر، نظریہ ارتقاء یا فلسفۂ جبر و قدر ہر مقام پر وہ مولانا رومیؒ سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ کے بعد اقبال کی نگاہ میں کوئی اور جچا ہی نہیں۔

نہ اٹھا کوئی رومی پھر عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِل ایران وہی تبریز ہے ساقی

سرزمین ترکیہ سے محمد عاکف ارصوئی ایک ایسی ہستی ہیں جن کا زاویہ فکر و نظر علامہ محمد اقبال سے مماثلت رکھتا ہے۔ محمد عاکف شاعر تھے اور ترکیہ کے قومی ترانے ''استقلال مارشی'' کے خالق تھے۔ ایک عظیم دانشور اور رکن پارلیمان بھی تھے۔ محمد عاکف ارصوئی اسلام سے بہت محبت رکھتے تھے اور مسلمانوں کے زوال پر دل گرفتہ رہتے تھے۔ عاکف اقبال کی مانند عظیم محب اسلام اور اتحاد اسلامی کے علمبردار تھے اور مغربی تہذیب کے خلاف تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے پرخلوص محبت اور لگاؤ عاکف کے لیے قیمتی متاع حیات تھی۔ اقبال بھی حب رسول اللہ ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مسلم امت کے مسائل اور ان کا حل دین اسلام کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔ یہ فکر عاکف اور اقبال دونوں کے ہاں یکساں پائی جاتی ہے۔ محمد عاکف ارصوئی نے پہلے پہل انقرہ میں ''سبیل الرشاد'' کے دفتر میں ایک کتابچہ میں علامہ اقبال کا کلام پڑھا۔ اس کے بعد مصر میں قیام کے دوران میں اقبال کو تفصیل سے پڑھا اور اسے پسند کیا۔ انھوں نے اپنے کئی مکتوبات میں اقبال کی شاعری کی تعریف کی ہے۔

اس باب میں ترک سرزمین میں ایک اور مفکر اور دانشور سعید حلیم پاشا اور اقبال کا تعلق انحصار سے بیان کیا گیا ہے۔ سعید حلیم پاشا ایک مذہبی سکالر، ادیب اور کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ ترکی سیاست میں ان کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ وہ ترکی کے وزیراعظم بھی رہے۔

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی عظیم ہستی کا ذکر کلام اور نثر میں بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ سعید حلیم پاشا کے قومیت، تہذیب اور معاشرت کے بارے میں خیالات سے اقبال بہت متاثر تھے۔ ''جاوید نامہ'' میں علامہ محمد اقبال مولانا رومی سے کہتے ہیں:

پاک مرداں چوں فضیل و بو سعید

عارفاں مثلِ جنید و بایزید

علامہ محمد اقبال کو جدید ترکیہ کے بانی مصطفیٰ کمال اتاترک سے ایک خاص عقیدت اور لگاؤ رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے کچھ عارضی اور وقتی شکوے تھے۔ قوموں کی زندگی میں یہ گلے شکوے فروعی حیثیت رکھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب منزل ایک ہو تو اختلافات کی موجودگی میں بھی محبت ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ اقبال اور اتاترک دونوں عظیم رہنما مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلانا چاہتے ہیں۔ مقالے میں مصطفیٰ کمال اتاترک کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

جمہوریہ ترکیہ کی ایک اور عظیم شخصیت اقبال کو سحر زدہ کئے ہوئے ہے۔ وہ عظیم ہستی ضیاء گوک آلپ ہیں۔ آپ جدید ترکیہ کے بے مثال دانشور، شاعر اور انشاء پرداز ہیں، علامہ اقبال نے اپنے لیکچرز ''ری کنسٹرکشن'' میں ضیاء گوک آلپ کا متعدد بار ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضیاء گوک آلپ کے کلام نے ترک قوم کے غور وفکر کی تربیت، تشکیل اور نظریات کو تازہ کرنے میں بہت کام کیا ہے۔ اقبال کو اپنے کلام اور نصب العین کی جھلک ضیاء کے کلام اور نظریات میں دکھائی دیتی ہے۔ ضیاء گوک آلپ اسلام میں اجتہاد کے بڑے حامی ہیں اقبال بھی عصری تقاضوں اور اسلام کی آفاقی قدروں کو جمود سے نکال کر دنیا اور دین دونوں کی کامیاب زندگی چاہتے ہیں۔ اقبال نے اپنے خطبات میں ضیاء کے اشعار کے حوالے دیئے ہیں اور یہ ایک شاعر اور دانشور کا دوسرے عظیم شاعر اور مفکر کو بہترین نذرانہ عقیدت ہے۔

مقالہ کے دوسرے باب میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ترک جمہوریہ میں تراجم بالخصوص کلام اقبال فارسی وار دو کی روایت کیا رہی ہے۔ اجمالی طور پر دیگر بانوں کے تراجم کی روایت واہمیت کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ جدید دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ اقوام عالم کے باہم ربط وضبط بہت مضبوط ہو چکے ہیں۔ فکر وخیالات کے تبادلے آن کی آن میں ہو جاتے ہیں۔ اس سارے دائرۂ عمل میں ''ترجمہ'' ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ترجمہ ہی وہ وسیلہ تھا جس کے ذریعہ اقبال کو ترکی میں پڑھا اور سمجھا گیا۔ ترکیہ میں باقاعدہ تراجم کی روایت کا آغاز ۱۴۷۹ء میں محمد فاتح دوم کے عہد میں ترجمان کی صورت میں ہوئی جو دیگر حکمرانوں کے پیغامات وغیرہ عثمانی ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ یہ ترجمان ملکی اور غیر ملکی انتظامی امور کے دفاتر اور سفارت خانوں میں فرائض انجام دیتے تھے۔

ادبی اور مذہبی حوالے سے تراجم غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ دین اسلام کے مصادر قرآن واحادیث اور علاوہ ازیں فقہ کا سارا علم عربی زبان میں ہے۔ ترکی زبان میں اس علمی سرمائے کی منتقلی ترجمے کے ذریعہ ہی ممکن ہوئی۔ لہٰذا اس باب میں ترجمہ کی ادبی، ثقافتی اور مذہبی سطح پر اہمیت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ چودھویں صدی میں قرآن کریم کا ترکی زبان میں پہلا لفظی ترجمہ ہوا۔ اس کے بعد عظیم مترجمین گل سحری، احمد داعی اور ابوالعباس ثمر قندی کی خدمات وتصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل ان اولین مترجمین کا اعزاز یہ ہے کہ ان حضرات نے ترجمہ کی روایت کو مضبوط انداز میں قائم رکھا۔ ترک حکمرانوں میں علم دوست حکمران سلطان محمد دوم، وزیر اعظم ابراہیم پاشا اور اتاترک کے انقلابی اقدامات نے ترجمہ کو غیر معمولی اہمیت دلوائی۔ اس طرح ترکی میں غیر ملکی ادب اور نظریات کے تازہ جھونکوں نے ترکی کی تہذیب وثقافت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ فارسی، عربی اور اردو زبان وادب کے مشاہیر کو ترکی میں شناسائی حاصل ہوئی۔ یہاں پر جدید ترکی کی نامور ادیبہ خالدہ ادیب خانم کا حوالہ بڑا اموزوں ہے۔ خالدہ ادیب خانم نے انگریزی ادب کے عظیم شاہکاروں کو ترکی زبان کے قالب میں ڈھال دیا۔

ترکی کی لسانی انجمن ''ترک دل کھر ومو'' اور ''ترک تاریخ کھر ومو'' کی خدمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پروفیسر ڈاکٹر عادل جیلیبی اوغلو کا کام نمایاں ہے۔ علاوہ ازیں نجی اشاعتی ادارے بھی غیر ملکی ادبی کتب کے تراجم شائع کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی کئی کتب کے ترکی تراجم پیپر بیک میں شائع کئے گئے ہیں۔ ترکیہ میں علامہ محمد اقبال کی ذات اور کلام کی تفہیم تراجم ہی سے ممکن ہوئی۔ لہٰذا تراجم کلام اقبال کی روایت کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ بھی اس باب میں شامل ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ترک اہل قلم نے اردو کی بہ نسبت اقبال کے فارسی کلام کو زیادہ ترکی زبان میں منتقل کیا۔ ترکیہ میں اقبال کو ترک مفکر و شاعر محمد عاکف ارصوئی نے متعارف کرایا۔ اس کا ذکر ان کے ایک مکتوب بنام حافظ عاصم بتاریخ ۸ مارچ ۱۹۶۵ء میں ملتا ہے۔ عاکف نے اقبال کا ایک شعر اپنی کلیات کی زینت بنایا ہے۔ عاکف کے ہاں اقبال پسندی انتہاء کی حد تک ہے۔ عاکف اپنی فکر اور شاعری کو اقبال کی فکر اور شاعری کا پرتو سمجھتے تھے۔ عاکف کی اقبال سے محبت علامہ اقبال کو سرزمین عرب تک لے جاتی ہے۔ محمد عاکف نے قیام مصر کے دوران میں مصر کے عظیم شاعر و مفکر عبدالوہاب عزام کے سامنے اقبال کی عظیم شخصیت کو نہایت عقیدت و احترام سے پیش کیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر علی نہاد تارلان سے اقبال کی کتب کا تعارف ڈاکٹر علی نہاد کے استاد اور محمت عاکف کے دوست فرید کام کے ذریعے ہوا۔ لہٰذا ترکی میں مطالعہ اور تراجم اقبال کے سلسلے میں دوسرا نام ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں اُن کے شاگرد علی گنجلی نے اقبال کے کلام کے انتخاب شدہ حصوں کا ترکی میں منظوم ترجمہ کیا۔ ان میں اقبال مثنوی ''مسافر'' کا منظوم ترجمہ ''یولجولک حاطرہ سی'' ۱۹۷۰ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ اسی طرح ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ''، ''طلوع اسلام'' اور نظم ''خضر راہ بھی ترکی زبان میں ڈھال دی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں ''جاوید نامہ'' کے کئی ایک تراجم ہو چکے ہیں۔

اقبال کے ترک مترجمین کی ایک طویل فہرست اس باب میں مختصر تعارف کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں صرف اجمالاً عرض ہے کہ صوفی حوری، ڈاکٹر آنا میری شمل، پروفیسر حسین حاتمی، ترک سکالر احمد شاہین، بصری گوجل، یوسف صالح قراۃ جا، ڈاکٹر علی یوکسل، پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر قراۃ خان، صلاح الدین ساوچی، ڈاکٹر نثار احمد اسرار، محمد خان کیانی۔ ترک پروفیسر ڈاکٹر شوکت بولو، ڈاکٹر خلیل طوق ار، ڈاکٹر جلال سوئیدان، احمد البائراق، ڈاکٹر عیسیٰ چیلیق اور ڈاکٹر جودت قلیچ جیسے ترک ادیبوں اور مفکرین نے کلامِ اقبال، حیاتِ اقبال اور فکر اقبال کے اردو اور فارسی سے ترکی میں تراجم کر کے نہایت مضبوط خطوط پر ترکی میں اقبال شناسی کی روایت کو پوری آب و تاب کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ علاوہ ازیں اقبال کی نثری کتب سوائے ''علم الاقتصاد'' کے ترکی زبان میں منتقل ہو چکی ہیں۔ نیز ترک رسائل اور اخبارات اور ناشرین نے اقبال کو اپنے ہاں ایک خاص اونچا مقام دے رکھا ہے۔ ان سب کا تذکرہ مختصراً اس باب میں موجود ہے۔

ترکی میں اقبال کے فن اور شخصیت پر قابل قدر کام ہوا ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے اقبال کے فکر و فن کے حوالے سے ایک طویل تقریر کی ہے اس کا متن ''اقبال لاہوری'' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ پاکستانی سفارت خانے اقبال اور مولانا رومی کے حوالے سے ۱۹۵۲ء میں اقبال پر پہلی کتاب بعنوان ''رومی وے اقبال'' شائع کی۔ یہاں رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' کی خدمات اور افادیت بھی بیان کردی ہیں۔ یہ رسالہ ترک اقبال شناسوں کے لیے ایک فورم ثابت ہوا۔ جہاں ان اقبال شناسوں کو افکار تازہ بھی ملے اور فکرِ اقبال کی روشنی کو رومی کی سرزمین میں پھیلانے کا شرف حاصل ہوا۔ اقبال کے ترک شیدائیوں میں پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان، ڈاکٹر عابیدن اطل، ظفر حسن ایبک اور عبداللہ انور بہت نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ ترگت اکمان، رمضان توتیج، قول سعدی، صلاح الدین باشار، ارگن قلیچ طوتن اور سنائی اوزکان نے اقبال شناسی کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اردو ماہرین اقبالیات کی کتب کے ترکی تراجم بھی قابل ذکر ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر مرزا محمد منور کی کتاب ''اقبال اور قرآنی حکمت'' کو محمت علی اوزکان نے ترکی میں ''اقبال وے قرانی حکمت'' کے عنوان

سے منتقل کیا ہے۔ ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''روائع اقبال'' کا عربی سے ترکی زبان میں ''بیوق اسلام شاعری ڈاکٹر محمد اقبال'' کے عنوان سے علی علوی قورو جو نے کیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف انچیق نے بھی اس کتاب کو 'این ندوی۔ اقبال ساجی'' کے عنوان سے ترکی زبان میں منتقل کیا ہے ۔ترکی میں اقبال کے حوالے سے منعقدہ ہونے والی کانفرنسز کا تذکرہ بھی شامل باب ہے۔ ۱۹۹۵ء کی بین الاقوامی اقبال کانفرنس نہایت قابل ذکر ہے۔ اس کانفرنس میں ترک اقبال شناسوں نے دل کھول کر اقبال کی عظمت کو سلام پیش کیا۔ اس کانفرنس میں جو مقالات پڑھے گئے ان کو ''انوس لراراسی محمد اقبال سیمپوزیم وبلدری لری محمد اقبال کتابی'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دیئے گئے۔ ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن '' کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ اس انجمن نے ''پاکستان پوستاسی'' کے نام سے ایک نہایت وقیع ادبی رسالہ جاری کیا۔ جس نے قائداعظم اور علامہ اقبال کی بصیرت کو ترکوں تک پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انقرہ، استنبول اور قونیہ کی جامعات کے شعبہ اردو، فارسی اور الٰہیات کی خدمات قابل ذکر ہیں نیز آئمہ وخطبائے ساجد کی عقیدت کو اقبال پر بھی روشنی ڈال دی گئی ہے۔

''پاکستان پوستاسی'' کو پاک ترک تعلقات اور اقبال شناسی کی روایت میں وہی مقام حاصل ہے جو ہندوستان میں سرسید احمد خاں کے معروف رسالے ''تہذیب الاخلاق'' کو مسلمانوں کی بیداری اور تعلیمی ترقی میں حاصل تھا۔ مقالے میں اس رسالے کا خصوصی ذکر شامل ہے۔ اس رسالے کی ابتداء کا ذکر کرتے ہوئے ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن، انقراہ'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ انجمن ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی اور رسالہ ''پاکستان پوستاسی'' جاری کیا۔

یہ رسالہ پاکستانی سفارت خانے کے تعاون سے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۹ء تک بلاتعطل چھپتا رہا اور آج بھی وقتاً فوقتاً چھپتا رہتا ہے۔ بانیان پاکستان کی عظیم بصیرت اور فکر وخیالات کو اپنے ترک بھائیوں تک پہنچانے میں اس رسالے نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور دو اسلامی قوتوں کو یک جان دو قالب بنا دیا۔ ''پاکستان پوستاسی'' کا پہلا شمارہ یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو قائداعظم کی تصویر کے سرورق کے ساتھ شائع ہوا۔ جبکہ ۱۵ اپریل ۱۹۵۳ء کو دوسرا شمارہ جس پر علامہ اقبال کی تصویر ہے شائع ہوا۔ اس تصویر کے نیچے ''پاکستان کے قومی شاعر اور فلسفی'' لکھا ہوا ہے۔ باب دوم میں اس رسالے میں علامہ اقبال پر لکھے گئے پندرہ طویل مضامین کی فہرست دی گئی ہے۔ مضمون کا عنوان، مضمون نویس کا نام اور ''پاکستان پوستاسی'' کی تاریخ اشاعت درج ہے۔ یہ مضامین اپریل ۱۹۵۵ء میں اپریل ۱۹۷۸ء کے عرصہ میں لکھے گئے ہیں۔ اس میں کلام اقبال، پیغامِ اقبال، اقبال کا فکر وفن، اقبال کا مولانا رومی سے روحانی ارتباط اور اقبال کا فلسفۂ خودی جیسے عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پاکستان پوستاسی کا نومبر، ۱۹۷۷ء کا شمارہ ''اقبال نمبر کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں اقبال پر پانچ طویل مضامین اور چند نظموں کے تراجم بھی چھپے ہیں۔ مقالے میں ان پانچ مضامین کے مضمون نویسوں کے نام اور مضمون کا مرکزی خیال مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔

باب دوم میں ''اقبالیات ترکچے'' ۱۹۹۳ء پر بھی نسبتاً تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سہ ماہی پرچے کے اردو، انگریزی، فارسی اور عربی ایڈیشنوں کی اشاعت ہی دراصل 'اقبالیات ترکچے'' کے اجراء کا باعث بنی۔ اس پرچے کی اشاعت کے مراحل، اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرنے والے اصحاب اور اس پرچے کی علمی، فکری اور ذہنی ہم آہنگی کی افادیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ جس کو اس باب میں خاص اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس پرچے کی اشاعت کے حوالے سے پاکستان کے ماہرین اقبالیات اور ترک قدر دان اقبال کی کاوشیں یکساں خلوص اور محبت کے جذبات کی آئینہ دار ہیں۔ اقبال اکادمی نے ترک بھائیوں کی دیرینہ خواہش کا احترام کیا اور ''اقبالیات ترکچے ۱۹۹۳ء'' شائع کیا۔ اس قلبی اور روحانی مراسم کے آئینہ دار پرچے کی اشاعت میں ڈاکٹر ذوالفقار، کرنل (ر) مسعود اختر شیخ اور جناب سہیل عمر کا بڑا اہم کردار ہے۔

''اقبالیات ترکیہ'' ۱۹۹۳ء میں اقبال کا پیغام، مغربی تہذیب سے خبردار کرنے کا عندیہ اور نئی نسل کے لیے رہنمائی کا زبردست سرمایہ موجود ہے۔ اس پرچے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے انگریزی مضمون کا ترکی ترجمہ زینب یزجی ''اقبالن گینچلیے یاشین مساج''، ڈاکٹر نثار احمد اسرار کا مضمون ''اتاترک وے محمد علی جناح''، پروفیسر محمد منور کا مضمون ''اقبالن ادبیات وے سیاست قانتک'' ترک استاد شوکت بولوکا ''اقبال وے ترک لر''، ڈاکٹر ارکان ترکمان کے اقبال کی نظموں کے تراجم، ڈاکٹر محمت اوندر کا مضمون ''محمت عاکف وے محمد اقبال'' اور افتخار حسین کا مضمون ''اقبال وے عقل اور اس ادبی پرچے کا آخری مضمون ڈاکٹر غلام علی چودھری کا ''اقبال جناح وے فلسطین'' ہے۔ نیز اس باب میں اس ''اقبالیات ترکیہ'' کی طباعت و کتابت پر تنقیدی روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم میں میاں بشیر اور ظفر حسن ایبک کی کاوشوں سے ۵۱ میں قائم ہونے والی ''ترکیہ۔ پاکستان ثقافتی انجمن۔ استنبول'' کے حوالے سے جائزہ پیش کیا گیا۔ اس انجمن کے زیر اثر موثر ادبی رسائل مثلاً ''پاکستان پوستاسی'' اور پاک۔ ترک تعلقات کو مستحکم کرنے والی کانفرنسوں اور سیمناروں کے انعقاد اور ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں اس کی شاخوں کی خدمات اور ثمرات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان شاخوں میں ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن انقرہ'' اور ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔ قونیہ'' کی خدمات، پاک ترک مراسم کو مزید مستحکم بنانے والی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔ انقرہ'' اور ''ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن۔ قونیہ'' ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۸ء تک یوم اقبال، اقبال کانفرنس اور اقبال کے حوالے سے دیگر پروگرام کا انعقاد کرتی رہی ہیں۔ ان پروگرامز کا مختصر احوال بھی اسی باب میں شامل ہے۔

اس باب کے آخر میں ترک اقبال شناس اور غیر ترک اقبال شناسوں کا بیان ہے۔ دراصل یہ ایک طویل اور وضاحت طلب پہلو ہے البتہ یہاں پر مختصر تعارف پر ہی اکتفا کرنا پڑا ہے۔ پہلے ترک اقبال شناسوں کا ذکر کرتے ہوئے ان صاحبان کی اقبال سے عقیدت، اقبال پر ان کی تحقیقی خدمات، تصانیف، مضامین اور تراجم کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ان کا احوال اجمالاً بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلے احسان علی آچق کا ذکر ہے۔ ان کی زندگی کا مختصر حال، کتب اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی مشہور تصنیف ''محمد اقبال'' اِلتے یاین لری، استنبول سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی جس کے ۱۱۲ صفحات ہیں۔ پھر احمد البائرق، کا نام آتا ہے آپ کے اقبال پر مضامین اور چار (۴) کتب ہیں۔ ان کے بعد احمد متین شاہین ہیں۔ اقبال پر ان کی ایک کتاب ہے۔ ''محمد اقبال کلیات'' ترجمہ احمد متین شاہین ارمان یاین ابو، استنبول ۲۰۰۰ء۔ اسماعیل حبیب سیووک نے ''اقبال وے ترکیہ'' اور ''اقبال وے ترک لر'' کے عنوان سے اخبار ''جمہوریت'' میں مضامین لکھے۔ الیس۔ محمت آئدن نے اقبال پر بڑے فکر انگیز تفصیلی مضامین اور مقالات لکھے۔ بشیر آیے وازاوغلو کا نام آتا ہے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک صحافی ہیں۔ ترکیہ کے مختلف اخبارات میں اقبال پر مضامین لکھتے رہے۔ بصری گوجل ترک شاعر ہیں۔ کلام اقبال کے ترکی زبان میں منظوم تراجم ان کی اقبال شناسی کی پہچان ہے۔ ''پاکستان ملی شاعری اقبالن حکمت لی شعرلری'' اور ''طرلا لے سی'' مشہور تراجم ہیں۔ جلال سوئیدان انقرہ یونیورسٹی میں اردو کے استاد اور کلام اقبال کے مترجم بھی ہیں۔ اقبال پر آپ کی کتاب ''محمد اقبال عشق وے طت کو''، اقبال کی اردو میں لکھی دس طویل نظموں کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ جودات قلیچ ترک ماہر تعلیم اور اقبال شناس نے اقبال کی حیات، شخصیت اور نظریات کے حوالے سے ''عظیم مفکر محمد اقبال ۔۔۔ حیات، شخصیت اور تصورات پر کتاب لکھی جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ حسین حاتمی ترک عالم، مصنف اور قانون کے پروفیسر ہیں۔ انھوں نے ''جاویدِ خطاب'' کے عنوان سے ''جاوید نامہ'' کے چند حصوں کا ترکی میں منظوم ترجمہ کیا جو کہ ۱۹۶۵ء میں استنبول سے شائع ہوا۔ خلیل طوق اُر استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو زبان و ادب کے ترک سربراہ ہیں۔ آپ مترجم اقبال ہیں۔ اقبال کی منتخب نظموں، اقبال کے مکتوبات

اور اقبال کی ڈائری کے اوراق ''سٹرے ریفلیکشن'' کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے ''جاوید نامہ'' کا منظوم ترکی ترجمہ بھی کیا۔ رمضان تونچ شاعر اور مترجم اقبال ہیں۔ آپ کی اقبال پر کتاب ''محمد اقبال (سوانح)۔ ظفر مطبع سی، استنبول ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ سائل اوزکان مترجم اقبال اور مصنف ہیں۔ انھوں نے آنا میری شمل جرمن ماہر اقبال کی دو کتب کا جرمن زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ دونوں کتب مولانا رومی اور اقبال پر ہیں۔ صلاح الدین یاشار، اقبال کے سوانح نگار اور ماہر اقبال ہیں۔ انھوں نے اقبال کی سوانح، فن اور جدوجہد پر مبنی کتاب ''محمد اقبال حیاتی، صنعت، مجادلے سی'' کے عنوان سے لکھی۔ صوفی حوری نے اقبال پر کئی مضامین اور ان کے لیکچرز کا ترکی زبان میں پہلی بار مکمل ترجمہ ''اسلام وادینی تفکرن ینی دین تشیکولو'' (تشکیل الٰہیاتِ اسلامیہ) کے عنوان سے کیا۔ اقبال پر ان کے مضامین بھی بہت اہم ہیں۔ علاوہ ازیں ترک سکالر اور مترجم علی علوی قوروجو، عبدالقادر قراۂ خان، علی گنجلیلی، جلی نہاد تارلان، ڈاکٹر عیسیٰ چیلیق، قول سعدی یوکسل، محمت اوندر، محمد علی اوزکان، ولی اور خان، محمد فتح اللہ گولین، یوسف قاپلان کے تراجم اقبال کا ذکر کیا گیا ہے۔ یاشار نوری ترک عظیم مفکر اور اسلام کے سکالر ہیں ان کا ترکی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اقبال پر انھوں نے کئی مختصر مضامین لکھے ہیں۔ لیکن اقبال پر ان کا مضمون ''اقبال۔ عصر حاضر کا مریدِ حلاج'' ۷۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

غیر ترک اقبال شناسوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ باب دوم میں بین الاقوامی سطح کے اقبال شناسوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلا نام ڈاکٹر آنا میری شمل کا ہے یہ مستشرق جرمن خاتون ہیں۔ اقبال پر ان کا کام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۵۳ء سے انقرہ یونیورسٹی سے پانچ سال تک وابستہ رہیں۔ اس دوران میں انھوں نے ''جاوید نامہ'' کا ترکی میں ترجمہ کیا جو ۱۹۵۸ء میں انقرہ سے شائع ہوا۔ نیز انھوں نے کلام اقبال کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور اقبال پر دو کتابیں لکھیں۔ ان کی ایک کتاب "GABRIEL'S WING" (جبرائیل کے پر) کے عنوان سے لکھی ہے جو اقبالیات میں یہ ایک اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔ مقالہ کے باب ھذا میں آنا میری شمل کی اقبالیات کے حوالے سے خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ فرزندِ علامہ اقبال جناب جسٹس (ر) جاوید اقبال ایک دانشور اور ماہر قانون ہیں۔ عالمی سطح پر ان کو اقبال کے حوالے سے بہت احترام دیا جاتا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی ادبی اداروں نے ان کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگریوں سے نوازا ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں مئے لالہ فام، نظریہ پاکستان، حیاتِ اقبال اور زندہ رود ہیں۔ اقبال پر ان کے مضامین کے ترکی زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ محمد خان کیانی پاکستانی ہیں جو ترکیہ میں اقبال شناسوں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے ترکی زبان میں کلام اقبال کے تراجم کیے ہیں۔ مسعود اختر شیخ اقبال اکادمی لاہور کے رسالہ ''اقبالیات ترکیے ۱۹۹۳ء'' کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے کئی ایک انگریزی زبان میں اقبال پر لکھے ہوئے مضامین کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ ان کی ترکی ادب سے متعلق اردو کتب کی فہرست اس باب میں شامل ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد اسرار صحافت سے وابستہ رہے اور پاکستانی سفارت خانہ انقرہ میں پریس اتاشی رہے۔ انھوں نے اردو، ترکی اور انگریزی میں علامہ اقبال کے بارے میں کئی مضامین لکھے ہیں۔ انھوں نے علامہ اقبال کے انگریزی زبان میں لکھے خطبات (ری کنسٹرکشن) کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر نثار احمد اسرار کی ترکی زبان میں پانچ کتب، نظموں اور مضامین کے سات تراجم اور آٹھ طویل مضامین جو کہ ترکی زبان میں لکھے گئے ہیں کا ذکر شامل ہے۔ علامہ اقبال کے حوالے سے ایک انٹرویو (اقبال گیلے جین خبر جی سی ایدی) جو کہ فرحت کوچ نے لیا تھا اور یکم دسمبر ۱۹۸۴ء کو ترکی اخبار ''ملی گر یٹ'' میں شائع ہوا اس کا تذکرہ بھی شاملِ باب ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد تارلان ترک مترجمین اقبال میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اقبال کی شہرہ آفاق نظم ''پیام مشرق'' کا ترکی زبان میں ''شارق تان خبر'' کے نام سے ان کا ترجمہ ان کی اقبال شناسی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ اول یہ کہ یہ ترجمہ رواں ترکی نثر میں ہے اقبال کی فارسی اور

عربی تراکیب واصطلاحات کو آسان ترکی الفاظ میں توسین میں لکھ کر ترک قاری کے لیے تفہیم اقبال آسان بنا دی ہے۔ دیگر ترک ماہرین اقبالیات مثلاً بصری گوجل نے بھی ''پیامِ شرق'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے لیکن ان سب میں علی نہاد تارلان کے تراجم اور اقبال پر تحقیقی کام اصل کے زیادہ قریب تر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ادائے مطلب کو ہمیشہ اولیت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقادر قراۂ خان نے بھی ''پیامِ شرق'' کے ترجمہ کے لیے زور مارا لیکن مکمل ترجمہ نہ کر سکے۔ علی نہاد تارلان اردو زبان نہ جانتے تھے لیکن کلامِ اقبال کا ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے دیگر ذرائع یا احباب کی مدد حاصل کی۔

۱۹۵۸ء میں استنبول سے شائع ہونے والا ''اسرار و رموز'' کا ترکی ترجمہ بھی علی نہاد تارلان کی کاوش ہے۔ یہ ایک معیاری ترجمہ ہے ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے اس میں اقبال کے سوانحی حالات اور دو مضامین شامل کر کے ترکوں کے لیے اقبال آشنائی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ یہ بھی نثری ترجمہ ہے۔ اقبال کے بارے میں علی نہاد نے اپنے خیالات کو باقاعدہ عنوانات کے تحت لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر علی یوکسل اور احمد متین شاہین نے ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بےخودی'' کا الگ الگ ترجمہ کیا ہے۔ احمد متین شاہین نے منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ حوصلہ افزا کوشش تو کہلا سکتی ہے لیکن حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ کیونکہ اقبال بڑا اَپڈیٹنگ ہے۔ اُس کی سادگی و پرکاری، بےخودی و ہوشیاری غیر معمولی ہے۔ ترکی تراجمِ اقبال میں ایک غیر ترک ماہر اقبال یعنی اَنا میری شمل جرمن خاتون ہیں۔ ''جاوید نامہ'' کا ترکی ترجمہ ان کی کامیاب کاوش ہے۔ اَنا میری شمل کا ترجمہ نثری ہونے کے باوجود فکرِ اقبال کے کافی پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کو ایک معیاری ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ ترجمہ اپنی گہرائی اور گیرائی کے باعث انسائیکلوپیڈیا آف جاوید نامہ کہلا سکتا ہے۔

''گلشن راز جدید'' کے ترجمہ میں علی نہاد تارلان کی صلاحتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ یہ ترکی نثر میں آسان رواں ترجمہ اپنے اندر منظوم ترجمہ کے جگنو بھی لیے ہوئے ہے جو کہیں کہیں اشعار کی شکل چمکتے ہیں۔ فکرِ اقبال کو ترکی زبان میں ڈھالتے ہوئے علی نہاد تارلان زبان بیان پر مہارت رکھتے نظر آتے ہیں بعض اوقات یہ ترجمہ طبع زاد تصنیف کا دھوکہ دیتا نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں ''زبورِ عجم'' سے منتخب کلامِ اقبال کا ترکی منظوم ترجمہ علی نہاد تارلان کے ایک وسیع المشرب شاعر ہونے پر دال ہے۔ بعض مقامات پر ترجمہ کرتے ہوئے علی نہاد تارلان آسان تفہیم کے لیے جملہ معترضہ کا استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن کلام کی روح مجروح نہیں ہونے دیتے۔ اگرچہ پہلی نظر میں یہ اضافی الفاظ کھٹکتے ہیں در حقیقت یہ باعث تسہیل ہوتے ہیں۔

''ارمغانِ حجاز'' کا ترکی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر علی نہاد تارلان نے ''حجاز ارمغانی'' کے عنوان سے کیا ہے۔ بوجہ کچھ کلام کا ترجمہ نہیں کیا گیا اس کی تفصیل مقالے میں دے دی گئی ہے۔ البتہ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقادر قراۂ خان نے بھی چند رباعیوں کا ترجمہ کیا۔ مقالہ ھذا میں دونوں اقبال شناسوں کے تراجم کا تقابلی موازنہ بھی شامل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ترجمہ آسان فہم اور تشریحی انداز کیے ہوئے ہے۔ علی گینجیلی جو ڈھاکہ میں ترکی زبان و ادب کے معلم تھے فارسی آشنا تھے۔ انھوں نے اقبال کی ''مثنوی مسافر'' کا ترکی میں ''یولجولک خاطرہ سی'' کے عنوان سے منظوم ترجمہ کیا ہے۔ علی گینجیلی کا یہ بلند آہنگ ترجمہ اقبال کے اشعار کے بہت قریب ہے۔ اقبال کا سا انداز دکھائی دیتا ہے۔ اس میں درج فارسی اور عربی تلمیحات کی وضاحتی فہرست ترک قارئین کے لیے مفید ہے۔

اقبال کے حکیمانہ کلام کا ترجمہ بصری گوجل نے ''پاکستان ملی شاعرا اقبالن حکمت لی شعرلری'' کے عنوان سے کیا۔ اس میں فارسی متن سے ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ فارسی الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے بصری گوجل کی یہ کاوش ترک قارئین کے لیے زیادہ مفید نہیں ہے کیونکہ اشعار کا ترجمہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی ایک اور کامیاب کاوش ''اقبال دین شعرلر۔ شارق تان خبر دے زبورِ عجم'' ہے۔

اس میں اقبال کے سوانح اور اقبال کی شخصیت پر مضامین ہیں۔ علی نہاد تارلان خود شاعر ہیں اس لیے ان تراجم میں ان کے اندر کا شاعر صاف جھلکتا ہے۔ نیز ردیف و قافیے اور مصرعوں کی لمبائی میں تبدیلی کر کے شعری تجربات کیے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر محمد اقبال کی تین مثنویوں، ''مسافر''، ''بندگی'' اور ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کا ترکی ترجمہ ''ڈاکٹر محمد اقبالن اُچ اثرلری: یولجو۔ اے شارق قدیم لری۔ کھولے لِک'' کا قابلِ قدر ترجمہ ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی اقبال شناسی کا قوی ثبوت ہے۔ اس عظیم ترجمہ کا انتساب قائداعظم محمد علی جناح کے نام کیا ہے۔ یہ ترجمہ فنی مبادیات، اسلوب اور زبان کے اعلیٰ درجہ پر ہے۔

ڈاکٹر علی یوکسل نے اسرارِ خودی کا ترکی میں ترجمہ ''اسلامی بین لعین اچ یوزو'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس میں عظیم اسلامی مشاہیر کی اقبال کے بارے میں آراء کو خصوصی طور پر چھاپا گیا ہے۔ ڈاکٹر علی یوکسل نے اسرارِ خودی کا مکمل ترجمہ نثر اور منظوم انداز میں کیا ہے۔ منظوم ترکی ترجمہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ کلامِ اقبال کو فارسی سے ترکی زبان میں منظوم منتقل کرنا ان کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ جبکہ مثنوی ''رموزِ بے خودی'' کا ترکی ترجمہ ''بنلک دے تو بلم'' کے عنوان سے کیا ہے۔ علی نہاد تارلان کے بعد علی یوکسل کے تراجم کا مقام ہے۔

باب سوم میں اقبال کی اردو شاعری کے تراجم کا ذکر کرنے سے پہلے اقبال کی معروف اردو کتب شاعری کا اجمالی تعارف دے دیا گیا ہے۔ ان کتب کا زمانی اعتبار سے ذکر ہے اور ان کتب میں کلامِ اقبال کے موضوعات ان کا خلاصہ اور اقبال کے افکار کی طرف طائرانہ اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اردو کلامِ اقبال کے ترکی تراجم کا بیان ہے۔

ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ''ضربِ کلیم'' کا ترکی ترجمہ ۱۹۶۷ء میں Darb-i-Kalim کے عنوان سے شائع ہو۔ ڈاکٹر تارلان اردو زبان نہیں جانتے تھے انھوں نے ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کے ''ضربِ کلیم'' کے فارسی ترجمے کی مدد سے ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر تارلان اقبال شناسی میں عبور رکھتے ہیں اس لیے ''ضربِ کلیم'' کے ترجمے اقبال کے اصل مفہوم کو پوری روح کے ساتھ اردو سے ترکی میں منتقل کر گئے۔ ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے اقبال کے اردو کلام سے منتخب نظموں اور غزلوں کا ترجمہ کیا ہے۔ ان کے ترجمہ میں شعری آہنگ تو موجود ہے لیکن پورا ترجمہ منظوم نہیں ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے پوری نظم یا غزل کے بجائے چیدہ چیدہ اشعار کے ترکی ترجمے کیے ہیں۔ لہٰذا ان کے تراجم نیم نثری اور نیم منظوم ہیں۔ عبدالقادر قراۂ خان نے اقبال کی تصانیف سے انتخاب کر کے ان کا ترجمہ ''ڈاکٹر محمد اقبال و اثرلریندان سچے لر'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس میں ''اسرارِ خودی''، ''رموزِ بے خودی''، ''پیامِ مشرق''، ''زبورِ عجم''، ''جاوید نامہ''، ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق''، ''مسافر''، ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' سے انتخاب مع متن شامل ہیں۔ اقبال کی نثری تصانیف کے انتخاب کے تراجم بھی کیے گئے ہیں۔ یہ تمام تراجم فارسی و عربی تراکیب سے بوجھل ہیں۔ جدید ترکی زبان میں ہونے والے تراجم ہی اقبال کو نئی نسل کے قریب کر سکیں۔ لہٰذا قدیم تراجم پر نظرثانی درکار ہے۔

مقالہ ''ترکی میں اقبال شناسی کی روایت'' کے چوتھے باب میں نثرِ اقبال کے ترکی تراجم اور اقبال کی عظیم شخصیت پر ترکی میں لکھی جانے والی کتب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ شامل ہے۔ اس حوالے سے مترجم جودات نازلی نے ''دی ڈویلپمنٹ آف میٹا فزکس ان پرشیا'' کا ترجمہ ترکی زبان میں ''اسلام فلسفے سینے برقاتک'' کے عنوان سے ۱۹۹۷ء میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ اقبال کے مقالے کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے، حواشی اور حوالہ جات پوری تحقیق صحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ترک قارئین اس ترجمہ سے کماحقہٗ استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجیس تھاٹ اِن اسلام'' کا پہلا ترکی ترجمہ ''اسلامن روحو'' کے عنوان سے ای۔ اے نے کیا ہے۔ مترجم نے نام مکمل درج نہیں کیا بلکہ صرف ''ای۔ اے'' مخفف لکھا ہوا ہے۔ مترجم نے اقبال کے انگریزی لیکچرز (ری کنسٹرکشن) کے اصل متن کو سامنے رکھ کر ترکی

زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ البتہ فارسی اور عربی تراکیب سے بوجھل یہ ترجمہ جدید ترکی زبان کے قارئین کے حوالے سے نظر ثانی چاہتا ہے۔ کیونکہ ترکی زبان میں فارسی و عربی اصطلاحات کا چلن کم ہو گیا ہے۔ ترک سکالر صوفی حورنی نے بھی اس نثری تصنیف کا ترکی میں ''اسلام دا دینی تفکرأن یی دین تشکیلو'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ صوفی حوری نے انگریزی متن، سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے اور ای۔ اے کے ترجمہ اسلامن روحو کو مدنظر رکھ کر نسبتاً بہتر ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ صوفی حوری کے ترجمہ میں فارسی، عربی تراکیب کم ہیں جو جدید ترک قارئین کے لیے قابلِ قبول ٹھہرتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اقبال کے اختلافی و تنقیدی خیالات کو جب نرم پیرائے میں بیان کرتی ہیں تو اصل متن کی روح مکدر ہو جاتی ہے۔ اقبال کے انہی عظیم خطبات کو ترکی کے ایک اور ماہر و قدردانِ اقبال یعنی ڈاکٹر نثار احمد اسرار نے نہایت رواں اور سلیس ترکی زبان میں ڈھال دیا ہے۔ انھوں نے ''اسلام دا دینی دشنچے نی دین دوغوشو'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ عربی اور فارسی تراکیب کو جدید ترکی تراکیب سے بدل دیا ہے۔ نیز ان کا اسلوب تشریحی ہے تاکہ ترک قارئین، اقبال کے اس بصیرت افروز سرمائے سے فیض یاب ہو سکیں۔

ترکیہ میں لکھے گئے اقبال کے سوانح پر نظر دوڑائی جائے تو پہلی کتاب ''علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، حیات وے فلسفے سی'' ہے جو ایک ایسی کتاب ہے جس پر مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔ اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ماضی میں فوجی آمروں کے خوف سے اہلِ قلم منظر سے غائب ہو جانے یا فرضی ناموں اور مخفف حروف کا سہارا لیتے ہوئے لکھتے تھے۔ البتہ اس کتاب کا لکھاری ایک ماہر اقبال شناس ہے کیونکہ پہلی مرتبہ اقبال کے حالاتِ زندگی کو فکر مندی اور سنجیدگی سے آسان ترکی زبان میں ترک قارئین تک پہنچایا گیا۔ صلاح الدین یاشار نے اقبال کی سوانح کے سلسلے میں ایک جیبی سائز کی ترکی زبان میں کتاب تصنیف کی ہے۔ اس طرح اقبال اور نئی ترک نسل کے درمیان ایک رابطہ قائم کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں کلامِ اقبال کا ترکی ترجمہ ہر صفحہ پر نظر آتا ہے۔ اس میں اقبال کے فلسفہ، سیاسی جدوجہد اور نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اس میں تصانیفِ اقبال کا ذکر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ رمضان تونج بھی ترکی اقبال شناسوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی تصنیف ''محمد اقبال'' ہے۔ اس میں اقبال کے مختصر حالاتِ زندگی، کتبِ اقبال کا تعارف، اقبال کی فکر کے زاویے اور اقبال کی شاعری سے منتخب کلام شامل ہے۔ رمضان تونج کا اسلوب مدلل اور آسان فہم ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں محمد رمضان تونج نے ڈاکٹر نثار احمد اسرار کی کتاب ''دوغو دین اینتی لر'' اور دیگر مترجمین اقبال کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب اقبال سے رمضان تونج کی عقیدت کا مظہر ہے۔

علاوہ ازیں ''پاکستان بیوق ملی شاعری اقبال حقندا کانفرنس لر'' دراصل علامہ اقبال کے حوالے سے منعقدہ ہونے والی کانفرنسز میں اقبال شناسوں کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ پہلی تقریر ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی ہے۔ جو انھوں نے اقبال کی ۱۴ویں برسی کے موقع پر یومِ اقبال کے حوالے سے کی تھی۔ کتاب کا آخری مضمون ڈاکٹر عبدالقادر قراۂ خان کی تقریر ہے۔ یہ تقریر ۲۲ اپریل ۱۹۵۲ء میں اخبار ''وطن'' میں شائع ہوئی تھی۔ ترکی میں سفارت خانہ پاکستان نے ''اسلامن شاعر فیلوضوفو محمد اقبال'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ اس میں اقبال پر تین وقیع مضامین اور ''جاوید نامہ'' کے اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ سفارت خانہ پاکستان کی طرف سے ایک اور کاوش ''محمد اقبال'' کے عنوان سے سامنے آتی ہے۔ کتاب ھذا میں شامل مضامین دراصل یومِ اقبال کے حوالے سے اہم تقاریر ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان کی اقبال پر خوبصورت نظم بھی شامل ہے۔ جو اقبال اور مولانا روی کی محبت و عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ آخری مضمون ایک پاکستانی مہاجر ظفر حسن ایبک کا ہے۔ اس کتاب میں مزید بہتری کی گنجائش ہے۔ سفارت خانہ پاکستان اپنے وسیع ذرائع سے اقبال کا اعلیٰ علمی مواد شامل کر سکتا ہے۔ ترکیہ میں اقبال کی فکر پر جو کتب لکھی گئیں ان میں قولِ سعدی نے ''دوغونن اویانش یعنی شرق کی بیداری کے عنوان سے فکر انگیز تحریر لکھی ہے۔ اسلوب نگارش بیانیہ ہے۔ البتہ افسانوی انداز بھی قارئین کے لیے کشش کا باعث ہے۔

اقبال پر دیگر زبانوں میں لکھی کتب کے تراجم بھی ہوئے۔''دوغودین برسیس'' دراصل ذوالفقار علی خان کی کتاب کا ترکی ترجمہ ہے اور اس کے مترجم ترگت آکمان ہے۔ یہ اقبال کی شاعری پر پہلا قابلِ ذکر تبصرہ ہے جو انگریزی سے ترکی زبان میں منتقل ہوا۔ اس ترجمہ کی زباں رواں اور آسان فہم ہے۔ علی علوی قوروجو کی تصنیف ''بیوق اسلام شاعر محمد اقبال دراصل ابوالحسن علی ندوی کی عربی کتاب ''روائعِ اقبال'' کا ترکی ترجمہ ہے۔ علی قوروجو عربی دان تھے اس ترجمے میں عربی تراکیب و اصطلاحات کی کثرت کے باعثِ عام قاری کے لیے قدرے مشکل ہے۔ ابوالحسن علی الندوی کی اسی کتاب کا پروفیسر ڈاکٹر یوسف اشیق نے ''این۔ ندوی اقبالن مہ ساج'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ پروفیسر یوسف اشیق نے ''روائع اقبال'' کا انگریزی ترجمہ اور عربی متن کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ علی علوی قوروجو نے بھی ''روائع اقبال'' کا ترکی ترجمہ کرتے ہوئے بہت زور مارا ہے لیکن یوسف اشیق کا ترجمہ نسبتاً بہتر ہے۔ دونوں تراجم میں ایک بات گراں گزرتی ہے کہ ترک قارئین کو عربی الفاظ و تراکیب سمجھنے میں دقت پیش آئے گی۔ ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب ''ما و اقبال'' کا ترکی زبان میں ''بزوے اقبال'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ ارگن قلیچ قوتن نے اصل فارسی کتاب سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ دراصل ڈاکٹر علی شریعتی کے لیکچرز کا مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی اقبال کو اس صدی کا سب سے بڑا مفکر کہتے ہیں۔ اس ترجمہ کو بھی جدید ترکی زبان کے مطابق عام فہم بنانے کی ضرورت ہے۔ جدید ترکی نسل فارسی اور عربی سے ناآشنا ہے۔ لہٰذا حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق جدید ترکی زبان میں فکرِ اقبال کو منتقل کرنے کا قرض ہنوز ترک سکالرز پر واجب الادا ہے۔

حکیم الامت، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ پر ترکی میں جتنا تحقیقی اور تراجمی کام ہوا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ یہ تحقیقی تصانیف ہنوز تدریسی اور تشریحی سطح تک محدود ہیں۔ ادبی و علمی حلقوں میں مشرق کے اس نابغہ روزگار مفکر کی آواز پوری قوت سے گونج رہی ہے۔ لیکن ابھی کچھ کام باقی ہے کیونکہ کارِ اقبال دراز ہے ایسے ہی موقع کے لیے فیض نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

وہ منزل ہنوز دقّی دوراست والی بات ہے۔ اقبال کی عظمت اور پیغام کا تقاضا ہے کہ ''دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے''۔ اقبال ایک بحرِ بیکراں ہیں۔ ترک غواصوں کو ابھی حقِ شناوری ادا کرنا ہے۔ ترکیہ میں اقبال کی نظم پر نسبتاً نثر کے زیادہ کام ہوا ہے۔

اقبال کی بلند قامت شخصیت ارضی فاصلوں اور جغرافیائی سرحدوں سے بہت بلند ہے۔ اقبال نہ صرف عالمِ اسلام کے شاعر اور مفکر ہیں بلکہ اقبال کا آفاقی پیغام کل انسانیت کے لیے اکسیرِ اعظم ہے۔ اگر آج مشرق و مغرب تیسرے عالمی تصادم سے بچنا چاہتے ہیں تو مشرق اور مغرب دونوں کو افکارِ اقبال سے رجوع کرنا ہوگا۔ اور اس اصل حقیقت کا احساس دلانا پاکستان کے اعلیٰ دماغوں اور ترکیہ کے دانشوروں کی علمی ذمہ داری ہے۔ اقبال واحد مفکر ہیں جو تعصب سے پاک دل و دماغ رکھتے ہیں۔ وہ پوری انسانیت کا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ کلامِ اقبال کے ترکی تراجم، اقبال کے شخصی خاکے، تحقیقی تصانیف اور ''ایامِ اقبال'' منانے سے اقبال کے پیغام کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اقبال کی نوائے پریشاں کو شاعری سمجھ لینا بلکہ اخلاقی، علمی کوتاہی ہوگی۔ مغرب جو اس وقت بقاء و فنا کے دوراہے پر کھڑا ہے اور سخت تذبذب کی حالت میں ہے۔ اہلِ ترکیہ اپنے جغرافیائی اتصال کے باعث مغرب کو اقبال کا حیات بخش پیغام دینے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جبکہ عملی صورت حال یہ غمازی کررہی ہے کہ ''میں تو اس فکر میں ہوں کہ میری ابتداء کیا ہے۔'' بہرحال اس مقالے کے معتبر توسط سے راقم پاکستان کے اقبال شناسوں کو اور بالخصوص ترک اقبال شناسوں کی خدمت عالیہ میں گزارش کرتا ہے کہ اقبال کے افکار کی روح کو نئی نسل کے قلب و دماغ تک پہنچادیں۔

کلام اور نثرِ اقبال کے تراجم کے معیارِ اعلیٰ ہونے کے باوجود جدید ترکی زبان کی تبدیلی کے سامنے بے دست و پا نظر آتے ہیں۔ ترکوں کے ہاں اس بات کا احساس جاگزیں ہو رہا ہے کہ منظوم و منثور کتبِ اقبال کے تراجم آبِ حیاتِ نو کے لیے بے تاب ہیں۔ لہٰذا ترک یونیورسٹیز کے شعبۂ اُردو کے ترک اساتذہ کلامِ اقبال اور نثرِ اقبال کے از سرِ نو تراجم کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں استنبول یونیورسٹی شعبۂ اُردو کے ترک استاد خلیل طوق اَر اور انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ترک استاد جلال سوئیدان کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ خلیل طوق اَر نے اقبال کے منتخب ''اُردو کلام''، ''فارسی کلام''، ''جاوید نامہ''، نثرِ اقبال میں سے ''سٹرے ریفلیکشن'' اور مکتوباتِ اقبال کے جدید ترکیہ میں محققانہ تراجم پیش کیے ہیں۔ جلال سوئیدان نے اُردو کلامِ اقبال کی طویل نظموں کا ترجمہ پیش کیا ہے جو خوب ہے۔ نئی ترک نسل اردو اور فارسی سے نابلد ہے لہٰذا وہ اقبال پر تحقیقی و تصنیفی کام کے سلسلے میں دیگر زبانوں خصوصاً انگریزی میں اقبال کے فن و فکر پر ہونے والے کام کے تراجم کی طرف مائل ہے۔ اقبال شناسی کے سلسلے میں یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے۔

موجودہ دور میں پاک ترک روابط میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اس موقع پر دونوں برادر ممالک کا فرض ہے کہ وہ فکرِ اقبال سے نئی نسل کو متعارف کروانے کے لیے اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ راقم الحروف کی دانست میں ترک سکالرز بالخصوص ترک اقبال شناس درج ذیل زاویوں اور تقاضوں کے تحت اقبال کی ہمہ جہت شخصیت پر کام کر سکتے ہیں:۔

(۱) کلامِ اقبال کے قدیم ترکی زبان کے تراجم کو جدید ترکی زبان کے قالب میں ڈھالا جائے۔

(۲) فکرِ اقبال کو آسان فہم بنا کر نصابِ تعلیم میں سمویا جائے۔

(۳) ترکیہ میں اردو زبان سے آشنائی کے لیے ممکنہ اقدامات کیے جائیں۔

(۴) ترکیہ میں بھی ایوانِ اقبال لاہور کی طرز پر ایوانِ اقبال کا قیام۔

(۵) ترکیہ میں اقبال پر تحقیقی و تصنیفی کام کے سلسلے میں انگریزی تراجم کو بنیاد بنانے کی بجائے اردو اور فارسی متن کو اساس بنایا جائے۔

کتابیات

کتابیات

اردو کتب

۱۔ ابوالحسن علی ندوی "نقوش اقبال" (مترجم) مولوی شمس تبریز خان مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۹ء

۲۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری و عبدالحمید "تاریخ اسلام"، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور، س ن

۳۔ اختر راہی (مرتب) "اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں"، بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۷ء

۴۔ اسٹینلے لین پول "سلاطین ترکیہ" (مترجم) نصیب اختر، ادب منزل، کراچی، ۱۹۷۵ء

۵۔ اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر، "تاریخ پاکستان"، شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی، ۱۹۶۹ء

۶۔ اشتیاق حسین، ڈاکٹر، "ملت اسلامیہ"، شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی، یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء

۷۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، (مرتب) "فن ترجمہ کے اصولی مباحث"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۶۸ء

۸۔ اعجاز الحق قدوسی، "اقبال کے محبوب صوفیاء، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء

۹۔ ایس۔ ایم۔ شاہد، "تاریخ ترکیہ"، نیو بک پیلس، لاہور، س ن

۱۰۔ آنا میری شمل، ڈاکٹر، "شہپر جبریل" (مترجم) ڈاکٹر محمد ریاض، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۸۸۹ء

۱۱۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، مرتب "نقد اقبال۔ حیات اقبال میں"، بزم اقبال، لاہور ۲۰۰۲ء

۱۲۔ ثروت صولت، "ترکی اور ترک"، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء

۱۳۔ ثروت صولت، "ترکی کا شاعر اسلام محمد عاکف ارصوئی"، مطبوعہ المعارف، لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، "زندہ رود"، جلد اول، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، اشاعت سوم ۱۹۸۳ء

۱۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، "زندہ رود"، جلد دوم، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، اشاعت سوم ۱۹۸۳ء

۱۶۔ جے آر پوری، ٹی آر۔ شنگاری، "سائیں بلھے شاہ"، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۷۔ حسن ریاض، "پاکستان ناگزیر تھا"، شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۸ء

۱۸۔ خلیل طوق أر، ڈاکٹر، "اقبال اور ترک"، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۰۳

۱۹۔ ولاڑون، کیٹز، "تاریخ دولت عثمانیہ" جلد اول، مترجمین، مولوی محمد مارماڈوک، پکتھال و مولوی سید ہاشمی فرید آبادی، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۳۸ء

۲۰۔ رضا زادہ شفق، ڈاکٹر، "تاریخ ادبیات ایران"، خانہ فرہنگ، ایران، لاہور، س ن

۲۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، "تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ"، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۲ء

۲۲۔ شورش کاشمیری، "مولانا ظفر علی خاں"، ادارہ چٹان لاہور، ۱۹۵۷ء

۲۳۔ ظفر حسین ایبک، "خاطرات" (مرتبہ)، غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

۲۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "ترکی میں دو سال"، ادارہ ادب و تنقید، لاہور ۱۹۸۶ء

۲۵۔ عبدالسلام خورشید، "سرگزشت اقبال"، اقبال اکادمی لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۶ء

۲۶۔ عبدالشکور، ڈاکٹر، "اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ" اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء

۲۷۔ عبداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر، "جدید ترکی میں اسلامی بیداری"، اسلام پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء

۲۸۔ علی شریعتی، ڈاکٹر، "ہم اور اقبال"، (مترجم) جاوید اقبال قزلباش، ثقافتی قونصلر، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد ۱۹۹۶ء

۲۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، "اقبال ایک مطالعہ"، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء

۳۰۔ فقیر سید وحید الدین، "روزگار فقیر"، جلد اول، فقیر سپنگ مل، کراچی، ۱۹۶۳ء

۳۱۔ فہیم کمال اوکے، ڈاکٹر، "تحریک خلافت"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

۳۲۔ محمد شفیق، ڈاکٹر "اقبال اور ترکی"، ضیائے ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء

۳۳۔ محمد صدیق ندیم، "پاکستان کی خارجہ پالیسی اور عالمی تقاضے"، گوتم پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۳۴۔ محمد علی چوہدری، "ظہورِ پاکستان"، مکتبہ کارواں، لاہور، ۱۹۸۵ء

۳۵۔ محمد فتح اللہ گولین، "المیزان یا چراغِ راہ"، (مترجم) کرنل مسعود اختر شیخ، ہارمون پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

۳۶۔ نور احمد، سید، "مارشل لاء سے مارشل لاء تک"، لاہور، ۱۹۶۹ء

۳۷۔ وحید عشرت (مرتب)، "اقبال ۷۵"، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۹ء

۳۸۔ ولیم سپنسر "ترکی سرزمین اور باشندے" (مترجم)، غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۲۳ء

اردو کتبِ اقبال

۱۔ محمد اقبال، "اسلامی فکر کی نئی تشکیل" (مترجم) شہزاد احمد، مکتبہ خلیل، لاہور، ۲۰۰۵ء

۲۔ محمد اقبال، "اقبال نامہ"، جلد اول، مرتب ومترجمہ، شیخ عطاء اللہ، شیخ محمد اشرف کشمیری، بازار، لاہور، ۱۹۵۱ء

۳۔ محمد اقبال، "اقبال نامہ"، جلد دوم، مرتب ومترجمہ، شیخ عطاء اللہ، شیخ محمد اشرف کشمیری، بازار، لاہور، ۱۹۵۱ء

۴۔ اقبال "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" (مترجم) نذیر نیازی، سید، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۹ء

۵۔ محمد اقبال، "حروف اقبال"، (مرتب) لطیف احمد شیروانی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۹۹۸ء

۶۔ محمد اقبال، "شرح پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق"، (مترجم) یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، طبع دوم ۱۹۴۱ء

۷۔ محمد اقبال، "شرح جاوید اقبال"، (مترجم) یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، طبع دوم ۱۹۴۱ء

۸۔ محمد اقبال، "شرح زبورِ عجم"، (مترجم) یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، طبع دوم ۱۹۴۱ء، س ن

۹۔ محمد اقبال، "شذراتِ فکر اقبال" (مترجم)، افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم مئی ۱۹۷۳ء

۱۰۔ محمد اقبال، "فلسفہ عجم"، (مترجم)، میر حسن الدین نفیس اکیڈمی، حیدر آباد، ۱۹۴۴ء

۱۱۔ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال۔ اردو"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، جنوری ۱۹۷۹ء۔

۱۲۔ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال۔ فارسی"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۳۔ محمد اقبال، "مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں"، (مرتب) عبداللہ شاہ ہاشمی، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶ء

انگریزی کتب

1. Abdul Hamid (Prof.), "Muslim Separatism in India; A brief survey, 1858-1970, Oxford university, Press London, 1967

2. David Hotham, "The turks, "London John Murray, 1972

3. "Facts about Turkey", Turkey, Directorate General of press and information, Ankara, 1998.

4. H.C. Armstrong "Grey Wolf", Gosha-e-Adab, Quetta, 1978

5. Muhammad Munawar, "Iqbal and Quranic Wisdom", Iqbal Academy, Lahore, 1981

6. Poul Ernest Roberts, History of British India under the company and the crown, Oxfored University Press, lahore.

7. The panorama Director General of Press & Information of the Turkish Republic, Ankara 1993

انگریزی کتبِ اقبال

1. Muhammad Iqbal, "Letter of Iqbal", Compiled & edited, Bashir Ahmed Dar, Iqbal Academy, Lahore 1978

2. Muhammad Iqbal, "The reconstruction of Religions thought in Islam", Sh.Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore 1960

ترکی تراجم اقبال

1. Muhammed ikbal: "Aşk ve Tutku",Akcağ,,çeviri,cilai Soydan,istanbul 1999

2. Muhammad Ikbal: "Allama Doktor Muhammad Ikbal'in Üç Eseri; Yolcu - Ey Şark Kavimleri - Kölelik", Çeviri, Prof. Dr. Ali. Nihad Tarlan, İstanbul 1976,

3. Muhammed ikbal "Benlik ve Toplum" ,Çeviren Dr. Ali Yuksel,Birleşik Yayincilik, istanbul,1987

4. Muhammed ikbal, "CavidName",Çeviri: Prof. Dr. Annamarie Schimmel, Kirkambar Yayinlari, İstanbul, 1999,

5. Muhammed ikbal, "Cavidname", Çeviri,Halil Töker, kaknus Yayinlari,istanbl 2002 Ozkan,Kultur Bakanligi Yayinlari.Ankara 1999.

6.. Muhammad ikbal, "Dogu'dan Esintiler", Çeviri: Dr. N. Ahmed Asrar,Türkiye İS Bankasi, Kültür Yayinlari, Ankara, 1988

7.. Muhammed ikbal "Dr, Muhammed ikbal ve Eserlerinden Seçmeler",Çeviri:Abdulkedir Karahan, Gencliik Basimevi, istanbul, 1974, .

8. Muhmmad Ikbal: "Ikbal'den Şiirler-Şarktan Haber ve Zebur-u Acem"; Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, İs Bankasi Kultur Yayinlari, Istanbul 1971

9. Muhammed ikbal, "islami Benliğin içyüzu", Ceviren: Dr. Ali Yuksel, Fitrat Yayinlari, istanbul, 1986

10. Muhammad ikbal, "islam Felsefesine Bir Katki",çeviri: Cevdet Nazli, insan Yayinlari, Istanbul, 1997

11. Muhammad ikbal "islam'da Dini Tefekkurun Yeniden Teşekkulu", Çeviri:Sofi Huri, Celtut Matbaacilik, istanbul, 1964,

12. Muhammad ikbal, "islamda Dini Düşüncenin Yeniden Doğuşu", Çeviren: Dr. N.Ahmet Asrar, Birlesik Yayincilik, istanbul, 1984

13. Muhammad ikbal, "islamin Ruhu", Çeviri; E.A, Dogan Günes yayinlari, istanbul, 1963,

14. Muhammed ikbal, "Mektuplar", Çeviri; Halil Töker,kaknus Yayinleri,istanbul2002

15. Allama Dr. Muhammed ikbal, "Muhammed ikbal KÜLLIYATI"Çeviri: Ahmet Metin Şahin,. Irmak, Yayinlari, İstanbu, 2010,

16. Muhammad ikbal, "Pakistan Milli Şairi, ikbalin Hikmetli Şiirleri", Çeveri: Basri Gocul,1970

17. Muhmmad Ikbal: "Sarktan Haber"; Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, İstanbul 1956

18. Muhammad Ikbal: "Şu Masmavi Gökyüzünü Kendi Yurdum Sanmiştim Ben"; Çeviri, Halil Tokar, Sule Yayınlari İstanbul 1999,

19. Muhmmad Ikbal, "Dr. Tûr Lalesi (Rubiler)", Çeviri, Basri Gocul, Bursa 1970

20. Muhammed ikbal, "Yanismalar_Genclik notleri", Çeviri,Halil Toker,kaknus Yayınlerı, istanbul2001

21. Muhmmad Ikbal, "Yeni Gulsen-i Raz", Çeviri, Dr. Ali Nihad Tarlan, B. Kervan Matbaasi, Istanbul 1959

22. Muhammad ikbal, "Yolculuk Hatirasi", Çeviri: Ali Genceli: Ülkü Matbaasi, İstanbul, 1970,

23. Muhmmad Ikbal, "Zebur-u Acemden Seçmeler" Çeviri, Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan, Hilal Yayinlarl, Istanbul 1964

ترکی کتب

1. Adnan Siyadet Tarlan: "Prof. Dr. Ali Nihad Tarlan- Hayati ve Eserleri", Kültür Bakanliği, Ankara 1995

2. Annemarie Schimmel, Prof.Dr. "Paygamberane Bir Şair ve Filozof Muhammed ikbal", Çeviri,Sanail Ozkan,Kultur Bakanligi Yayinlari,Ankara1999.

3. Ali Sariti, "Biz ve ikbal", Çeviri:Ergin Kiliçtutan, Anka Yayinlari, 2006,

4. "Ebu'l Hassan En Nevdi, Büyük islam şairi", Ceviri:,Ali Ulvi Kurucu, Hilal yayinlarin, istanbul, 1990,

5. "En-Nedvi, ikbalin Mesajı", Çeviri: Prof. Dr Yusuf Işicik, Birleşik Yayincilik, istanbul,1999,

6. "Günümüz Türkiyesinde Kimkimdir", istanbul 1999

7. "Ikbalin düşnce düniyasi", Derleyen:Ahmet Albayrak,Insan Yayanlari,istanbul 2004

8. "Islam'in Şair Filozofu, Muhammad ikbal", Pakistan Basin Ateseliği, Şark Matbasi' 1968,

9. "Kul Sadi "Doğunun Uyanişi", vahdat Yaynevi, Istanbul 1985

10. "Mehmet Akif Ersoy", Safahat; İnklab ve Aka Yayinlari, İstanbul 1980

11. "Mehmet Ertugrul Duzdağ, Mehmet Akif; Istanbul 1988

12. Muhammed ikbal kitabi, Uluslararsi Muhammed ikbal Sepozyumu Bildirileri,istanbul Belediyesi. 1997

13. Muhammad ikbal, "Pakistan Basın Ataşeliği", sira matbaasi, istanbul, Nisan 1969,

14. Muhammed Han Kayani, "Şiirleri Aynasinda ikbal", istanbul Belediyesi 1995

15. Muhammad ikbal, "Hayati ve Felsefesi" istambul,1927,

16. Mukerrem K. Su, Kamil su, "Türkey Cümhüriyeti, Tarihi", Kanaat Yayınları, istanbul, 1971

17. Pakistan'in BUyük Milli Şairi "ikbal Hakkinda Konferanslar", Anil Matbaasi, istanbul 1952.

18. Muhammad Munawvver,: "ikbal ve kurani Hikmet", Çeviri M.Ali Ozkan insan Yayinlar, 1995.

19. Ramzan Tunç, "Muhammad ikbal, Beyan Yayinlari", istanbul 1984.

20. Selahaddin Yaşar, "Biyografiler Muhmmed ikbal Hayati, Sanati, Mucadelesi", Acar Matbaacilik, istanbul, 1988.

21. Tansel, Fevzia Abdüllah: "Mehmet Akif Ersoy", istanbul, 1973

22. "Türkiyede Dr. Muhammad Ikbal", Türkiye Pakistan Kültür Cemiyeti, Siralar Matbaasi, Istanbul 1962

23. Veli Urhan, Kisiliğin Doğasi, Vali Yayinlari, Konya 1998.

24. Zulfikar Ali han, "Doğudan Bir Ses", Çeviri: Turgut Akman, Binbirdirek, istanbul, 1981.

عربی کتب

۱۔ ابوالحسن ندوی، ''روائع اقبال''، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۶۰ء

۲۔ عبدالوہاب عزام، ''محمد اقبال سیرۃ وفلسفۃ وشعرہ''، مطبوعات پاکستان، لاہور، ۱۹۵۳ء

فارسی کتب

۱۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی، ''رومی عصر (شرح احوال وآثار علامہ اقبال شاعر ملی پاکستان)، اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۵۳ء

۲۔ محمد اقبال، ''ضرب کلیم وشرح احوال اقبال''، فارسی ترجمہ (مترجم) خواجہ عبدالحمید عرفانی، ڈاکٹر، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور، ۱۹۵۷ء

اخبارات

۱۔ نوائے وقت

۲۔ مشرق

اردو رسائل

۱۔ اقبال

۲۔ اقبال ریویو

۳۔ دائرے (ترکی نمبر)

۴۔ دستاویز (راولپنڈی)

۵۔ ہم قلم (کراچی)

انگریزی رسائل

1. Pakistan News Digest

ترکی رسائل

1. Pakistan Postasi

2. Türkçe ikbaliyat 1993

3. Turk Dili ve Edebiyati

انسائیکلوپیڈیا

۱۔ دائرہ معارف اقبال، جلد اول، دانش گاہ پنجاب

۲۔ دائرہ معارف اقبال، جلد دوم، دانش گاہ پنجاب

۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب

۴۔ دائرہ معارف اسلامی۔ ایران

۵۔ شاہکار انسائیکلوپیڈیا

۶۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا

۷۔ اردو وکیپیڈیا

انٹرنیٹ سائٹس

1. www.abdullahadi.com. Dated.16-06-2013

2. http://tr.wikipedia.org/wiki/Ana Meri Simal Dated 02-05-2013

3. www.babaminsiirdefteri.com/besir-ayvazoglu/besir-ayvazoglu-hayati-ve-eserleri-10696.html Dated 01-02-2013

4. www.asmoykusu.com/biyografi-410-Basri-Gocul, dated 05-10-2013.

5. www.biyografi.net/kisiayrinti.asp?kisid=2804,dated: 7th jan 2012

6. www.eskieserler.com/Eski/Eserler/Yazar/2081/Ramzan-Tunc-asp?LID=TR,Dated: 05-02-2013

7. www.eksisozluk.com/sebilurreshad.

8. www.haliltoker.blogspot.com. Dated 05-05-2013

9. www.humanity.ankara.edu.tr/Celalsoydan.html. Dated: 16-06-2013

10. http://tr.wikipedia.org/wiki/Hseyin_Htemi Dated 02-05-2013

11. www.inkilab.com.tr/yazarlar_urunler.asp?sID=1171,dated,25/6/12

12. www.istanbul.edu.tr/edebiyat/bolum-syfasi/dogudilleri/dosyalar/toker.htlm Dated: 05-05-2013

13. http://tr.wikipedia.org/wiki/%ihsaneliacik .(or)http://www.idefix.com/ kitap/ muhammed-ikbal-r-ihsan-eliacik

14. www.turkceiler.com/ismail-habip-sevuk.html dated,08/06/2013

15. www.kaknus.com.tr/new/index.php?q=tr/riode/375

16. http://tr.wikipedia.org/wiki/S.Mehmet Aydin Dated 02-05-2013
(OR) www .kimkimdir.gen.tr / kimkimdir.php? id = 5616

17. http://mehmetnuriyardim.com/sofi-hurinin-mistik-yolculugu-2/#.UduCBflmxqU
Mehmet Nuri Yardim,Sofi Huri'nin Mistik Yolculuguh,

18. http://www.merhabahaber.com.ihsan Kayseri, dated:3/4/2013

19. www.merhabahaber.com.29-12-2001

20. www.otuken.com.tr/yazardetay.asp?yazar ID=158,dated 8/6/13

21. www.yasam oykusu.com/biyografi-3698-mehmet ali-ozkan Dated 08-04-2013

22. www.yeniasyakitap.com/index.p.hp? do = dynamic/view&pid=10, dated 08/06/2013

23.http://tr.wikipedia.org/wiki/Yusuf_Kaplan

24.http://tr.wikipedia.org/wiki/Yasar_Nuri_Öztürk Dated 2-2-2013

ضمیمہ

علی نہاد تارلان کی شخصیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد صابر کا راقم کے نام خط

مبین صاحب

بعد سلام!

آپ کے پہلے خط کا جواب دے دیا تھا۔ معلوم نہیں ملا یا نہیں۔

(۱) میں آپ کو بہت سی چیزیں بھجوا سکتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم ہو کہ آپ نے اب تک کیا چیزیں جمع کی ہیں اور کیا لکھا ہے۔ حال ہی میں ایک تحریر دیکھی جس کے مطابق ڈاکٹر تارلان عمدہ اردو جانتے تھے' بالکل غلط بیان ہے۔ وہ بالکل نہیں جانتے تھے اردو کا سارا کام میں نے اور ڈاکٹر یعقوب مغل نے کیا ہے۔ اس بات کا انہوں نے خود اعتراف کیا ہے۔

(۲) ڈاکٹر تارلان کو پاکستان کی طرف سے اعزاز ۱۹۶۰ء میں دیا گیا۔

(۳) ڈاکٹر صاحب کی تصانیف اور مضامین بہت ہیں۔ میرے پاس بھی سارے نہیں ہیں۔ آپ نے کن کتابوں اور رسالوں کا حوالہ دیا ہے۔ تحریر کریں تو میں دیکھ کر جو حوالے آپ کے پاس نہیں ہیں (ان) میں اضافہ کروں۔

(۴) ڈاکٹر صاحب برملا کہتے تھے "اللہ کا شکر ہے مجھے ترک پیدا کیا' مرد پیدا کیا' حنفی مسلک پر قائم رکھا اور استنبول یونیورسٹی میں ترکی زبان اور ادب کے پروفیسر کے عہدے پر فائز کیا"۔

(۵) وہ اتحادِ اسلامی کے حامی اور اسلامی شعائر کو پسند کرتے تھے۔

(۶) دنیا میں سب سے زیادہ پاکستانیوں کو پسند کرتے تھے۔

(۷) گو کہ ترکی میں اقبال پر اوروں نے بھی کام کیا ہے مگر ان کا کام نہایت ہی اعلیٰ درجے کا ہے۔

باقی آئندہ۔ جواب کا منتظر۔

محمد صابر' کراچی

۱۵ ستمبر ۲۰۰۰ء

پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا علامہ اقبال کو شعری خراج عقیدت

İKBAL'in TÜRBESİNDE

در آرامگاه اقبال

قونیهٔ روم

بشنو از من ای بلندپایگاه
چون فغان میکردم از بخت سیاه
تا پیام مشرقم آمد بدست
تا شدم زآن باده‌ات سرگرم و مست
ناله‌ها میکردم از دوری تو
آه ازین دوری و مهجوری تو
تو که مولانای ما را پیروی
تو شنیدی این فغان معنوی
سینه دیدی شرحه شرحه از فراق
پر لهیب اضطراب و اشتیاق
میهمان منقبت کردی مرا
ای جهان معنوی را پادشا
شکر و منت آن خدای پاک را
شکر و منت آن شه لولاک را

کاین کمینه دید خاک درگهت
بوسه زد در خاک پای درگهت
تربت تو سجده گاهی شد مرا
روح پاک تو پناهی شد مرا
من که چون بوی وزیدم زآن دیار
طی نموده بحر و دشت و کوهسار
همره باد آمدم از کوی دوست
آوریدم نفحهٔ از بوی دوست
بوی گل آوردم از باغ ارم
از مزار قونیهٔ جنت شام
بو که بوی مثنوی زآن پیر روم
پیر قدسی مرشد آن مرز و بوم
قونیهٔ روم شده لاهور تو
از فیوض عشق نورانور تو
آری اینجاست یک باغ ارم
باغ جنت تربت اقبال نام
کعبة العشاق باشد این مقام
هر که اینجا ناقص آمد شد تمام
بر سر اجلال تست ای ذی کمال
بیت معمور خدای ذوالجلال
تربتت دارالامان نوریان
سایهٔ آرامگاهت آسمان
بسترت آغوش جبریل امین
سایبانت لطف رب العالمین

[illegible]

MEVLÂNÂ ve İKBAL

گزیده بندهٔ مولاست اقبال
مرید خاص مولاناست اقبال

به انوار کمال پیر رومی
مصفا منعکس مجلاست اقبال

بچشم دل فلک حائل نباشد
ورای پرده را بیناست اقبال

دلست از پرتو عشق آفریده
تجلای ید بیضاست اقبال

دری کز نور وحدت پرفروغ است
نه دُرّی فسحت دریاست اقبال

سر سجادهٔ ارشاد او گشت
رموز عشق را گویاست اقبال

زهی عنقای اوج آرای عرفان
حریم راز او را داناست اقبال

سوی راه خلاص آدمیت
ز ابروی قدر ایماست اقبال

آغستوس - ١٩٦١
قونیه
[illegible]

TURKEY MAIN IQBAL SHANASI

(TEHQIQI O TANQIDI MUTALIA)

SESSION (2006-2013)

A THESIS FOR THE DEGREE OF

DOCTOR OF PHILOSOPHY IN URDU

BY

KHALID MUBEEN

RESEARCH SCHOLAR

DEPARTMENT OF URDU, ORIENTAL COLLEGE, LAHORE

Supervisor

DR. AURANGZEB ALAMGIR

PROF. DEPARTMENT OF URDU,

ORIENTAL COLLEGE, LAHORE

DEPARTMENT OF URDU, ORIENTAL COLLEGE
UNIVERSITY OF THE PUNJAB, LAHORE.